اسرار الاولیاء

مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ

دُنیائے تصوّف میں حسین اضافہ

ملفوظات

حضرت شیخ فرید الدّین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

اسرار الاولیاء (اُردو)

مرتبہ

حضرت شیخ بدر الدّین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و ترتیب

پروفیسر عبد السمیع ضیاء گورنمنٹ کالج ساہیوال

با اہتمام

ابو العطاء حافظ نعمت علی چشتی سیالوی

ناشر

مکتبہ فریدیہ۔ جناح روڈ۔ ساہیوال

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

شیخ شیوخ العالم حضرتِ خواجہ فرید الدین مسعود ملقب بہ گنج شکر کی ذات ستودہ صفات برصغیر کے اُن عظیم مشائخ میں سے ایک ہے، جنھوں نے اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے اِس خطۂ ارض پاک و ہند کو رشکِ گلزارِ جنت بنا دیا۔ برصغیر کے مسلمان اِن مشائخ کرام علیہم الرحمۃ والغفران کے رہینِ منت ہیں جنھوں نے اِس علاقہ میں اسلام کی قندیلیں روشن کیں اور اپنے خونِ جگر سے نہالِ اسلام کی آبیاری کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔

اُن حضراتِ صوفیائے کرام میں حضرتِ داتا گنج بخش، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہم اللہ اجمعین کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

اِن مردانِ حق نے کفر و ظلمت کے اُس تاریک دور میں اپنے سوزِ باطنی سے ایمان کی غیر فانی شمعیں جلا کر تاریک دلوں میں نورِ عرفان کے فانوس روشن کر دیئے۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھا۔ اِن کی خانقاہیں نہ صرف علوم ظاہری کی یونیورسٹیاں تھیں بلکہ تہذیبِ اخلاق اور تزکیہ نفس کی تربیت گاہیں بھی تھیں۔ ہر قسم کے جرائم کے عادی اور اخلاقی کوتاہیوں کے مرتکب جب ان گرامی قدر ہستیوں کی خدمت میں آجاتے تو صرف نگاہِ فیض اثر سے اُن کی کیفیت بدل جاتی دل بیدار ہو جاتے اور اُن کی کایا پلٹ جاتی۔

چنانچہ مؤرخین حضرات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ ان حضرات نے برصغیر میں اسلام کی ترویج و اشاعت کا کام اس جذبۂ درد اور خلوص سے کیا۔ کہ اُن کے زمانے کی حیران و سرگرداں مخلوق اُن کے آستانوں پر آ کر اطمینان و سکون کی دولت حاصل کرتی تھی۔ اُن کے دکھوں کا علاج ہوتا۔ اور اُن کے دلوں کی خلش دور ہوتی۔ ظاہری و باطنی سکونوں سے مالا مال ہو کر جاتے اور دوسروں کو دعوت دیتے۔ اُس زمانے کے ہندو جوگیوں اور پنڈتوں نے جب اپنے لوگوں کو اس نغمۂ محبت سے مسحور ہو کر دین آبار کو چھوڑتے دیکھا۔ تو اپنی تمام ساحرانہ شعبدہ کاریوں اور قوتوں کے ساتھ ان بزرگوں کی روحانی طاقت سے ٹکرانے کی ناکام کوششیں کیں۔ ہندو راجوں مہاراجوں نے مخالفتیں کیں۔ لیکن سب ناکام و نامراد رہے۔

اسلام کا بول بالا ہوا۔ اور ان بوریا نشینوں کے فقر کا سکہ پورے برصغیر میں بیٹھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پورے برصغیر میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا پیدا ہو گئے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ کہ "ہند سے مجھے خوشبو کی مہک آ رہی ہے"۔

یہ مہک اس چمنستان میں اسی بادِ صبا کی لائی ہوئی ہے۔ جن کو عرفِ عام میں صوفیاء کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

ان کا تذکرہ ہمارا فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا وہ خدا کا شکریہ ادا کرنے کا بھی اہل نہیں ہو سکتا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے محسن یہی صوفیائے عظام ہیں۔ جن کے قدوم میمنت لزوم کے صدقے ہم لوگ نورِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ اگر ہم اپنے ان محسنین کا شکر و ذکر کرنے میں بخل کریں گے تو خدا کا شکریہ ادا کرنے کی صلاحیت کہاں سے پائیں گے۔

چنانچہ میرے نزدیک شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ کہ ان بزرگوں کی پاکیزہ زندگی کے حالات دوسروں تک پہنچا کر اور اُن کے ارشادات و ملفوظات کو عام کر کے حق شکریہ ادا کیا جائے۔

چنانچہ بہت سارے اہل دل جنھوں نے بلاواسطہ یا بالواسطہ ان نورانی ہستیوں سے اکتساب نور کرنے کی، اظہار تشکر و امتنان کے طور پر تذکرہ نویسی کا کام کرتے رہے اس لئے آج اِن پاکیزہ خیال حضرات کی زندگیاں کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہیں۔ تشنہ روح لوگوں کی سیرابی کا سامان بہم پہنچا رہی ہیں۔

اسی سلسلے کی کڑی زیر نظر کتاب " اسرار الاولیاء " ہے۔ جو شیخ شیوخ العالم خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات و ملفوظات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مستطاب حضور باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عزیز ترین خلیفہ، داماد اور خادم خاص حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ کی ترتیب دادہ ہے۔ اس خاکسار نے کوشش کی ہے، کہ حضور باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات و ملفوظات کو فارسی سے اردو میں منتقل کرنے کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ اس کوشش کا نتیجہ قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ دعا کریں خداوند کریم مشائخ چشت اہل بہشت کے صدقے اِس شکستہ و خستہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے۔

اصل کتاب سے پہلے حضور باباصاحب رحمتہ اللہ علیہ اور اُن کے اعظم خلفاء کے حالات زندگی تحریر کئے گئے ہیں۔ حصول سعادت و برکت کے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کی سیرت کا اجمالی تعارف اس لئے بھی ناگزیر تھا۔ کہ ملفوظات طیبات میں اِن گرامی قدر ہستیوں کا ذکر بارہا آتا ہے۔ تو میں نے یہ ضروری سمجھا کہ قارئین کرام سے اِن کا اجمالی تعارف کرانے کی خوش نصیبی حاصل کروں۔ اگرچہ یہ حضرات محتاج تعارف نہیں۔ اِن میں سے ہر ایک درخشندہ آفتاب ہے۔

میری یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکتبہ فریدیہ کے مہتمم حضرت مولانا الحافظ نعمت علی چشتی عم فیوضہم سے میری دوستی کروادی۔ مَیں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرت مولانا سے میرا تعارف اور دوستی اور اخوت فی اللہ کی داغ بیل نہ پڑتی۔ تو میرا ذہن کبھی اس خوش قسمتی کو حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سارا عمل اُس قادر وکریم کی توفیق کا عنایت کردہ ہے۔ وگرنہ میں کہاں اور یہ سعادت کہاں۔ حضرت جگر مراد آبادی کہتے ہیں:

میری طلب بھی اُسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

حضرت مولانا نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ اور پھر اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کر کے مجھے زیر بار منت کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مساعی جمیلہ کو مشکور و ماجور بنائے۔

مکتبہ فریدیہ تین چار سال سے اشاعت کتب دین کا فریضہ بڑی خوش اسلوبی و کامیابی سے سرانجام دے رہا ہے۔ اور مختصر وقت میں متعدد دینی کتب کی اشاعت کا اہتمام کر چکا ہے۔ لیکن جس پاک ہستی کے نام نامی اسم گرامی سے یہ ادارہ معنون کیا گیا۔ اُس کی نسبت سے یہ پہلی کتاب منظر شہود پر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مکتبہ فریدیہ کو حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ چشت اہل بہشت کے فیضان کے عام کرنے کا زیادہ سے زیادہ شرف عطا کرے۔ اور حضرت مولانا موصوف کے علم و عمل میں برکت اور اُن کی کوششوں کو مقبول فرمائے۔ آمین۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت قاضی شعیب ۵۵۲ ہجری بمطابق ۱۱۵۷ عیسوی کابل سے ہجرت فرما کر لاہور میں قیام گزیں ہوئے۔ اُن کے ساتھ اُن کے تین صاحبزادے اور خاندان کے دیگر افراد بھی تھے۔ قاضی شعیب رحمۃ اللہ علیہ کا کابل سے عزمِ سفر منگولوں کی ترکتاز اور خونریز جنگوں کی وجہ سے تھا۔ لاہور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد قاضی صاحب موصوف قصور تشریف لائے۔ شہر قصور کے قاضی نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور سلطانِ وقت سے آپ کے حسب ونسب اور اہلیت وصلاحیت کے بارے میں کلماتِ خیر سے ذکر کیا۔ اُس وقت لاہور کے علاقے پر غزنوی حکمران صاحبِ اقتدار تھے۔ چنانچہ لاہور کی جانب سے قاضی شعیب کو کھوتوال کے علاقے کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔

کھوتوال کا قصبہ دریائے ستلج کے کنارے مہاراں اور اجودھن (پاک پتن) کے درمیان واقع تھا۔ آجکل ایک چھوٹا سا گاؤں بنام چاولی مشائخ آباد ہے۔ یہاں پہنچکر حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت قاضیٔ علاقہ فرائض سرانجام دینے شروع کئے آپ کے تین صاحبزادوں میں بڑے قاضی جمال الدین سلیمان اور درمیانے شیخ عبداللہ اور چھوٹے شیخ سعد حاجی تھے۔ والدِ محترم کے وصال کے بعد حضرت جمال الدین سلیمان قاضیٔ علاقہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ کمالِ علم وفضل میں پدرِ بزرگوار کا نمونہ تھے۔ عدل وانصاف زہد واتقاء اور بذل وسخا میں شہرت رکھتے تھے۔ آپ کی شادی ایک نہایت متقی بزرگ مولانا وجیہ الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی دخترِ نیک اختر حضرت بی بی قرسم خاتون سے ہوئی۔ یہی وہ خاتون محترم ہیں جن کو فخرِ اولیاء واتقیاء، زہدِ انبیاء، حضرت شیخ الاسلام والمسلمین

خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا.

امیر خورد سیر الاولیاء کے مصنف حضرت بی بی قرسم خاتون کی نیک سیرتی اور عصمت و عفت اور زہد و ورع کی تعریف میں لکھتے ہیں.

"مادرِ ایں بزرگاں نہایت اہل صلاح و تقویٰ بود"

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں بی بی صاحبہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں.

"والدۂ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ بسے بزرگ مستجاب الدعوات بود"

حضرت سلطان المشائخ حضرت بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے مستجاب الدعوات ہونے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں.

"ایک رات حضرت بی بی قرسم خاتون حسب معمول عبادت میں مشغول تھیں کہ ایک چور آپ کے گھر میں داخل ہوا. جیسے ہی اُس کی نظر آپ پر پڑی فوراً نابینا ہو گیا. اس حادثۂ فاجعہ نے چور کو پریشان کر دیا. آخر عجز و انکساری کا راستہ اختیار کر کے اعتراف کیا. کہ میں چور تھا. بدقسمتی سے اِدھر آ گیا. یہاں آ کر اندھا ہو گیا ہوں. یہ سزا مجھے اِس لئے ملی ہے کہ میں نے آپ کے ہاں چوری کرنے کی جرأت کی ہے. اب میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں. اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تمام عمر چوری نہیں کروں گا. اور صبح ہی مسلمان ہو جاؤں گا. خدا سے دعا کریں کہ میری آنکھیں روشن ہو جائیں.

بی بی صاحبہ نے جب یہ بات سنی تو اُس کے لئے دعا کی. آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اُس کی آنکھیں دوبارہ روشن کر دیں اور وہ فوراً واپس چلا گیا.

صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص دہی کا مٹکا سر پر رکھے بیوی کے ہمراہ اپنے بچے کا ہاتھ پکڑے دروازے پر کھڑا ہے. لوگوں نے پوچھا تو یہاں کیوں کھڑا ہے. اُس نے رات کی تمام سرگزشت سنائی اور کہا کہ اب میں حسب وعدہ مسلمان ہونے کے

لئے آیا ہوں۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔"

ولادت

حضرت شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت ۵۷۱ ہجری بمطابق ۱۱۷۵ عیسوی کھوتوال کے قصبہ میں ہوئی۔ آپ قاضی جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام نامی شیخ عزالدین محمود اور چھوٹے کا اسم گرامی شیخ نجیب الدین محمد متوکل تھا۔ آپ کی ولادت مبارکہ پر ایک عجیب واقعہ صاحب سیر السالکین روائت فرماتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ مولودِ مسعود مادر زاد ولی اللہ اور صاحب مقام ہستی ہیں۔

"جس سال حضور بابا صاحب قدس سرہ العزیز کی ولادت ہوئی۔ شعبان کی انتیس تاریخ تھی۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ شہر کے مسلمان آپ کے والدِ ماجد حضرت قاضی جمال الدین سلیمان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ چاند تو نظر نہیں آیا۔ اب ہم کل روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا۔ شک والے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اس لئے روزہ کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔

اُس وقت قصبہ کھوتوال میں ایک بزرگ مجذوب صفت رہا کرتے تھے۔ عام خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ابدالوں میں سے ہیں۔ لوگ اُن کی خدمت میں گئے۔ اور عرض حال کی۔ حضرتِ موصوف نے فرمایا۔ واہ جی واہ! "ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں"

آج رات قاضی صاحب کے گھر میں جو بچہ پیدا ہو گا وہ قطب ہے۔ پس اگر وہ کل دودھ پیئے تو جاننا کہ چاند نہیں ہوا۔ اور اگر نہ پیئے تو سمجھ لینا کہ آج رمضان ہے۔ پس یہی ہوا۔ کہ اُسی رات کو آپ کی ولادت ہوئی اور صبح کو آپ نے دودھ نہیں پیا۔ تمام شہر نے یہ حال معلوم کر کے روزہ رکھا۔ جب وقتِ افطار کا آیا تو آپ نے دودھ پیا اور پورے ماہ رمضان کے روزوں میں آپ کی یہی صورت رہی کہ دن بھر دودھ نہ پیتے اور وقتِ افطار نوش فرماتے۔"

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مادر زاد ولی ہونے کا ایک اور واقعہ اہلِ سیر نے درج فرمایا ہے کہ

"جب آپ اپنی مادرِ مشفقہ کے بطنِ سعید میں تھے۔ تو آپ کی والدہ ماجدہ کو بیر کی رغبت ہوئی۔ پڑوس میں ایک ہمسایہ کے ہاں بیری کا درخت تھا۔ انہوں نے بلا اجازت مالک کے دو چار بیر اُس درخت سے توڑ کر کھانا چاہے۔ آپ نے پیٹ کے اندر اس بے قراری کا اظہار کیا کہ وہ بیر اُن کے ہاتھ سے گر پڑے۔ اس طرح وہ بیر کھانے کی خواہش پوری نہ کر سکیں۔ جب آپ حضور سنِ تمیز کو پہنچے تو والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ فرید! ہم نے آپ کے حمل کے زمانے میں کبھی مشکوک شے کی جانب ہاتھ نہیں بڑھایا آپ مسکرائے اور کہا۔ امی حضور! ایک دفعہ آپ بلا اجازت مالک کے بیر کھانا چاہتی تھیں، میں نے بے قراری کر کے آپ کی اُس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ یاد کیجئے۔ یہ سن کر حضرت بی بی صاحبہ بہت متعجب ہوئیں کہ میں نے اُس کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کیا تھا۔ اِسے کیسے معلوم ہو گیا اور یہ بیٹا کہتا بالکل سچ ہے۔ یقیناً یہ کوئی ولی اللہ ہے جب تو میرے اس راز سے آگاہ ہے۔"

تعلیم و تربیت

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم قصبہ کھتوال ہی میں ہوئی۔ قرآن پاک حفظ کیا۔ اور ابتدائی درسی کتابیں پڑھیں حضرت بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے دامنِ تربیت میں فکر و عمل کی راستی اور عشقِ الٰہی کی چنگاری نے حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دل یادِ خدا میں لگا دیا۔ چنانچہ بچپن میں ہی قصبہ کھتوال کے باشندے اُن کی جذب و مستی کی کیفیت اور انجذاب الی اللہ کی مشغولیت کو دیکھ کر "قاضی بچہ دیوانہ" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اِسی زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی کا گزر کھتوال کے قصبے میں سے ہوا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس بستی میں کوئی اللہ والا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ ہاں قاضیٔ شہر جمال الدین سلیمان

کا ایک لڑکا فریدالدین نامی ہے جس کو عام لوگ تو مجنوں ہی سمجھتے ہیں مگر یادِ الٰہی اور زہد و عبادت میں ہر وقت مشغول رہتا ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی آپ حضور کی زیارت کو آئے، راستے میں کسی نے ایک انار آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ وہ انار نذر کے طور پر بابا صاحب کے حضور لے آئے۔ آپ نے انار توڑ کر دانے پیش کئے۔ بابا صاحب نے روزہ دار ہونے کی وجہ سے معذرت کی۔ حضرت شیخ کچھ دیر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ انار کا ایک دانہ زمین پر گرا پڑا تھا۔ آپ نے اُس کو اٹھا کر دستار مبارک کے پلو میں باندھ لیا، شام کو انطاری کے وقت اُس دانہ کو کھایا۔ تو دل میں روشنی پیدا ہو گئی۔ آپ کو افسوس ہوا کہ میں نے یہ انار پورا کیوں نہ لے لیا، مگر جب بعد میں حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں حضرت نے یہ واقعہ سنایا، تو آپ نے فرمایا۔ "فرید! تمام برکتیں صرف اُسی ایک دانے میں تھیں جو قدرت نے تیرے نصیب کیا"

قصبہ کھتوال میں ابتدائی تعلیم پوری کرنے کے بعد مزید حصولِ تعلیم اور اکتسابِ فیض کے لئے آپ ملتان تشریف لے گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر شریف ۱۸ سال تھی۔ ملتان علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ آپ سرائے حلوائی کے قریب مولانا منہاج الدین ترمذی کے مدرسہ میں تکمیل علوم و فنون میں مشغول ہو گئے۔

علوم ظاہری کی تکمیل علوم باطنی کی تحصیل کا وسیلہ ہے۔ جس دل کے اندر خدا کی محبت کی روشنی ازل سے بھر دی گئی تھی، اس وسیلے سے اُس منزل مقصود کی تلاش کر رہا تھا، جہاں انسان کو قرب و اختصاص کی خلعت فاخرہ سے سرفراز فرما کر رشد و ہدایت کے سجادہ پر رونق افروز کیا جاتا ہے۔ لیکن تحصیل علوم باطنی کے لئے تکمیل علوم ظاہری ہی کافی نہیں۔ یہ چراغ راہ تو ہے لیکن منزل مقصود تک رسائی کے لئے کسی کامل کے آستانے کی بوسہ زنی ہی شرطِ لازم ہے۔ اسی لئے عارف شیراز نے فرمایا تھا ؎

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد که چند سال بجاں خدمت شعیب کند

چنانچہ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی طلب علم کے ساتھ اُس مردِ حق کا انتظار فرما رہے تھے جس کے شرفِ نسبت سے انہیں شہبازِ طریقت بننا تھا۔

بلکہ جگر مراد آبادی کے الفاظ میں اُن کا حال یوں تھا ؎

آ میری جانِ انتظار آ میرے آفتابِ شوق ۔۔۔ تیرے بغیر زندگی کب سے ہے شامِ بے سحر

قطبِ دوراں کی غلامی میں

مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے اِس شامِ بے سحر زندگی کے بے کیف لمحات کو کتاب "نافع" کی ورق گردانی میں گذار رہے تھے کہ دروازے سے ایک مسیحا نفس نے داخل ہو کر حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل سے یہ آواز نکالی ؎

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید ۔۔۔ کہ از انفاس خوشش بوئے کسے می آید

نظریں اٹھیں تو کیا دیکھتے ہیں ؎

جب نگاہیں اٹھ گئیں اللہ ری معراجِ شوق ۔۔۔ دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آ ہی گیا

یہ "مسیحا نفس" یہ "جانِ انتظار" قطبِ دوراں شیخ المشائخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُوشی قدس سرہ العزیز تھے۔ جو اپنے مرشد خواجہ غریب نواز سلطان الہند سید معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کی زیارت کے لئے اجمیر شریف کے ارادے سے ملتان میں تشریف آور ہوئے تھے۔

حضور بابا صاحب پہ ایک نظرِ کرم فرمائی۔ اور مسجد کے اندر تحیۃ المسجد کے نفل پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ ادھر بابا صاحب تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے مگر دل کا یہ عالم تھا ؎

اُن کی وہ آمد آمد اپنا یہاں یہ عالم ۔۔۔ اک رنگ آ رہا ہے اک رنگ جا رہا ہے

آخر کتاب "نافع" کو بند کیا۔ اور حضرت قطبِ عالم کے قریب جا بیٹھے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے حضور بابا صاحب سے پوچھا۔ مسعود! کیا پڑھ رہے تھے۔ آپ نے

جواب دیا۔ حضور "نافع" پڑھ رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ انشاء اللہ نافع ہی ہوگی۔ آپ نے عرض کیا۔ "نفع من از نظر سعادت بخشِ شما خواہد شد" یہ کہا اور سر حضرت کے قدموں میں رکھ دیا۔ اور یہ رباعی پڑھی

مقبول تو جز مقبل جاوید نہ شد — وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
عونت باکدام ذرّہ پیوست دمے — کاں ذرّہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

"تیرے پسندیدہ انسان کو مقبولیت دوام کی سند مل گئی۔ اور تیرے دربار سے کوئی شخص نا اُمید نہ گیا۔ جس ذرہ نے تیری مدد کی سعادت حاصل کر لی وہ ذرہ ہزار سورجوں کو چراغ دکھانے کے قابل ہو گیا"

حضرت نے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا اور سینے سے لگا لیا۔ شرفِ بیعت سے مشرف کیا۔ اور دعاؤں سے نوازا۔ جب حضرت نے سفرِ دہلی کا ارادہ کیا۔ تو بابا جی نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی اور عرض کیا ؎

فانیؔ کا دم اک دن تیرے قدموں میں نکل جائے — دل کی یہ تمنا ہے اب اے جانِ تمنا

لیکن حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا کہ میرے ساتھ نہ چلو ابھی یہیں رہ کر علوم ظاہری کی تکمیل کرو اور اس میں ہمہ تن مشغول رہو۔ چنانچہ سیر العارفین میں مولانا جمالی نے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا

"بہ ہمیں ترک و تجرید چندگاہ بعلم ظاہر مشغول باش بعد ازاں در دہلی بیا و در صحبتِ ما قرار گیر کہ مراد انشاء اللہ تعالیٰ در آنجا خواہی یافت حضرت باشارت ایشاں ہمچناں کرد"

چنانچہ فرمانِ شیخ کے مطابق حضور بابا صاحب ملتان ہی میں علم ظاہری کے حصول کے لئے رک گئے۔ تکمیل علوم کے بعد آپ نے ایک وسیع سیاحت کا دورہ فرمایا۔ تقریباً تمام ممالک اسلامیہ بشمول حرمین شریفین، بیت المقدس بغداد، کوفہ کے بلاد کی سیر کی۔ فقراء و اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے ظاہری و باطنی اکتسابِ فیض کیا۔ اس

سفرِ مبارک میں شیخ شہاب الدین سہروردی، سیف الدین باخرزی، سعد الدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین نیشاپوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا۔

اس مبارک سفر سے ہر گونہ اکتسابِ فیض کر کے حضور بابا صاحب وطن تشریف لائے۔ لیکن اہلِ دل کا وطن کہاں ہوتا ہے۔ وہ تو کسی مقام اور مکان کے پابند نہیں ہوتے۔

؎ مجھ سے کسی کو کام کیا میرا کہیں مقام کیا میرا سفر ہے در وطن میرا وطن ہے در سفر

والدہ ماجدہ کی قدم بوسی کے بعد اپنے شیخ کی زیارت کے لئے عازمِ دہلی ہو گئے۔ دہلی پہنچ کر محبوب مرشد کے دیدار سے دل کی پیاس بجھائی۔ حضورِ قطبِ عالم بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ بارِ دیگر بیعتِ نسبت سے سرفراز فرمایا۔ اُس وقت آپ کی مجلس مبارک میں قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاؤ الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک غزنوی، شیخ نظام الدین ابو المؤید، مولانا شمس الدین ترک، اور خواجہ محمود موئینہ دوز موجود تھے۔

دروازہ مندہ کے قریب برج کے نیچے ایک حجرے میں پیر و مرشد کے تعلیم فرمودہ مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ مہینے میں صرف دو مرتبہ شیخ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے باقی وقت یادِ خدا اور ذکر و فکر میں گذارتے۔ اس طرح عشقِ الٰہی کی وہ چنگاری جو آپ کی والدہ محترمہ کے فیضانِ نظر سے آپ کے قلبِ سلیم میں روشن تھی مرشدِ کامل کے فیضِ محبت سے شمعِ درخشاں بن گئی جس کے نور سے برصغیر کے ظلمت کدے کو منور و تاباں بنا دیا۔

شکر گنج

اخبار الاخیار میں حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضور بابا صاحب نے اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق اسی حجرہ مبارکہ میں طے کے روزے رکھنے شروع کئے۔ ایک دفعہ تین شبانہ روز کچھ نہ کھایا تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یہ سمجھ کر کہ یہ شخص مردانِ غیب میں سے ہے۔ اور کھانا عطیۂ خداوندی ہے اُس سے افطار کر لیا۔ لیکن آپ کے معدے نے اُسے قبول نہ کیا اور کھایا ہوا قے کے ذریعے

نکل گیا۔

یہ واقعہ آپ نے حضرت خواجہ قطب الاقطاب کی بارگاہ میں عرض کیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ افسوس اے مسعود تُو نے تین روز کے بعد روزہ افطار بھی کیا تو شراب فروش کے گھر کے کھانے سے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ عنایت الٰہی تیرے آڑے آگئی اور وہ کھانا تجھے ہضم نہ ہوا۔ جا اب تین روز پھر سے طے کا روزہ رکھ اور جو کچھ غیب سے تیرے ہاتھ آئے اُس سے افطار کر۔ چنانچہ آپ نے پھر تین شبانہ روز کچھ نہ کھایا۔ جب تیسرے روز افطار کا وقت آیا۔ تو کچھ بھی کھانے کو نہ پایا۔ اب تو آپ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو گئے۔ کیونکہ چھ دن رات پورے بغیر کھائے گذر چکے تھے۔ جب پہر رات گذری تو آپ نے اضطرابی اور بے تابی کی حالت میں ہر طرف زمین پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ اور کچھ کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈالیں۔ خدا کی قدرت سے وہ شکر کی ڈلیاں بن گئیں۔ جب آپ نے یہ حال مشاہدہ کیا۔ تو اس ڈر سے کہ کہیں یہ بھی کرشمۂ شیطانی نہ ہو۔ اُس کو فوراً تھوک دیا۔ اور ذکر الٰہی شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی اب تو ضعف سے آپ کی حالت ابتر ہو گئی۔ پھر چند کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈالیں۔ وہ بھی شکر بن گئیں۔ اسی طرح تین بار کیا۔ جب تینوں بار یہ کرامت مشاہدے میں آئی۔ تو آپ نے دل میں یہ بات ٹھہرائی کہ ضرور یہ انعام الٰہی ہے اور خطرۂ شیطانی نہیں ہے وہ رزاق حقیقی ہر کہیں وہ بِن خاک کو چاہے تو شکر بنا دے۔ پھر آپ نے بفراغ خاطر اُس عطیۂ خداوندی سے افطار فرمایا۔ اور صبح کو پیر کاکی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور خواجہ نے فرمایا۔

"ہر کہ از غیب است بے عیب است حالا گنج شکر شدی۔ و انعام الٰہی یافتی بحکم رب العزت بپاس خاطر شما خاک را شکر کرد۔ ہمچو شیریں شکر خواہی بود"

"شکر گنج" کے لقب نامی سے ملقب ہونے کی کچھ اور روایات اہل سیر نے

نے بیان کی ہیں۔ اُن میں ایک روایت تاریخ فرشتہ نقل کی جاتی ہے۔

" آپ بچپن میں کھانڈ سے بہت رغبت رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نماز پڑھتے وقت شکر کی ڈلیاں مصلیٰ کے نیچے رکھ دیتی تھیں۔ اور سلام پھیرنے کے بعد آپ کو اشارہ کر کے مصلیٰ کے نیچے سے شکر اٹھا لینے کا فرماتیں۔ ایک روز آپ شکر رکھنا بھول گئیں۔ آپ نے حسب عادت جو مصلیٰ کے نیچے ہاتھ ڈالا تو شکر کی ڈلیاں موجود تھیں۔ آپ نے والدہ ماجدہ سے کہا، کہ آپ تو شکر کی ڈلیاں رکھنا بھول گئیں تھیں لیکن میرے پروردگار نے مجھے عنایت فرمادیں۔ انہوں نے یہ سن کر آپ کو دعا دی اور فرمایا۔ فرید! خدا تمہیں ضائع نہ کرے گا۔ اور انشاء اللہ تو شکر ہی کی طرح شیریں رہے گا اس وجہ سے آپ کا لقب گنج شکر مشہور ہوا۔"

سید مسلم نظامی صاحب صاحبِ انوار الفرید نے حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی ایک تیسرا واقعہ آپ کے "گنجشکر" ہونے کی وجہ تسمیہ کا نقل فرمایا ہے۔

ایک سوداگر اونٹوں پر شکرؔ لادے ملتان سے دہلی جا رہا تھا۔ جب وہ اجودھن پہنچا تو راستے میں حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھڑے تھے۔ آپ نے سوداگر سے پوچھا "اونٹوں پر کیا لدا ہوا ہے؟" اُس نے آپ کو منگتا سمجھ کر کہا۔ بابا نمک لدا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "خیر نمک ہی ہوگا" سوداگر نے دہلی پہنچ کر بوروں کو کھولا تو اُن میں شکر کی بجائے نمک بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ہوش اڑ گئے اور اُس کو فوراً یاد آگیا کہ اجودھن میں اُس نے جس فقیر سے جھوٹ بولا تھا یہ اُس کی زبان کی تاثیر ہے۔ اُسی وقت واپس روانہ ہوا اور حضرت کی بارگاہ میں آکر اعتراف جرم کیا۔ اور اپنی غلط بیانی پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا۔ آپ حضور نے فرمایا۔ جھوٹ بولنا بہت بُرا ہے۔ آئندہ جھوٹ بولنے سے توبہ کرو اور دل کو بدگمانی کے گناہ سے بھی بچایا کرو۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ شکر تھی تو وہ شکر ہو جائے گی۔ سوداگر حضرت کے پاس سے تائب

ہو کر واپس اپنے سامان کے پاس پہنچا اور بوروں کو کھولا تو اُن میں شکر بھری تھی۔

بیرم خاں اکبر کے اتالیق نے اس واقعہ کو ایک رباعی میں بیان کیا ہے

کانِ نمک و گنج شکر شیخ فرید — کز گنج شکر کانِ نمک کرد پدید
در کانِ نمک کرد نظر گشت شکر — شیریں تر ازیں کرامتے کس نشنید

خواجہ غریب نواز کے قدموں میں

اُن دنوں جب حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجرہ مبارکہ میں زہد و عبادت اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف تھے۔ خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز سلطان الہند سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے اور قطب عالم کی خانقاہ میں اقامت فرمائی۔ حضرت قطب الاقطاب نے اپنے تمام خلفاء کو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ بابرکت میں پیش کیا۔ خواجہ غریب نواز نے ہر شخص کو اُس کی استعداد کے مطابق نعمت عطا فرمائی۔ اُس کے بعد دریافت فرمایا۔ بابا قطب الدین! کیا کوئی خلیفہ اور مرید آپ کا باقی رہ گیا ہے۔ حضرت نے عرض کیا۔ جی ہاں، حضور! ایک فقیر مسعود نامی چلے میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ حاضر نہیں ہو سکا۔ خواجہ غریب نواز خود اٹھے اور حضرت کو ساتھ لیکر بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں — آب ہم جوید بعالم تشنگاں

جناب امیر لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ۔۔۔ بابا جی ضعف و نقاہت کی وجہ سے تعظیم کو کھڑے نہ ہو سکے۔ باچشم تر حضور خواجہ غریب نواز کے قدموں میں گر پڑے۔ آپ نے ازراہ شفقت آپ کا سر اٹھا کر سینے سے لگایا اور حضرت قطب الاقطاب سے فرمایا۔ بابا بختیار! اس جوان کو کب تک اس ریاضت و چلہ کشی میں رکھو گے۔

جو کچھ دینا ہے دیدو۔ قطب الاقطاب نے عرض کیا، حضور میری کیا مجال ہے کہ حضرت کے رو برو بخش سکوں۔ آپ کی نظرِ کرم ہو جانا ہی کافی ہے۔ حضور غریب نواز نے فرمایا، اس کا تعلق آپ سے ہے جو کچھ پلٹے گا آپ ہی سے پلٹے گا۔ پھر آپ نے قبلہ رو ہو کر بارگاہِ رب العزت میں باباجی کے حق میں دعائیں کیں۔ حضرت قطب عالم آمین کہتے گئے۔ اُس کے بعد خواجۂ اجمیری نے باباجی کو اسم اعظم تلقین فرمایا جو مشائخ چشت اہل بہشت میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا پھر زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ بابا بختیار، فرید شمع ہے۔ اس کی وجہ سے درویشوں کے خاندان میں روشنی ہوگی۔ تو نے بڑا شہباز پھانسا ہے۔ امیر خورد صاحب سیر الاولیاء اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

بخشش کونین از شیخین شد در باب تو　　بادشاہی یافتی زیں بادشاہانِ جہاں
مملکتِ دنیا و دیں گشتہ مسلّم مر ترا　　ملکے کُن گشتہ اقطاعِ تو اے شاہ جہاں۔

چلّۂ معکوس

دہلی میں آپ کے مجاہدہ کی شہرت اتنی بڑھی کہ آپ کے حجرۂ مبارکہ کے باہر اچھا خاصہ ہجوم رہنے لگا۔ ہجوم خلق سے آپ طبعاً نفور تھے۔ مرشد کے اس فرمان پر کہ فرید اتم چلّہ معکوس کرو۔ آپ دہلی سے تنہائی کا مقام تلاش کرنے کے لئے ہانسی تشریف لے گئے۔ اور بقول پروفیسر خلیق نظامی ہانسی میں بھی اطمینان سے اس شغل کی تکمیل ممکن دکھائی نہ دی تو قریہ بہ قریہ پھرتے پھراتے آخر اُچ کے مقام پر نزول اجلال فرمایا۔ یہاں حضرت کو ایک مسجد مل گئی۔ جو مسجد "حج" کے نام سے موسوم تھی۔ سایہ دار گھنے درختوں میں گھری ہوئی یہ مسجد باباجی کے شغل کے لئے موزوں تھی۔ اس مسجد کے مؤذن رشید الدین مینائی ہانسی کے رہنے والے تھے۔ اور حضور باباصاحب سے سابقہ آشنائی کی وجہ سے عقیدت و محبت بھی تھی۔ لیکن آپ نے تین دن تک مینائی صاحب کو اپنے راز سے آگاہ نہ کیا جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ

شخص میرا راز ظاہر نہ کرے گا، تو پھر اپنا مقصد بیان فرمایا۔ رشید الدین مینائی نے پوری وفاداری و رازداری سے چلہ کشی کے کام کو نباہنے کی حامی بھر لی۔ اور آپ کو یقین دلایا کہ وہ پورے خلوص و محبت کے ساتھ اپنی خدمت سرانجام دے گا۔

جب حضور بابا صاحب نے ہر طرح چلہ معکوس کی تیاری کا اطمینان کر لیا۔ تو ایک دن بازار سے رسی منگوائی۔ نماز عشاء کے بعد تازہ وضو کر کے رسی کا ایک سرا اپنے پاؤں میں اور دوسرا درخت کے ٹہنے میں باندھ دیا۔ پھر موذن سے کہا مجھ کو کنوئیں میں لٹکا دو۔ اور صبح کو اذان سے پہلے باہر نکال لینا۔ موذن نے حسب ارشاد عمل کیا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آپ اوچ میں چالیس روز تک ہر شب کنوئیں میں لٹکتے رہے اور دن کو باہر نکال لئے جاتے ؎

سعدیا کنگرۂ عشق بلند است و بلند تا تو سر پا نکنی دستِ تو آں جا نہ رسد

اور حضرت فرید ثانی نے کیا خوب کہا ہے ؎

فریدا دھڑ سولی سر پنجرہ تلیاں ٹھونگن کاگ
رب اجیویں باہوری تو دھن ہمارے بھاگ

آپ کا یہ پہلا معکوس چلہ چالیس رات کا تھا۔ اس کے بعد بارہ سال تک مختلف مقامات پر آپ اسی مجاہدے میں مشغول رہے۔ یہ مجاہدہ صفائی باطن کے لئے اکسیر اعظم ثابت ہوا۔ اور پھر وہ مقام آیا کہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے قول کے مطابق آپ حضور نے فرما دیا۔ "چالیس سال تک بندہ مسعود نے وہ کیا جو حضرتِ حق نے فرمایا۔ اب چند سال سے بندہ مسعود کے دل میں جو گزرتا ہے وہی ہو جاتا ہے"۔

قیام ہانسی

جب آپ اپنے مرشد کی بارگاہ سے ریاضات و مجاہدات کی خاطر ہانسی کا سفر فرمانے لگے تھے، تو حضرت قطب الاقطاب نے

فرمادیا تھا۔ فریدا! تم جانا چاہتے ہو۔ اچھا جاؤ۔ تقدیر الہٰی یونہی ہے۔ کہ آخری وقت تم میرے پاس نہیں ہو گے۔ میں اپنا سجادہ، دستار، خرقہ اور نعلین بطور امانت قاضی حمید الدین ناگوری کو دے جاؤں گا۔ پانچویں روز یہ سب چیزیں تم کو مل جائیں گی۔ اور سن لو "مقام ما مقام شما ست"

حضور بابا صاحب مرشد کی ان نوازشات سے سرشار دہلی سے عازم ہانسی ہوئے ہانسی ضلع حصار کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ آپ کے قیام سے ہانسی والوں کا رجوع آپ کی طرف ہو گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ہانسی میں ایک بزرگ ترک جمعہ کا وعظ فرماتے تھے ان کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ حضور بابا صاحب جمعہ کے دن جب پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس مسجد میں آئے تو ظاہرا طور پر ہرگز معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ ایسا سادہ اور بوسیدہ لباس پہننے والا شخص کوئی صاحب عظمت انسان ہوگا۔ جونہی مولانا کی نظر حضرت کے روئے اقدس پر پڑی۔ پکار اٹھے۔ مسلمانو! آج ایک صراف سخن ہمارے پاس آگیا۔ پھر آپ نے حضرت کی تعریف و توصیف کی۔ جس سے خلقت کا میلان آپکی طرف ہو گیا۔ آپ کے قیام ہانسی کے دوران ہی شیخ جمال الدین ہانسوی آپ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اور یہ انہی کی محبت و خلوص کا نتیجہ تھا کہ حضرت ۱۲ سال تک ہانسی میں اقامت پذیر رہے۔

وصالِ شیخ

حضور بابا صاحب ہانسی ہی میں مقیم تھے۔ کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب الاقطاب آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی آپ ہانسی سے دہلی روانہ ہو گئے۔ ادھر قاصد کو وصالِ شیخ کا پیغام دیکر ہانسی روانہ کر دیا گیا۔ آپ کی ملاقات قاصد سے راستے میں ہوئی۔ خط پڑھا اور غمزدہ ہو کر افتاں و خیزاں چوتھے روز دہلی پہنچے اور سیدھے مزار مبارک پر جا کر دیر تک نہایت مزار پر روئے مبارک ملتے رہے۔

حضرت قطب الاقطاب وصال سے پہلے سرِعام سجادہ نشینی کا فیصلہ فرما چکے تھے اور تبرکاتِ سلسلہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے پاس امانت پڑے تھے۔ آپ کی آمد کی خبر پر لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو گئے اور شیخ کے وصال سے جو حزن و ملال اور یاس و الم خانقاہ کی فضاؤں پر طاری تھا۔ ایک دفعہ پھر بہار آشنا ہو گیا۔ قاضی صاحب نے تبرکات پیش کئے۔ آپ نے دوگانہ شکرانہ ادا کیا۔ خرقہ مبارکہ زیب تن فرمایا اور خانقاہ شریف میں ارشاد و تبلیغ کے کام میں لگ گئے۔

دہلی میں حضور بابا صاحب کچھ عرصہ رونق افروز رہے۔ لیکن دل تنہائیوں کا متلاشی انبوہِ خلائق اور ازدحامِ عوام سے گھبرا اٹھا۔ اس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حضور نے دِلّی چھوڑ کر ہانسی کو سفر کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

اسرار الاولیاء میں حضرت مولانا بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو حضرت کی زبانی نقل فرماتے ہیں:

"ہانسی میں ایک مجذوب سرہنگا نامی رہتا تھا۔ روزانہ ہمارے پاس آتا۔ جب ہم دہلی آ گئے۔ تو وہ بھی ملنے کے لئے دہلی آیا۔ خانقاہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر دربان نے اُس کو اندر جانے سے روک دیا۔ جب مَیں جمعہ کو خانقاہ سے باہر آیا۔ تو سرہنگا دوڑ کر مجھے ملا۔ اور رو کر کہنے لگا۔

" شما در ہانسی بودید من شمارا آسان میدیدم۔ ایں ساعت دیدنِ شما دشوار شدہ است"۔ مَیں نے اِس کو غیبی ہدایت سمجھ کر اُسی دن ہانسی جانے کا عزم کر لیا۔"

حاضرین میں سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے مرشد نے آپ کو اِس مسند پر دعوت و ارشاد کا حکم دیا ہے۔ آپ ہانسی جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ میرے حضرت نے جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ اُس کے لئے یہ مقام اور وہ مقام برابر ہے۔

جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت ہانسی کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور ایک عرصہ تک ہانسی ہی میں رہ کر یادِ حق میں مشغول رہے۔

اجودھن (پاکپتن شریف) کا قیام

اجودھن دریائے ستلج کے قریب ایک مقام تھا جو ملتان سے دہلی جانے والوں کی گزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے معروف تھا۔ اُس وقت دریائے ستلج اِس کے قریب ہی سے بہتا تھا۔ لوگ دریا کو اسی مقام پر سے عبور کرتے تھے۔ حضرت باباجی کے قیام پذیر ہونے کے بعد اجودھن کو لوگ حضرت کی شرف نسبت کی بنا پر پاکپتن کہنے لگے اور پھر اس نام نے وہ قبولیت عامہ حاصل کی۔ کہ اب بہت کم لوگ اس کا پُرانا نام جانتے ہیں۔

ہانسی میں بھی جب لوگ کثرت سے ازدحام کرنے لگے تو آپ نے ہانسی کو چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے کھتوال رہائش اختیار فرمائی لیکن بالآخر اجودھن کو اُپنے قدوم پاک سے نوازا۔ شہر سے باہر ویرانے میں کریر کے درختوں کے جھنڈ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

یہاں کے لوگ جوگیوں کی شعبدہ بازیوں کے دلدادہ فقراء کے سخت دشمن جاہل اور درشت مزاج تھے۔ حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہی جگہ ہمارے رہنے کے قابل ہے۔ کچھ عرصہ تک اہل شہر نے آپ کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ آپ بفراغت تمام عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اکثر اوقات مسجد میں بھی تشریف لاتے اور ذکر الٰہی فرماتے۔

اجودھن میں ایک صاحب استدراج جوگی رہتا تھا جس کا نام شھوناتھ تھا۔ شہر والے اسے فقیر کامل جانتے اور مانتے تھے۔ آٹھ روز تک وہ بغیر کچھ کھائے پیئے

جلتا اور آٹھویں روز صرف گائے کا دودھ پیتا تھا جو اہل قصبہ اُس کے لئے لے جاتے اور منت وخوشامد کے بعد پلاتے تھے. کمال یہ تھا کہ جتنا بھی دودھ لوگ لاتے وہ پی جاتا۔ اُس کے علاوہ تیز زبان تھا اور ریاضت ومجاہدہ سے کچھ مقامات بھی طے کئے تھے. حبس دم بھی کرتا تھا چیلے بہت سے رکھتا تھا۔ اس کے باوجود خود اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی مسلمان فقیر صاحب کمال سے ملے تا کہ جو مقامات باقی رہ گئے تھے اُن کو طے کرے.

حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے پاک پتن میں تشریف لانے پر حضرت کی خواہش کے علی الرغم خلق اللہ کا رجوع ہونا شروع ہوا کیونکہ

ہر کجا کہ بود چشمۂ شیریں ۔ مرغ و مور و ملخ گرد آیند

یہ تو اُس شہنشاہِ ولایت کا دربار تھا کہ جس سے برصغیر کے مسلمانوں نے دین وایمان کی دولت جھولیاں بھر بھر کر لی

بنائے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشتِ خم رکھ دیں ۔ جہاں ساغر ٹپک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

تو اُس جوگی کو بھی خبر ملی. کہ اِس قصبے میں ایک فقیر مسلمان آیا ہوا ہے. جس کا لوگوں میں بہت شہرہ ہے. وہ یہ سنکر اپنے سینکڑوں چیلوں اور شاگردوں کو ساتھ لے کر اور دل میں یہ ارادہ کر کے آپ کی طرف چلا. کہ اگر وہ فقیر کامل ہوگا تو میرے کانوں کے دونوں مُندرے اُس کے روبرو ٹوٹ کر گر پڑیں گے. اگر ایسا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ بیشک وہ کامل ہے. ورنہ ناقص. اور ناقص فقیروں سے ملنا لاحاصل ہے. جب وہ آپ کے سامنے گیا تو آپ نے نورِ باطن سے اُس کے دلی خیال کو معلوم کر لیا. اور ایک نظر مندروں پر ڈالی. مندرے اُس کے کانوں سے ٹوٹ کر زمین پر آ گرے. اُس کے دل میں پھر یہ خیال گزرا کہ اگر یہ مُندرے زمین میں گڑ کر ٹہنیاں پیدا کر لائیں تو میں جانوں اور اس فقیر کو مانوں. آپ نے جوگی کے اس خطرے سے بھی آگاہ ہو

کر وہ دونوں مندرے اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھا کر زمین میں دبا دیئے۔ قدرتِ خدا سے تھوڑی ہی دیر میں وہ اُگ آئے۔ اور شاخیں لائے۔ یہ دیکھ کر وہ دل میں آپ کا معتقد ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ ابھی ایک بات اور باقی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ بھی کر دیکھو۔

جوگی نے کہا کہ میں چھپتا ہوں۔ اگر آپ مجھ کو ڈھونڈ نکالیں۔ تو پھر میں آپ کا چیلہ بن جاؤں گا۔ یہ کہہ کر اُس نے زمین پر لیٹ کر چادر اوڑھ لی۔ اور اُس کی روح قالب سے پرواز کر کے عالم بالا کی طرف جانا شروع کیا۔ لوگوں نے جو چادر اٹھائی تو اُس کو مردہ پایا۔ حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ مراقبہ میں چلے گئے۔ جوگی کی روح عالم ملکوت تک جا چکی تھی۔ کہ آپ نے اس کو جا دبایا۔ اور فرمایا۔ خبردار! آگے قدم نہ رکھنا اور اپنی حد سے نہ گزرنا کیونکہ وہ مقام اہل ایمان ہے۔ اور تُو اُس سے انجان ہے۔ یہاں تک بھی تیرا آنا صرف اس وجہ سے ہوا کہ تُو اسلام سے محبت رکھتا ہے۔ اور اہل اسلام کی تعظیم کرتا ہے۔

جب اُس جوگی کی روح مقامِ ملکوت سے واپس ہو کر قالب میں دوبارہ آئی تو وہ اُٹھ بیٹھا۔ اودھر آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا۔ ادھر وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ اور آپ کا معتقد ہو کر سچے دل سے کلمہ پڑھ کر مع اپنے چیلوں کے مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اُس کی تربیت کی اور تکمیل سلوک کے بعد سیوستان کا شاہ ولایت بنا کر مع مریدوں کے رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ جوگی اور اُس کے تمام مرید اولیاء اللہ بن گئے۔

پاک پتن شریف میں آپ کا قیام نہ صرف برصغیر بلکہ دیگر ممالک کے لئے بھی بہت فائدہ مند رہا۔ خصوصاً صوبہ پنجاب اور سندھ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت میں آپ نے کارنامہ ہائے عظیم سرانجام دیئے۔ کفر کی ظلمت اور جہالت کی تاریکی کو مٹانے میں آپ کی مساعی جمیلہ نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ اس پورے علاقے میں خانقاہ فریدیہ مینارۂ نور تھی۔ لوگ جوق در جوق حاضر ہوتے اور دین ودنیا کی مرادوں سے جھولیاں بھر بھر

کرلے جاتے۔ آپ کی تعلیمات اور رشد وہدایت سے مسلمانوں کے ایمان تازہ ہوئے۔ اور غیر مسلم کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس پورے علاقے میں بسنے والی قومیں جن کا ذکر شیخ اکرام نے اپنی کتاب "آب کوثر" میں تفصیل سے کیا ہے حضور باباصاحب کے فیضانِ نظر سے دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئیں۔ وہ گویا درخشندہ آفتاب تھے کہ جنکی نورانی کرنوں نے برصغیر کو روشن ومنور بنادیا۔

بقول مفتی ولی حسن ٹونکی — "باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض سے نہ صرف عوام بلکہ اس عہد کا سلطان غیاث الدین بلبن بھی آپ کی روحانی عظمتوں کا اعتراف کرنے اور آپ کے رُخِ انور کے دیدار کے لئے حاضر ہوا۔ بلبن کا عہد حکومت نہ صرف سیاسی اعتبار سے ممتاز ومنفرد تھا۔ بلکہ اللہ کے اِن نیک اور برگزیدہ بندوں کے وجود سے دینی اور اخلاقی اعتبار سے بھی یہ عہد خیر الاعصار (بہترین زمانہ) سمجھا جاتا ہے۔"

جماعت خانہ

عوام کے لئے حضور باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ موجب برکت وسعادت تو تھا ہی۔ خواص کے لئے حضرت نے خانقاہ فریدیہ میں ایک جماعت خانہ قائم کیا تھا اس جماعت خانہ میں ظاہری کروفر اور شان وشوکت کا کوئی سامان نہ تھا۔ بلکہ چند صاحب درد وصاحب دل حضرات تزکیہ نفس اور تربیت ذات کی غرض سے اصحابِ صفہ کی طرح حضور باباصاحب کے فیضانِ علم کے حصول کی خاطر قیام پذیر رہتے تھے۔ اور اخلاص وللہیت عشق ومحبت، سوز ودردمندی، جذب وجنون، توکل وتبتل، استغنا وماسوائے اللہ سے انقطاع، خدمت وفنائیت، جذباتِ مہر ودلسوزی کے متاع ہائے گراں بہا لیکر اقطار عالم میں پھیل جاتے تھے اپنے سوز دروں سے دلوں کی دنیا میں عشق حقیقی کی آگ جلادیتے۔ اس جماعت خانہ کے فیضانِ تربیت اور حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کیمیا اثر نے ہزاروں قطب وابدال پیدا کردیئے۔ جن میں ہر اک اپنی جگہ پہ یہ کہنے میں حق بجانب تھا

بیاں ادنیٰ سا فیضِ بیعتِ پیرِ مغاں کر دوں
اگر سجدے میں سر رکھ دوں زمیں کو آسماں کر دوں

اسی جماعت خانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین دہلوی، حضرت سلطان الصابرین خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر، حضرت مولانا سید بدر الدین اسحاق اور باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب اور بڑے خلیفہ قطب العارفین حضرت خواجہ جمال الدین ہانسوی اور ان کے علاوہ ہزاروں دیگر اولیائے کاملین نے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ اور کامیاب و کامران ہو کر اقصائے عالم میں اپنے اپنے مقام پر مناسب سنبھال کر خلقِ خدا کی خدمت کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ سچ تو یہ ہے ؎

تیری محفل سے اٹھ کر جو بھی آئے کامگار آئے
خمستاں در نظر آئے گلستاں در کنار آئے

ان حضراتِ والا شان کے ملفوظات و فرمودات اس حقیقت کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں ؎

حقیقت میں وہی سرمایۂ عمر گرامی ہے
جو لمحات حسیں ہم تیری محفل میں گذار آئے

جماعت خانہ کا نظم و نسق اور نازلین و واردین کے قیام و طعام کا بندوبست حضرت مولانا سید بدر الدین اسحٰق فرماتے تھے۔

خانقاہ فریدیہ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم خانقاہ میں تربیت کا انداز یہ تھا کہ مسترشدین و طالبین کو عسرت و تنگدستی کے خوب خوب مزے چکھائے جاتے تاکہ ان کی تکمیل یوں ہو جائے کہ دنیا و مافیہا سے تعلق واجبی ہی سا رہے۔ اور مال و منال جاہ و حشم اور عہدہ و منصب سب ان کی نظر میں حقیر و مردود ٹھہر جائیں۔

اہل سلوک کے ہاں یہ بات معروف ہے۔ کہ " آخر ما یخرج من قلوب

الصد یقین حب الجاہ" یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا علاج بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ شفاخانہ فریدیہ میں اسی مرض کے ازالے پر توجہ خاص کی جاتی تھی۔ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی زندگی تنگدستی وفاقہ مستی کی منہ بولتی تصویر طالبین کے سامنے بطور (Ideal) ہر وقت موجود رہتی تھی۔ ریا و تملق کے مارے ہوئے لوگوں کے برعکس تحمل وایثار کا یہ نمونہ حضرات صوفیاء و طلاب کو ہمیشہ دعوت کار دے رہا ہوتا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ دہلوی فرماتے ہیں۔

"آپ کی غذا اکثر کریر کے پھول ہوتے تھے۔ وہ بھی پیٹ بھر کر نہ ملتے تھے۔ حالانکہ فتوحات بے شمار آتی تھیں۔ مگر آپ سب فقیروں اور حاجتمندوں کو تقسیم فرما دیتے۔ اپنا اور مسترشدین کا عالم یہ ہوتا۔ کہ جس رات ہم اپنے شیخ کے ساتھ کریر کے پھول شکم سیر ہو کر کھا لیتے۔ اُس دن ہماری عید ہوتی۔ اور وہ پھول بیکار درخت کے نیچے پڑے رہتے تھے۔ لوگ چن کر لا دیتے تھے۔ اور جب وہ پھول نہ ہوتے تو آپ زنبیل سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نکالتے۔ خود بھی کھاتے ہمیں بھی کھلاتے۔"

آپ افطار کم فرماتے خواہ کیسی ہی حالت ہوتی۔ افطار کے وقت تھوڑا سا شربت پی کر باقی حاضرین کو عطا فرما دیتے۔ اُس کے بعد دو روٹیاں چپڑی ہوئی آتیں جس میں سے آپ ایک ٹکڑا کھا کر بقیہ روٹیاں بھی لوگوں کو دے دیتے۔ لباس کا عالم یہ تھا۔ کہ آپ کے پاس ایک کملی تھی۔ جس کو دن کو اوڑھ لیتے اور رات کو بچھا لیتے۔ اُسی کملی میں آپ نے تمام عمر بسر کر دی۔ آپ کا مبارک کرتا پھٹ گیا اور پیوند لگانے کی جگہ بھی نہ رہی ایک شخص آپ کے لئے نیا کرتہ لایا۔ آپ نے اُسے پہنا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو دیدیا اور پھر وہی اپنا پھٹا کرتہ پہن لیا۔ اور فرمایا کہ جو لطف و ذوق میں اس پھٹے ہوئے کرتے میں پاتا ہوں وہ اِس نئے کرتے میں نہیں ہے حضور بابا صاحب نے اپنے مسترشدین کو یہ درس بھی دیا۔ کہ فقیر زر و مال اکٹھا نہیں

کرتا۔ آپ حضور کی زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہ آیا کہ ہر روز ہزار ہا روپیہ جو نذر و فتوح کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اُس میں سے ایک پیسہ بھی دوسرے روز کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔ سید مسلم نظامی انوار الفرید میں لکھتے ہیں:

"ایک دن کسی شخص نے کچھ روپے حضور بابا صاحب کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کئے۔ آپ نے وہ روپے مولانا سید بدرالدین اسحٰق کو دے کر فرمایا۔ اِس کو تقسیم کر دو۔ حضرت مولانا نے وہ روپیہ تقسیم کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک روپیہ آپ کو فرش پر پڑا ہوا ملا۔ تو آپ نے اُس کو اس خیال سے اٹھا لیا۔ کہ صبح فقرار کے کھانے میں کام آجائے گا۔ جب آپ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو نماز بے ذوق اور بے حلاوت تھی۔ آپ نے نیّت توڑ دی۔ جناب بابا صاحب نے آپ سے پوچھا کہ مولانا کیا وجہ ہے؟ نماز بے ذوق ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی روپیہ تو باقی نہیں ہے۔ مولانا نے عرض کیا۔ کہ حضور! ایک روپیہ میرے پاس ہے اور میں نے اُسے صبح کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ بابا صاحب نے وہ روپیہ اظہارِ ناراضگی کے ساتھ مولانا سے لے کر پھینک دیا اور فرمایا اِسے کیوں رکھ چھوڑا؟ اگر کوئی لینے والا نہیں تھا تو باہر پھینک دیا ہوتا۔ جمع کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔"

توکل و تبتّل کی ان نادر روزگار مثالوں نے باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمندوں کی تربیت میں مؤثر کردار ادا کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے خلفاء نے استغنا وشانِ بے نیازی کے وہ واقعات یادگار چھوڑے۔ جو آج بھی ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہیں۔

مقام قطبیت

سلوک میں قطب وہ ہوتا ہے۔ جو ولی سے درجہ ولایت سلب کر سکتا ہے اور اس کی بجائے دوسرے کا تقرر کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اور قطب ابدال یا قطب اکبر ان سے اوپر ہوتا ہے جو اقطاب کی تنظیم، تقرری و معزولی

کا اہتمام کرتا ہے۔ حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے قطب اکبر تھے۔ جناب محمد منیر لکھنوی نے اس سلسلے میں ایک حکایت نقل کی ہے۔

"آپ کے زمانے میں کوہ قاف کے درویشوں میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ اس وقت دنیا میں قطب ابدال و قطب اکبر کون ہے۔ اور اس نے کوہ قاف میں تشریف آوری کیوں نہیں کی۔ آخر یہ طے پایا کہ دو درویش کامل جائیں اور تلاش کریں۔ چنانچہ اُن میں سے دو کاملین وارِدِ ہندوستان ہوئے۔ اور ہر جگہ قطب ابدال کی تلاش کرنے لگے۔ جہاں جہاں کسی فقیر کامل کا پتہ چلتا وہاں جاتے اور دریافت حال کرتے۔ اور دیکھتے کہ فقیرِ موصوف میں آثار و علاماتِ قطبیت موجود ہیں یا نہیں۔

الغرض وہ دونوں اسی تلاش و جستجو میں حضرت باباجی کا شہرہ سن کر پاک پتن شریف میں آپہنچے۔ اور آپ کی بارگاہ بیکس نواز میں حاضر ہوئے۔ ظاہری آثار قطبیت تو آپ میں پائے۔ لیکن حالتِ باطنی نہ جان سکے۔ اُس کی تلاش میں آپ کی خدمت میں رہ پڑے تھوڑے دنوں بعد دو درویش اور پہنچے اور وہ بھی آپ کے پاس رہ پڑے۔ اس طرح دو دو کر کے کوہ قاف کے سارے درویش خانقاہِ فریدیہ میں جمع ہو گئے۔ جب آپ نے دیکھا کہ سب کے سب یہیں جمع ہو گئے ہیں۔ اور وہ مقام اولیاء اللہ سے خالی ہے تو اُن سے فرمایا۔ کہ تم لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس جاؤ۔ اور اُس کو خالی نہ چھوڑو۔ انہیں مقام قطبیتِ کبریٰ کا مشاہدہ کروا کر رخصت کر دیا۔"

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری سے منقول ہے:

"میں ایک رات میں حاضر وقت تھا کہ آواز سنائی دی۔ یہ وقت تیری حاضری اور ماموری کا ہے آجا۔ میں نے جو سر اٹھایا تو اپنے آپ کو ایک دریا کے کنارے پایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دریائے عظیم ہے جس کی ابتدا و انتہا کا خدا ہی علیم ہے۔ اور تمام عالم اُس دریا کے کنارے جمع ہے۔ اور ایک تخت مرصع نہایت اونچا اُس دریا

پر بچھا ہے۔ یہ دیکھ کر میں دریائے حیرت میں غرق ہوا۔ یکایک اُس تخت کے روبرو ایک صورتِ جمالی اور ایک صورتِ جلالی پیدا ہوئی۔ پھر یہ نظر آیا کہ ایک شخص نہایت عزّ و وقار سے اُس تخت پر متمکن ہے اور تمام مخلوق اُس دریا میں ساکن ہے کہیں آجا نہیں سکتی۔ مگر چند شخص ہیں جو میرے بھی شناسا معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اُس تخت کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ابھی وہ آدھی ہی دُور پہنچے تھے۔ کہ مَیں نے اُن سے سبقت کی اور لپک کر تخت کے قریب جا پہنچا۔ وہاں ایک بزرگ صورت محافظ کھڑے تھے۔ وہ مجھے آگے جانے کو مانع ہوئے اور بولے ٹھہرو! آگے قدم نہ بڑھاؤ۔ تخت کے قریب نہ جاؤ۔ پھر انہوں نے اپنا لباس مجھے دیا اور دو طبق انوارِ جمال سے اور تین طبق انوارِ جلال سے میرے سر پر ڈالے۔ جب میں انوارِ جمال و جلال سے منوّر ہوا۔ تو اور بھی نور طلب کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ تیرے مقدّر میں جو ملنا تھا مل گیا۔ اب زیادہ کی ہوس نہ کر۔ میں نے کہا کہ آپ اپنا نام نامی تو بتا دیجئے۔ فرمایا۔ مجھ کو فریدالدین گنجشکر کہتے ہیں۔ میں نے اُن کے پاؤں چوم کر عرض کیا۔ کہ اچھا یہ تو بتا دیجئے کہ یہ کون مقام ہے۔ فرمایا۔ یہ دریائے ہستی ہے اس میں ایک خلقت بستی ہے۔ اور یہ تختِ ربّ العزّت ہے۔ جو نبی اور ولی اس مقام پر پہنچتا ہے۔ انوارِ جمال و جلال سے فیضیاب ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی اکیلے یہاں نگہبان ہیں۔ یا اور بھی فرشتے و انسان ہیں۔ فرمایا۔ میں اکیلا نہیں۔ بلکہ چار شخص اس مقام کے محافظ ہیں۔ ایک خواجہ بایزید بسطامی، دوسرے حضرتِ خواجہ جنید بغدادی، تیسرے ذوالنون مصری، چوتھا یہ فقیر۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کی پیدائش تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کون اس مقام کی حفاظت کرتا تھا۔ ارشاد فرمایا۔ کہ حقیقت ہمارے مرتبہ کے متعلق ہے۔ نہ کہ جسم کے۔ اس جسمِ عنصری کو اس سے کچھ واسطہ نہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور باباجی قطبیتِ وحدت کے مقامِ بلند پر فائز

تھے۔ جو کہ مقام محبوبی ہے۔ جہاں پر پہنچکر انسان جو کچھ کہتا ہے خدائے کریم کر دیتا ہے۔

اسی لئے حضور بابا صاحب نے ایک دفعہ عالم کیف میں اپنے مریدوں کو فرمایا

"تم سب کو خوشخبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ جو تیرے مرید اور تیرے مریدوں کے مرید ہیں میں نے اُن پر دوزخ کی آگ حرام کر دی"

حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبۂ کمال اور منصب عالی کے متعلق ایک اور روایت ہدیہ قارئین کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ حضور کو کس قدر قرب واختصاص ذات حاصل تھا۔ یہ روایت صاحب "خواجگان چشت" نے نقل فرمائی ہے:

"ایک مرتبہ بیت المقدس کے کئی درویش پاک پتن شریف حاضر ہوئے۔ اور آپ پر بغور نظر کرنے لگے۔ آپ مراقبے میں تھے۔ پھر اُن درویشوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو ہر روز بیت المقدس میں جھاڑو دیتے دیکھا ہے۔ اور آپ نے ہمیں اپنا نام فریدالدین گنجشکر بتایا تھا۔ آپ نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا۔ کہ کیا ہمارے تمہارے درمیان یہ عہد نہیں تھا کہ اس کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ تم نے وہ عہد فراموش کر دیا۔ یاد رکھو! مردانِ خدا جہاں ہیں وہیں کعبہ ہے۔ اور وہیں بیت المقدس۔ وہیں عرش ہے وہیں کرسی۔ خدا کی تمام پیدا کی ہوئی چیزیں ہر وقت اُن کے روبرو ہیں۔ مگر ان کی توجہ صرف خدا ہی کی طرف رہتی ہے یقین نہیں ہے تو آنکھیں بند کرو۔ اور دیکھ لو۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے تھوڑی دیر بعد کھولکر کہا۔ خدا کی قسم! ہم نے بیت المقدس کو بچشم خود دیکھا۔ اور وہ سب آپکے حلقۂ ارادت میں آگئے۔

حضراتِ قارئین! حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات وکرامات بے شمار و بے حساب ہیں۔ اُن سب کا بیان تو بڑا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ کی ذات مجموعہ صفات لامتناہی تھی۔ اور ایک خوبی وکمال کے بیان سے دوسری خوبی کے بیان تک پہنچنے میں

حدیثِ دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد
دگر از سر گرفتم قصہ زلف پریشاں را

اس لئے میں نے اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ تر اقتباسات پر ہی اکتفا کیا ہے وگرنہ ــــ فرق تا بقدم ہر کجا کہ منگیری کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست بلکہ مجھے اپنی کوتاہیٔ داماں کا اعتراف ہے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گل چینِ بہارِ توز داماں گلہ دارد

وصال پاک پتن شریف بڑی مصروف اور مفید زندگی گذارنے کے بعد مشائخِ چشت کے یہ گل سرسبد بالآخر ۵ محرم الحرام ۶۶۴ ہجری بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۲۶۵ عیسوی کو اُپنے خالق کے حضور جا پہنچے۔ آپ کی علالت اور وصال کا تذکرہ مختلف سیرت نگاروں نے تحریر فرمایا ہے۔ امیر خورد صاحب سیر الاولیاء قریب ترین سیرت نگار ہونے کی حیثیت سے زیادہ مستحق ہیں کہ اُن کی روائت تحریر کی جائے۔

وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔ آپ کو جسم میں سوئیاں چبھنے کا عارضہ کچھ عرصے سے لاحق تھا شعبان ۶۶۳ ہجری کو بیماری میں اضافہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ رمضان شریف سے غلبہ مرض کی وجہ سے کچھ روزے بھی قضا ہوگئے۔ محرم ۶۶۴ ہجری کے آغاز ہی میں مرض کی حالت اتنی شدید ہوگئی کہ آپ کو گھڑی گھڑی بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ جب ہوش آتا تو سوال کرتے کہ میں نے نماز ادا کرلی ہے۔ اور ہر نماز دو دو تین تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

۴ محرم الحرام ۶۶۴ ہجری کا دن حضور بابا صاحب نے سخت بے چینی اور تکلیف میں گذارا۔ مگر تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کیں۔ اور تمام وظائف بھی پورے کئے۔ پھر عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو پہلے یہ پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا ایک مرتبہ

پھر پڑھ لوں۔ یہ کہا اور نماز دوبارہ ادا کی۔ اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے۔ عرض کیا گیا۔ کہ حضور دو مرتبہ ادا فرما چکے ہیں۔ کہا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں۔ خدا جانے پھر کیا ہونے والا ہے۔ تازہ وضو فرمایا۔ عشاء کی نماز مع وتر ادا کی۔ پھر ایک دوگانہ مزید ادا کیا۔ اُس کے بعد سجدہ کیا۔ اور سجدہ ہی میں ایک مرتبہ بلند آواز سے یا حی یا قیوم کہا اور واصل الی الحبیب ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاکھوں دلوں کو سوگوار کر کے اپنے محبوبِ حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضور کا انتقال ہو گیا۔ لیکن اصغر گونڈوی کہتے ہیں ؎

بجھ گئی کل جو سر بزم وہی شمع نہ تھی شمع تو آج بھی سینے میں ہے پروانوں کے

اس حقیقت کا پورا ادراک کرنے کے لئے مزارِ معلّٰی کی زیارت ضروری ہے جہاں پروانے دن رات شمع فرید کے گرد طواف کرنے میں مصروف و مشغول رہتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اولادِ گرامی

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شیخ نصیر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب، بی بی مستورہ، بی بی شریفہ، بی بی فاطمہ

شیخ نصیر الدین نصر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ بڑے زاہد عابد متقی بزرگ تھے۔ حضرت شیخ حمید الدین سوالی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح زراعت کا پیشہ

اختیار فرمایا۔ خود اُپنے ہاتھ سے کام کرتے اور نذر و فتوح سے احتراز فرماتے تھے۔ اُن کے ایک صاحبزادے تھے۔ جن کا نام بایزید تھا۔ وہ بھی درویشانہ زندگی گذارتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کے عزیز خلیفہ شیخ کمال الدین آپ ہی کے فرزند ارجمند تھے۔ مالوہ کے علاقے میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی توسیع آپ نے فرمائی۔

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ

آپ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ عوارف المعارف کے مصنف اور مشہور سہروردی بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت سے آپ کو اس اسم گرامی سے موسوم کیا گیا تھا۔ آپ علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کی دلکش گفتگو کا اعتراف خود حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی کا اکثر حصہ جماعت خانہ میں ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں گذرا۔

صاحبزادوں کے اسمائے گرامی ہیں، شیخ حسام الدین۔ شیخ عبدالحمید۔ شیخ مسعود۔ شیخ علی شیر۔ شیخ محمد اور شیخ جمشید۔ صاحبزادگان والاشان دہلی۔ فتح پور۔ چندواڑ۔ جون پور۔ ٹانڈہ۔ سرسہ۔ رہتاس گڑھ۔ پھلواری اور بہار و بنگال میں آباد ہوئے۔

شیخ بدرالدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور کے تیسرے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے۔ انہیں خواجگان چشت سے براہ راست کلاہِ خلافت عطا ہوئی تھی۔ آپ کا وصال ۶۸۷ ہجری میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک اندرون روضہ مبارک شرقی دروازے میں سے داخل ہوتے ہوئے پہلا ہے۔ شیخ علاؤالدین موج دریا جو آپ کے فرزند سعادت مند تھے آپ کے بعد ۵۴ سال تک سجادہ مشیخت پر رونق افروز ہو کر توسیع و اشاعتِ دین کا کام سر انجام دیتے رہے۔ سلسلۂ

محمد تغلق آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوا تھا۔

خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضور آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپکو جانشین بنانا چاہتے تھے۔ آپ حضرت سے بے تکلف گفتگو فرماتے اور حضرت کبھی ناراض نہ ہوتے۔ اپنی دانشمندی اور دلیری کی وجہ سے معروف تھے۔ غیاث الدین بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ منگولوں سے لڑائی کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے خواجہ ابراہیم کے صاحبزادے خواجہ عزیز الدین حضور سلطان المشائخ کے عزیز مرید تھے۔ اور آپ کے جماعت خانہ میں قیام پذیر تھے۔ آپ کا مزار سلطان المشائخ کے قدموں میں ہے۔

شیخ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کی تعلیمات زیادہ تر مولانا سید بدر الدین اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ایثار پیشہ اور زاہد و عابد بزرگ تھے، ملامتیہ فرقے کی طرف میلان ہو گیا تھا اور گمنامی کی زندگی بسر کی۔ امروہہ کے قریب ایسے گم ہوئے کہ پھر کسی نے انہیں نہ دیکھا۔ اُن کے دونوں صاحبزادے خواجہ عزیز الدین اور خواجہ قاضی سلطان المشائخ کے دامن تربیت کے پروردہ ہیں۔ شیخ عزیز الدین دیوگر میں آباد ہو گئے تھے۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔

بی بی مستورہ رحمۃ اللہ علیہا

آپ بہت زاہدہ و عابدہ خاتون تھیں۔ آپکے دو صاحبزادے خواجہ عزیز الدین صوفی اور خواجہ کبیر الدین تھے۔ آپ دونوں صاحبزادگان کی تربیت بھی حضرت سلطان المشائخ

کے جماعت خانہ میں ہوئی۔ حضرت سلطان المشائخ آپ کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتے تھے خواجہ عزیز الدین بہترین خطاط تھے۔ چنانچہ سلطان المشائخ کے ملفوظات مبارک آپ نے ترتیب دیئے جن کا نام "تحفۃ الابرار فی کرامات الاخیار" تھا۔ حضرت نے ان ملفوظات مبارک پر خود نظر ثانی فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ قطب الدین حسن کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے خلافت عطا فرمائی۔ شیخ کبیر الدین بھی اپنے بھائی کی مانند صاحب زہد و ورع بزرگ تھے۔ سلطان المشائخ نے آپ کی تعریف فرمائی۔

بی بی شریفہ رحمۃ اللہ علیہا

آپ جوانی ہی کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ اور دوبارہ شادی نہ کی۔ اس قدر زہد و تقویٰ کی مالک تھیں کہ حضور باباجی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے "اگر عورتوں کو خلافت نامہ دینا جائز ہوتا۔ تو میں بی بی صاحبہ کو دے دیتا۔"

بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا

آپ کی شادی مولانا سید بدر الدین اسحٰق دہلوی سے ہوئی۔ آپ کے دو صاحبزادے خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ تھے۔ حضرت بدر اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان دونوں صاحبزادگان کی تربیت کا ذمہ بھی سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے لے لیا۔ یہ دونوں بزرگ حضرت کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور دین کی توسیع و اشاعت میں قابل تعریف کردار ادا کیا۔

خلفاء

سیر الاولیاء کی روائت کے مطابق حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ شیخ جمال الدین ہانسوی ۲۔ شیخ نجیب الدین متوکل ۳۔ مولانا بدرالدین اسحٰق

۴۔ شیخ نظام الدین اولیاء ۵۔ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر

اِن میں سے ہر اک بزرگ اُپنی اُپنی جگہ ایک عظیم ادارہ تھے، جس کا تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ محض حصول برکت و سعادت اور کتاب کے مقتضیات کو پُورا کرنے کے لئے اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوّلیں خلیفہ ہیں۔ محبت و پیار میں فرمایا کرتے تھے۔ جمال جمال ماست۔ آپ ہی کی وجہ سے حضور نے ۱۲ سال ہانسی میں گذار دیئے۔ آپ اپنے شیخ کی نظر میں اتنے وقیع و محترم تھے کہ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس بزرگ کو خلافت نامہ عطا فرماتے تو حکم دیتے کہ ہانسی میں جاکر ہمارے جمال سے مہر کروا لینا۔ چنانچہ سیر کی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک بزرگ حضور سے خلافت نامہ حاصل کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں مہر لگوانے کو حاضر ہوئے۔ آپ نے نہ صرف خلافت نامہ پر مہر لگانے سے انکار کر دیا۔ بلکہ خلافت نامہ ہی کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ بزرگ سخت ناراض ہوکر بارگاہِ گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ میں آزردہ حال حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، "پارہ کردۂ جمال را نتوانیم دوخت"

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بدایونی دہلوی کو بھی جب منصب خلافت پر متمکن فرمایا گیا۔ تو ارشاد ہوا۔ نظام۔ دہلی جاتے ہوئے ہمارے جمال سے خلافت نامہ پر مُہر لگوا لینا۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

"میں حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حسب الارشاد حضرت جمال ہانسوی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کا معمول تھا کہ جب میں آپ کے پاس جاتا تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اس مرتبہ خلافت نامہ لے کر میں اُن کی خدمت میں گیا تو وہ خلاف معمول بیٹھے رہے۔ مجھے تعجب ہوا۔ آپ نے فوراً فرمایا۔ مولانا نظام الدین آپ کی تعظیم کے لئے نہ اُٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان الفت و محبت ہے

"من و تو یکے شدیم پیش خود برخاستن چہ گونہ روا دارد"

غرضیکہ کافی دنوں کے بعد مناسب موقع پا کر میں نے اپنا خلافت نامہ حضرت قطب جمال کی خدمت میں پیش کیا۔ تو وہ بہت خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا اور دستخط کر کے مہر لگا دی

؎ خدائے جہاں را ہزاراں سپاس کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ علم و فضل میں یگانہ زمانہ اور خطابت و بیان کا جادو جگاتے تھے۔ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قیام ہانسی کے دوران ربقہ غلامی زیب گلو کیا اور خلافت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے زندگی میں سات دفعہ پاکپتن شریف حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی۔ ایک دفعہ علالت و ضعف کی وجہ سے خود حاضر ہونے سے معذور تھے تو اپنی خادمہ کو جو ایک بوڑھی خاتون تھیں اور بڑی زاہدہ و عابدہ تھیں بھیجا۔ حضور بابا صاحب اُن کو مادر مومناں کے لقب سے خطاب فرماتے۔ جب آپ بارگاہِ گنجشکر میں حاضر ہوئیں تو حضرت نے پوچھا! ہمارے جمال کا کیا حال ہے؟ اُس نے عرض کیا۔ حضور جس دن سے آپ کے مرید ہوئے ہیں۔ اسباب دنیا اور شغلِ خطابت ترک کر دیا ہے۔ اُن کو بھوک

اور بلاؤں نے گھیر لیا ہے۔ سخت مجاہدوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ سن کر حضور باباصاحب مسکرائے اور فرمایا۔ الحمدللہ۔ اچھی زندگی گذار رہا ہے۔

آپ کی تصانیف میں دو کتابیں موجود ہیں۔ ایک آپ کا فارسی دیوان۔ دوسرا عربی زبان میں "ملہمات" کے نام سے ایک مقالہ آپ کے علم و فضل کی یادگار ہے۔

حضرت قطب جمال کا وصال ۱۱ شعبان المعظم ۶۵۸ ہجری کو حضور باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ میں ہی ہو گیا۔ ہانسی ہی میں سپرد خاک کئے گئے۔ وصال کے کچھ عرصہ بعد مزار انور پر گنبد تعمیر کرنے کے لئے دیواریں کھودی گئیں تو ایک طرف سے لحد مبارک کا منہ کھل گیا۔ جس میں سے خوشبو کی لپٹیں آنے لگیں۔ گویا جمال فرید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک جنت کی کیاریوں میں ایک کیاری ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے حالت مجذوبی میں تھے۔ چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا برہان الدین صوفی آپ کی خادمہ کے ہمراہ حضور باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت نے کم سنی ہی میں دولت خلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم نظام الدین بدایونی کے پاس رہ کر تکمیل سلوک کرو۔ اس پر خادمہ نے عرض کیا۔ حضور آپ کم سنی میں اتنی گرانبار ذمہ داری (خلافت) سونپ رہے ہیں۔ ابھی تو "کھاجا برہان الدین بالا ہے" یعنی خواجہ برہان الدین بچہ ہے۔ حضرت نے فرمایا "پونوں کا چاند بالا ہی ہوتا ہے" یعنی چودھویں رات کا چاند پہلی رات کو چھوٹا ہی ہوتا ہے۔ بتدریج کمال کو پہنچتا ہے۔

حضرت مولانا برہان الدین صوفی ارشاد گنجشکر کے مطابق سلطان المشائخ کی بارگاہ میں پہنچے اور تکمیل علوم باطنی کی۔ سلطان المشائخ کا احترام و تعظیم کا اہتمام اس طرح کرتے کہ جتنی دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ تازہ غسل کرتے۔ نئے کپڑے بدلتے عطر لگاتے اور پھر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے۔ کوئی مرید ہونے آتا تو فرماتے

سلطان المشائخ کے ہوتے ہوئے مجھ جیسے کو بیعت لینا زیبا نہیں۔ جب یہ خبر حضرت سلطان المشائخ کو ملی تو آپ نے مولانا برہان الدین صوفی کو فرمایا۔ جس طرح اس ضعیف کو حضرت شیخ شیوخ العالم سے اجازتِ بیعت ہے۔ آپ کو بھی ہے۔ آپ مرید کیا کریں۔

شیخ نجیب الدین متوکّل رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ اور وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ عسرت و تنگدستی کی زندگی گذاری لیکن توکّل و قناعت کا دامن ہرگز نہ چھوڑا۔ آپ کے لقب ''متوکّل'' کی وجہ تسمیہ اخبار الاخیار میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''عید کے دن چند درویش آپ کے گھر جمع ہو گئے۔ اتفاقاً اُس دن آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ کوٹھے پر چڑھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ جی میں آیا۔ کیا آج عید کا دن یونہی گزر جائے گا۔ میرے بچوں کے منہ میں کوئی غذا نہ پہنچے گی۔ اور مہمان بھی مایوس لوٹ جائیں گے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص کوٹھے پہ آیا اور یہ شعر پڑھا

؎ بادِل گفتم ولا خضر را بینی ‌ ‌ ‌ دل گفت اگر مرا نماید بنیم

'میں نے اُپنے دل سے کہا اے دل خضر دیکھنا چاہتا ہے۔ تو دل نے کہا اگر مجھے دکھائی دے تو ضرور دیکھوں۔ پھر اُس پیر مرد نے کھانے کا بھرا ہوا خوان پیش کرتے ہوئے کہا۔ اے نجیب الدین، عرش پر ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے آپ کے توکّل کا نقارہ بجا رہے ہیں۔ اور آپ اس غرض کی جانب متوجہ ہیں۔ اس پر شیخ متوکّل نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ میں اپنی طرف سے خود اس جانب مائل نہیں ہوا۔ بلکہ دوستوں کی ضروریات

نے مجھے اس طرف متوجہ کیا۔ غالبًا یہ پیر مرد خواجہ خضر ہی تھے "

آپ کو توکل و تبتّل کا ایک اور واقعہ حضرت سلطان المشائخ بیان فرماتے ہیں۔

" شیخ شیوخ العالم کے حلقہ ارادت میں آنے سے پہلے ایک دن میں شیخ نجیب الدین متوکل کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا چنانچہ میں نے اس مجلس میں کھڑے ہو کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص اس نیّت سے پڑھئے کہ میں کہیں کا قاضی مقرر ہو جاؤں۔ جس پہ شیخ متوکل نے خاموشی اختیار کی۔ میں یہ سمجھا کہ میری آواز آپ کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ اس لئے پھر اپنی بات دہرائی۔ اس پر شیخ مسکرائے اور کہا قاضی نہ بنو کچھ اور بنو "

آپ حضور بابا صاحب کے خلیفہ تھے۔ اور حضور بابا صاحب کی خدمت میں انیس مرتبہ پاک پتن تشریف لائے۔ انیسویں بار جب آپ حضور سے رخصت ہو رہے تھے۔ تو باباجی نے حسب معمول یہ دعا نہ مانگی کہ اللہ میرے بھائی کو دوبارہ جلدی ملانا۔ وہی ہوا۔ شیخ نجیب الدین متوکل اپنے شیخ اور برادر مکرم کو دوبارہ نہ دیکھ سکے۔ اور حضور بابا صاحب کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے واصل بحق ہو گئے۔ آپ کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کے روضۂ مطہرہ کے راستے میں سلطان محمد عادل شاہ کی مشہور عمارت جے منڈل کے سامنے ہے۔ حضرت سلطان المشائخ اور آپ کا مکان بھی اسی جگہ تھا۔

حضور بابا صاحب کی نظر میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا مقام کیا تھا؟ اس بارے میں شیخ محقق کا بیان ہے:

" شیخ فرید الدین گنجشکر کی خدمت میں ایک دن شیخ نجیب الدین متوکل نے حاضری دی۔ اور عرض کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ مناجات میں " یارب " کہتے ہیں۔ جس کا جواب یہ آپ سنتے ہیں لبّیکَ عبدی (اے میرے بندے میں تیری مدد کو حاضر ہوں)

یہ سننے کے بعد شیخ گنجشکر نے فرمایا۔ اَلْاَرْجَاف مُقَدِّمَۃ الْکَوْن (افواہیں واقعات کا پیش خیمہ ہوتی ہیں)۔ اُس کے بعد شیخ متوکل نے کہا۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ حضرت خضر آپ کے پاس آتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں یہ ابدال بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ یہ سننے کے بعد صرف اتنا کہا۔ تم بھی تو ابدال ہو۔

مولانا سید بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نظر کتاب اسرار الاولیاء کے مرتب حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص خلیفہ اور داماد حضرت خواجہ سید بدر الدین اسحٰق دہلوی علم و فضل اور زہد و اتقاء میں فقید المثال تھے۔ خشیت الٰہی کا ایسا غلبہ رہتا کہ دن رات میں کم وقت ایسا ہوتا۔ جس میں آپ پہ حالتِ گریہ طاری نہ ہوتی۔

آپ شہر دہلی کے رہنے والے تھے۔ اور تحصیل علم ظاہری کے بعد خواہش تھی کہ کچھ مسائل لاینحل کے سلسلے میں علمائے بخارا سے استفادہ کیا جائے۔ اس ارادے سے اُپنے ایک دوست کے ہمراہ کتابوں کا پلندا لیکر عازم بخارا ہوئے۔ رفیق سفر نے اجودھن (پاک پتن شریف) کے پاس پہنچکر مشورہ دیا۔ کہ یہاں ایک بزرگ شیخ فرید الدین مسعود گنجشکر رہتے ہیں۔ کیوں نہ اِن مسائل کے بارے میں اُن سے مذاکرہ کر لیا جائے۔ سنا ہے کہ وہ شرح صدر اور تبحر علمی کے حامل ہیں۔ اور واردین کے دل کے عقدے حل کرنے میں مشہور ہیں۔ چنانچہ آپ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور باباجی نے دورانِ گفتگو اُن تمام مسائل کا حل اپنی تقریر دلپذیر میں کر دیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حیرت زدہ رہ گئے۔ دل میں کہا کہ اس بزرگ کے پاس کوئی کتاب نہیں اور چادر اوڑھے ہوئے علم لدنی کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ علم اکتسابی نہیں۔ جس چیز کے لئے میں بخارا کا سفر کر رہا ہوں۔ وہ تو مجھے یہیں مل گئی۔ بخارا کا سفر ترک کیا اور ساری عمر

حضور بابا صاحب کے قدموں میں گذارنے کا فیصلہ کیا ۔

قیس نے نجد لیا طور لیا موسیٰ نے ٭ لی جگہ تھوڑی سی ہم نے تیری دیوار کے ساتھ

سیر الاولیاء کے مصنف حضرت امیر خورد کرمانی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر لکھتے ہیں.

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمۂ عشق ٭ پیش تو رخت بیفگندم و سر بنہادم

میں نے کسی مقام پر خیمۂ عشق نہ ڈالا. تیرے سامنے سامانِ زندگی رکھ دیا اور سر جھکا لیا گویا اردو زبان میں یوں ہوا

وہ کون تھا جہاں میں جو ہم کو خریدتا ٭ ہم بک گئے خلوص خریدار دیکھ کر

چنانچہ حضرت مولانا نے حضور بابا صاحب کی خدمت اس طرح کی کہ آپ کے خلوص نے حضرت کا دل موہ لیا۔ خلافت کی دولت سے مالا مال ہوئے اور حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں. جماعت خانہ کا نظم و نسق آپ کے حوالے کیا گیا. حضرت کی طرف سے تعویذ لکھنے کا کام بھی آپ ہی سرانجام دیتے تھے. اور کاملین درگاہ فریدی کے لئے خلافت نامہ بھی آپ ہی تحریر فرماتے تھے. ان کارہائے جلیلہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور بابا صاحب کی بارگاہ میں حضرت مولانا کیا قرب و اختصاص کا درجہ رکھتے تھے.

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں.

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک دن یہ شعر پڑھ رہے تھے ۔

پیش صلابت غمش روح نطق نمی زند ٭ اے ز ہزار صعوہ کم ترس تو زا چہ می زنی

"اس کے غم عشق کی شدت میں روح تک آواز نہیں نکالتی. اے انسان تیری ہستی ممولے کے ہزارویں حصے سے بھی کم ہے پھر بتا کہ تو کیوں نالہ و زاری کرتا ہے."

اس شعر کے ذوق میں پورا دن عالم تحیر میں بسر ہوا تھا. کہ مغرب کے وقت شیخ

نے آپ کو امام بنایا۔ آپ نے نماز شروع کی۔ اور قرأت کے بجائے یہی شعر زبان سے ادا ہوا۔ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو شیخ نے پھر آپ ہی سے امامتِ نماز کے فرائض انجام دلائے۔

حضور بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عہد پر مستند ترین تذکرہ سیر الاولیاء ہے۔ اور سیر الاولیاء کے بعد حضرتِ شیخ محقق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب اخبار الاخیار قریب العہد ہونے کی وجہ سے معتبر و مستند ہونے کا درجہ رکھتی ہے۔ ہم اس کتاب مستطاب کا ایک اقتباس ہم اس خیال سے درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے جدید محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی نے زیر نظر کتاب اسرار الاولیاء کی سند پر اعتراض فرمایا ہے اس اقتباس کے پڑھنے کے بعد اعتراض کا رفع ہونا بدیہی امر ہے۔

" رسالہ اسرار الاولیاء آپ کی تصنیف ہے۔ جس میں شیخ گنجشکر کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کتاب بصورتِ نظم علم صرف میں لکھی ہے۔ جس میں تبحر علمی و فصاحت کا خوب اظہار کیا ہے۔"

حضرت مولانا کو حضور بابا صاحب کی بارگاہ میں جو اثر و رسوخ اور قرب حاصل تھا۔ اس کا اندازہ حضرتِ سلطان المشائخ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو آپ نے ایک دفعہ حضرت مولانا کو فرمائی تھی۔ ہم اس ارشاد کو سیر الاولیاء کے حوالے سے درج کر رہے ہیں:

" من در حالتِ تنگیہا اول شیخ شیوخ العالم را یاد میکنم۔ پس ازاں شمارا بحضرت عزت شفیع می آوردم "

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ سید محمد امام۔ سید موسیٰ۔ حضرت مولانا کے وصال کے بعد صاحبزادگان حضرتِ سلطان المشائخ کے پاس دہلی تشریف لے گئے تھے۔ دونوں کی تعلیم و تربیت آپ کی نگرانی میں ہوئی۔ تکمیل ظاہری و باطنی کے بعد خلافت سے

سرفراز فرمایا۔ حضرت سید محمد امام کو حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ مجالس میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو اپنی موجودگی میں آپ کا مرید کرایا کرتے تھے۔ یہ طریقہ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا۔ کہ اپنی موجودگی میں ارادتمندوں کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت مولانا سے بیعت کر لو۔ کہ ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

حضرت بابا صاحب کے وصال کے کچھ عرصہ بعد آپ پاک پتن شریف کی جامع مسجد قدیم میں تشریف لے آئے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز سے چاشت تک گریہ وزاری کے ساتھ اپنے اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ اور چاشت کے نفل ادا کرنے کے بعد طویل سجدہ فرماتے اور اتنا گریہ کرتے کہ سجدہ کی جگہ تر بتر ہو جاتی۔ اس گریہ وزاری نے بینائی پر اثر کیا۔ آپکی آنکھوں میں زخم ہو گئے۔ امیر خورد کی دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے ایک دن مولانا کو کہا۔ کہ اگر آپ تھوڑی دیر کیلئے اپنے آنسو روک سکیں تو میں آپکی آنکھوں میں ایسی دوا لگاؤں گی جس سے یہ زخم بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔ حضرت مولانا نے یہ سن کر ایک آہ بھری اور فرمایا۔ بہن! کیا کروں آنسو میرے اختیار میں نہیں۔

حضرت مولانا کا وصال ۷، جمادی الآخر ۶۶۷ ہجری کو حضور بابا صاحب کے تین سال بعد اس طرح ہوا تھا کہ آپ شدت مرض کے باوجود صبح کی نماز جماعت سے ادا کی۔ اوراد وظائف پورے کئے۔ یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہو گیا۔ اشراق ادا کی۔ نماز چاشت تک پھر مشغول رہے۔ چاشت کے نفل ادا کرنے کے بعد حسب معمول سجدہ میں سر رکھا۔ گریہ وزاری کی اس کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ "اللہ" کہا اور سجدہ ہی میں واصل بحق ہو گئے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد بن علی البخاری ہے۔ ماں باپ دونوں کی طرف سے حسینی سید ہیں۔ آپ کو لوگ مختلف القابات سے خطاب کیا کرتے ہیں۔ محبوب الٰہی، سلطان الاولیاء، سلطان المشائخ اور سید نظام الدین کے اسمائے گرامی ہیں۔ حضور باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو "بابا نظام" کہکر پکارا کرتے تھے۔ مفکر پاکستان، حکیم امت شاعر اسلام حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی سرکار میں حاضری دی تو اس طرح التجا کی ؎

نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی — بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

آپ کے جد امجد خواجہ علی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور جد مادری خواجہ عرب رحمۃ اللہ علیہما دونوں حوادث زمانہ سے تنگ آکر بخارا سے لاہور تشریف لائے اور پھر بدایوں میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۷۔ صفر المظفر چہار شنبہ کے روز ۶۳۴ ہجری کو اسی شہر میں ہوئی۔ اسی سال حضور قطب عالم بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز اور سلطان شمس الدین التمش نے وصال فرمایا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد بچپن ہی میں رحلت فرما گئے۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک اور دیگر ابتدائی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ والدہ ماجدہ نے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ یہاں تک کہ آپ علوم ظاہری میں درجہ فضیلت کو پہنچے تو بیس برس کی عمر میں والدہ محترمہ کی معیت میں دہلی تشریف لے آئے۔ اُس وقت مولانا شمس الدین خوارزمی کا درس مشہور تھا۔ آپ اس مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ آپ کے تبحر علمی سے متاثر ہو کر آپ کے ساتھی طلبہ نے آپ کا نام نظام الدین بحاث

رکھ چھوڑا تھا۔ بحث و گفتگو کے دوران ایسے علمی نکات بیان فرماتے کہ فضلاء حیران رہ جاتے۔ آپ کی تعلیم میں مولانا کمال الدین جیسے پاکیزہ سیرت اور زاہد و متقی انسان کا بھی ہاتھ ہے، جنھوں نے سلطان غیاث الدین بلبن کی اس خواہش کو ٹھکرا دیا، کہ آپ اُن کے پیش امام بن جائیں۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کو کہلوا بھیجا، کہ اس فقیر کے پاس سوائے جانماز کے اور کچھ نہیں ہے۔ کیا بادشاہ اِس کو بھی ہم سے چھیننا چاہتا ہے۔

آپ کا قیام حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور پیارے خلیفہ حضرت خواجہ نجیب الدین متوکل کے ہمسایہ میں رہا۔ دونوں بزرگوں میں راہ و رسم بڑھ کر دلی دوستی اور باہمی محبت میں ڈھل گئی۔ حضور بابا صاحب سے آپ کا تعلقِ خاطر بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ اس بارے میں اخبار الاخیار میں حضرت شاہ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں۔

”جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی۔ تو کتب کشف پڑھتے تھے۔ ایک دن ایک قوال جس کا نام ابوبکر تھا۔ ملتان سے بدایون میں آیا۔ اور آپ کے استاد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا، کہ میں شیخ بہاؤ الدین ذکریا علیہ الرحمۃ کی خدمت سے شرفیاب ہوا۔ اور پھر شیخ موصوف کے مناقب و محامد تفصیل سے بیان کرنے لگا۔ حضرت سلطان المشائخ بھی سنتے رہے۔ لیکن آپ کو ذرا رغبت نہ ہوئی۔ اُس کے بعد اُسی قوال نے حضور بابا صاحب کا ذکر پاک شروع کر دیا۔ کہا۔ کہ میں قصبہ اجودھن (پاک پتن شریف) میں گیا۔ تو ایک ایسے شیخ گرامی کی زیارت نصیب ہوئی۔ جو اس زمانے میں کرامت و اتقاء، زہد و ورع میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ طالبوں کو بیعت کرتے ہی خدا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اُن کی نظرِ کیمیا اثر سے کاملین فیضیاب ہوتے ہیں۔ خُدا نے اُن کو اپنی نعمتوں کا قاسم بنایا ہے“

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضور بابا صاحب کا ذکر پاک سن کر میرے دل میں شوقِ زیارت پیدا ہو گیا۔ اور اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر وقت آپ کا خیال بندھ گیا۔ آخر شیخ نجیب الدین متوکل کے وسیلے سے حضرت کی خدمت بابرکت

میں پاک پٹن شریف حاضر ہوا۔ جب میں نے شرفِ پابوسی حاصل کیا۔ تو آپ نے یہ شعر پڑھا

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ   سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اس کے بعد میں نے بھی چاہا۔ کہ شرح اشتیاق و شوق قدم بوسی کا کچھ حال عرضِ خدمت کروں۔ لیکن آپ کی ذات کی ہیبت و عظمت نے اتنا مبہوت کر دیا۔ کہ دل تھر تھرا اٹھا۔ صرف اتنا کہہ سکا۔ کہ مجھ پر بھی حضرت کی قدم بوسی کا اشتیاق بہت غالب تھا۔ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ فراست نے آثار دہشت میرے چہرے پر ملاحظہ فرمائے تو کہا ہر آنے والا اسی قسم کے حال سے دوچار ہوتا ہے۔ چھ پارے قرآنِ مقدس کی تفسیر دوبارہ پڑھائی۔ اُس کے بعد شرفِ بیعت سے نوازا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اب میرے لئے کیا حکم ہے۔ تعلیم و تعلم میں مشغول رہوں یا اوراد و نوافل میں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں کسی کو پڑھنے پڑھانے سے منع نہیں کرتا ہوں۔ یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو۔ پھر دیکھو کہ غلبہ کس کو ہے۔ فقیر کو علم بھی ضروری ہے۔ تاکہ شیطان کے دھوکے میں نہ آئے۔

چند روز کے بعد ۱۲۔ ربیع الاوّل ۶۵۴ ہجری کو چہار شنبہ کے دن مجھے خلعتِ خلافت سے نوازا۔ اور دہلی جانے کی اجازت دی۔ حضرت کی زندگی میں مجھے تین دفعہ آپ کے حضور حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ لیکن بزرگانِ سلسلہ کی طرح حضرت کے وصال کے وقت موجود نہ تھا۔"

آپ غیبی اشارہ سے دہلی سے باہر غیاث پور میں اقامت پذیر ہو گئے۔ اور وصال کے بعد یہیں مدفون ہوئے۔ آپ کا روضہ مبارکہ آج بھی زیارتگہ خلق اللہ ہے۔

غیاث پور کے قیام کے اوّلیں زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ نے بڑی تنگی و عسرت کی زندگی بسر کی۔ تین تین روز کے فاقے ہوتے تھے۔ آپ یہ فرماتے تھے کہ جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ تو میری والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ مجھے والدہ کے اس جملہ سے بڑی لذت ملتی تھی۔

سیر الاولیاء کے بیان کے مطابق سلطان جلال الدین خلجی کو آپ کی اس تنگدستی کا حال جب معلوم ہوا۔ تو کچھ تحائف آپ کی خدمت میں بھیجے اور کہلوایا کہ اگر آپ حکم دیں تو چند گاؤں آپ کے خدمتگاروں کے لئے نذر کیے جائیں۔ آپ نے تحائف واپس کر دیئے۔ اور بادشاہ کو جواب بھیجا۔ کہ مجھے اور میرے خدام کو آپ کے گاؤں کی ضرورت نہیں میرا اور ان کا خدا کارساز ہے۔

اُس زمانے میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کئی روز سے فاقہ تھا۔ پڑوس کی ایک پارسا عورت نے کچھ آٹا بھیج دیا۔ شیخ کمال الدین نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اسی وقت ایک مجذوب فقیر آگیا۔ اور کچھ کھانے کو مانگا۔ حضرت سلطان المشائخ نے ہنڈیا اُٹھا کر اُس کے سامنے رکھ دی۔ اُس نے گرم گرم لقمہ منہ میں ڈالا پھر ہنڈیا کو زمین پر ٹپک دیا۔ اور یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

" شیخ نظام الدین کو حضرت بابا فرید گنجشکر نے نعمتِ باطن سے نوازا۔ میں نے اُن کی فقیری کی دیگ کو توڑ ڈالا۔ اب وہ ظاہر اور باطن کی نعمتوں کے سلطان ہو گئے "

اس واقعہ کے بعد حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی فقر و فاقہ کی زندگی ختم ہو گئی۔ اور فتوحات و نذرانوں کی آمد کا یہ حال ہو گیا کہ دولت کا دریا دارزہ کے آگے بہتا تھا۔ کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کی محبوبیت و ہر دلعزیزی اس قدر بڑھ گئی کہ آپ کی خانقاہ کے گرد ہر وقت ایک ہجوم رہتا۔ امیر و غریب سب ہی آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے۔ اور آپ کی شہرت برصغیر کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ کئی ہزار فقراء و مساکین روزانہ کھانا کھاتے۔ صبح سے شام تک لنگر چلتا تھا۔ خانقاہِ معلّیٰ میں شام کو کوئی چیز بچا کر نہ رکھی جاتی۔ جو ہوتا تقسیم کر دیا جاتا۔ اور مزید تاکید کے لئے ہر جمعہ کو جھاڑو دی جاتی۔

حضرت سلطان المشائخ کا یہ معمول تھا۔ کہ بادشاہوں اور شاہزادوں کے ہدیات و نذرانے قبول نہ فرماتے۔ بلکہ آنکھوں میں آنسو بھر لاتے اور فرماتے کہ مجھے دنیا سے نفرت ہے۔ میرے پیرو مرشد حضرت گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن مجھ سے کہا۔ نظام! میں نے تیرے لئے دنیا کی ایک کافی مقدار خدا سے طلب کی ہے۔ میں یہ بات سن کر کانپ اٹھا۔ اور دل میں کہا۔ بہت سے بزرگ اسی دُنیا کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے۔ افسوس میرا کیا حال ہوگا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا ہی تھا۔ کہ پیرو مرشد نے فرمایا۔ تم اطمینان رکھو۔ دُنیا تمہارے لئے فتنہ نہ ہوگی۔ میں حضرت کی اس بات سے بہت خوش ہوا۔ اور سجدۂ شکر بجا لایا۔

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ علیحدگی اختیار کی۔ سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت کی بارگاہ میں حاضری کی بڑی تمنا تھی۔ اجازت مانگی۔ مگر آپ نے سختی سے انکار کر دیا۔ امیر خسرو کو بارگاہِ نظامی میں اثر و رسوخ تھا۔ بادشاہ نے آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ امیر خسرو نے وعدہ فرمالیا۔ کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ سلطان کو آپ کی بارگاہ میں لے چلیں گے۔ امیر خسرو نے وعدہ تو کر لیا۔ لیکن بعد میں خیال آیا کہ اس طرح تو میرے محبوب مرشد مجھ سے ناراض ہو جائیں گے فوراً حضرت کی خدمت میں جا کر واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت سلطان المشائخ بادشاہ کے پہنچنے سے پہلے ہی عازم اجودھن اپنے شیخ کی حاضری کے لئے ہو گئے۔

سلطان کو خبر ملی۔ تو امیر خسرو سے باز پرس کی۔ امیر خسرو نے جرأت سے کہا کہ مجھے بادشاہ کی ناراضگی سے صرف جان کا خطرہ تھا۔ لیکن مرشد کی ناراضگی سے ایمان بھی جاتا رہتا۔ بادشاہ صاحب فہم تھا۔ امیر خسرو کی اس بات سے خوش ہوا۔

حضرت سلطان المشائخ نے دہلی میں رہ کر پورے برصغیر کو دین اسلام کی روشنی سے منور کیا۔ ان کے فیوض و برکات سے ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ خواص و عوام کے

دل آپ کے انفاس متبرکہ سے زندہ ہوگئے۔ گناہگاروں نے توبہ کی بے نمازی ہمیشہ کے لئے سجدہ ریز ہوگئے۔ بقول ریاض خیرآبادی یہ حالت ہوگئی

وہی ریاض جو تھے بت پرست بادہ پرست
خدا کی یاد میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

آپ کے اخلاق حمیدہ واوصاف جمیلہ کے دیکھنے سے لوگوں میں دنیا کی محبت اور حرص وہوس کم ہوگئی۔ معاملات میں سچائی آگئی۔ اور اصلاح معاشرہ کا کام جو واعظوں کی خوش بیانیوں سے مکمل نہ ہوسکا ایک مرد درویش کے چہرے پر نور یقین مشاہدہ لوگوں کے اندر خود بخود سنورے، سدھرنے کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ آپ کے وجودِ مسعود کی برکت سے بقول مفتی ولی حسن ٹونکی خاص وعام، بادشاہ وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری ودیہاتی سب کو توبہ کی توفیق ہوئی۔ لوگ فرائض کے علاوہ نوافل کے اس قدر پابند ہوگئے تھے کہ مساجد میں نوافل اداکرنے والوں کا ہجوم ہوتا۔ عام لوگ ایام بیض اور عشرۂ ذوالحجہ کے روزے رکھتے تھے۔ ہر محلہ میں صلحار کا اجتماع ہوتا تھا۔ شراب و شاہد، فسق وفجور، جوا اور فحاشی وغیرہ کا نام تک لوگوں کی زبان پر نہ آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو جنید بغدادی اور بایزید بسطامی کے مثل پیدا کیا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ روحانی اولاد اور خلفاء بڑی کثرت سے ہوئے۔ جنھوں نے برصغیر کے باہر چین تک اپنی خانقاہیں قائم کر کے ترویج واشاعت دین کا کام سرانجام دیا۔

بالآخر ۱۸، ربیع الاول ۷۲۵ ہجری کو حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ اور چشتیوں کے نیر تاباں سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے سرتاج حضرت سلطان المشائخ مولانا سید نظام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ اس جہانِ فانی سے رحلت فرما کر واصل الی الحق ہوگئے۔ اُن کی عظمت ومحبوبیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اُن کی حیاتِ طیبہ پر ایک سیر حاصل

اور جامع تحریر پیش کی جاتی. مگر زیرِ نظر کتاب کے تقاضوں کے پیشِ نظر اسی اجمال پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس وقت حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اقبال کی زبانی یہی شعر عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم گلے بہارِ توام

حضرتِ مخدوم سید علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ

حضرتِ مخدوم سید علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مورثِ اعلیٰ حضور باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور بھانجے صاحب صبر و قناعت بزرگ تھے. آپ کے والدِ محترم حضرتِ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کے پوتے تھے. شیخ جمال الدین سلیمان کی صاحبزادی حضرت بی بی جمیلہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا کا نکاح ۲۰ جمادی الثانی ۵۱۷ ہجری کو سید عبداللہ ہراتی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا. آپ کی پیدائش ربیع الاول ۵۹۲ ہجری کو قصبہ کھتوال ہی میں ہوئی.

حضرتِ مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن ہی سے ذہانت اور حافظہ کا یہ حال تھا کہ دوسرے بچے جو تعلیم مہینوں میں حاصل کرتے آپ چند دنوں میں حاصل فرما لیتے. آٹھ سال تک علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد طبیعت کا میلان علوم باطنی کی طرف زیادہ ہو گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لیکر اجودھن (پاک پتن شریف) تشریف لائیں۔ اور اپنے حقیقی بھائی حضور باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرکے عرض کیا۔ بھائی! میرے علی احمد کو اپنی فرزندی میں قبول کیجئے اور اس کی تعلیم ظاہری باطنی فرمائیے۔ حضور باباصاحب اس ہونہار اور صاحب عزیمت بھانجے کو دیکھ کر بہت

خوش ہوئے اور فرمایا۔ بہن میں آپ کا شکر گزار ہوں، کہ آپ نے ایسا سعادت مند فرزند لا کر مجھے دیا ہے۔ جو سارے جہان کو روشنی دینے والا ہے۔

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ نظر نے حضرت مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے دل کو نورِ عرفان سے لبریز کر دیا۔ والدہ ماجدۂ حضرت مخدوم بہ اطمینانِ تمام اپنے جگر گوشہ کو حضرت کے سپرد کر کے عازم ہرات ہو گئیں۔ لیکن جاتے ہوتے دوبارہ عرض کیا۔ دیکھنا بھائی میرے بیٹے کو کوئی تکلیف یا تنگی نہ ہو۔ حضور بابا صاحب نے آپ کے اطمینان کے لئے حضرتِ مخدوم کو بلایا اور لنگر کا منتظم بنا دیا۔ آپ نے لنگر کا انتظام لے لیا۔ اور حسن و خوبی سے اس فرض کو جو پیر و مرشد نے سونپا تھا۔ ادا کرتے رہے۔ آپ کا معمول تھا۔ نمازِ اشراق ادا کرنے کے بعد حجرۂ مبارکہ سے نکلتے اپنے سامنے غربا۔ و مساکین میں کھانا تقسیم کرتے۔ اور پھر حجرے میں چلے جاتے۔ اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو جاتے۔ مغرب کی نماز کے بعد پھر باہر تشریف لاتے اور لنگر تقسیم کرتے۔ اِس زمانہ میں آپ نے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا۔ عالم جذب کا شدت سے غلبہ رہتا۔ طبیعتِ مبارکہ میں جلال پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ کے حجرے کے قریب کوئی جا نہیں سکتا تھا۔

کچھ مدت کے بعد آپ کی والدہ ہرات سے تشریف لائیں۔ حضرتِ مخدوم کا حال دیکھا۔ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گئے تھے۔ بھائی سے شکایت کی۔ حضور بابا صاحب نے فرمایا۔ بہن! آپ کو معلوم ہے میں نے صابر کو لنگر کا منتظم بنایا تھا۔ آپ نے پوچھا تو آپ نے کہا۔ مجھ کو لنگر تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نہ کہ اُس میں سے کھانے کا۔ حضور بابا صاحب نے فرمایا۔ میرا علاؤ الدین؛ صابر ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اُس کو کھانے کے لئے پیدا ہی نہیں کیا۔

حضرتِ مخدوم صابر کلیری کی شادی کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ مفتی ولی حسن ٹونکی

لکھتے ہیں۔

"آپ کی والدہ ماجدہ جب ہرات سے تشریف لائیں۔ تو بھائی (حضور بابا صاحب) سے عرض کیا۔ کہ میں اپنے نورِ نظر علاؤ الدین علی احمد کی شادی آپ کی صاحبزادی سے کرنا چاہتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا۔ بہن! صابر شادی کے قابل نہیں۔ وہ ہر وقت حالتِ جذب و جلال میں رہتا ہے۔ بہن نے اس جواب کو سن کر یہ سمجھا۔ کہ میں بیوہ ہوں۔ اور میرا لڑکا یتیم اور مفلس ہے۔ اس لئے بھائی اپنی لڑکی دینے سے انکار کر رہے ہیں۔ بہن نے اس کا اظہار بھائی سے بھی کیا۔ بہن کا یہ طعنہ سُن کر حضرت نے مخدومِ صابر کی شادی صاحبزادی سے کر دی۔

رات کو حجلۂ عروسی میں جب بی بی صاحبہ داخل ہوئیں۔ تو آپ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے۔ اس لئے وہ خاموش بیٹھ گئیں۔ جب فارغ ہوئے تو آپ سے پوچھا۔ تُو کون ہے؟۔ انہوں نے دست بستہ عرض کیا۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔ حضرتِ مخدوم نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ خدا تو فرد ہے، بیوی سے اُسے کیا واسطہ! آپ کا یہ کہنا تھا۔ کہ زمین سے آگ پیدا ہوئی۔ جس نے دلہن کو جلا کر خاکستر بنا دیا۔ آپ کی والدہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکیں اور چند دن تک مرض تپدق میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئیں"

تکمیل سلوک کے بعد حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتِ مخدوم کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرما کر کلیر شریف کی ولایت سونپی اور حضرتِ مخدوم کلیر شریف پہنچ گئے۔ کلیر شریف کے لوگ آپ کے مقام و مرتبہ سے آشنا نہ تھے۔ اور علماء شہر نے بھی آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ کو اور آپ کے متعلقین کو طرح طرح سے ایذائیں دینے لگے۔ آپ نے انتہائی صبر و ضبط سے کام لیا۔ لیکن ان لوگوں کی ایذا رسانی انتہا کو پہنچ گئی۔

ایک جمعہ کو حضرتِ مخدوم نماز سے پہلے ہی جامع مسجد تشریف لے گئے۔ آپ کے

ساتھ آپ کے مرید بھی تھے۔ آپ اور آپ کے ساتھی پہلی صف میں بیٹھ گئے۔ علمار کی جماعت آئی۔ انہوں نے دیکھا کہ پہلی صف پر ہے۔ تو حضرت مخدوم کو کہا کہ یہ جگہ تو تمہارے لائق نہیں ہے۔ تم یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ خادموں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ جب علمار نے اپنے ظرف کے مطابق تنگدلی اور سختی شروع کی۔ تو آپ مراقبہ میں چلے گئے۔ مراقبہ سے سر اٹھایا اور فرمایا۔ "اس علاقہ کا صاحب ولایت آگے بیٹھنے کے لائق ہے"۔ انہوں نے پوچھا۔ تمہاری ولایت کا کیا ثبوت ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ہماری ولایت کی دلیل یہ ہے کہ تم سب ابھی مر جاؤ گے۔ اور یہ شہر بھی تباہ ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ اپنے ساتھیوں سمیت مسجد سے نکل آئے۔ آپ کے مسجد سے نکلتے ہی مسجد گر کر ڈھیر ہو گئی۔ وہ علمار ملبے تلے دب کر مر گئے۔ شہر میں بیماری پھیلی اور اجڑ کر رہ گیا۔

کلیر کی تباہی کے بعد حضرت مخدوم گولر کے درخت کی شاخ پکڑ کر ایک مدت تک کھڑے رہے۔ حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے حال کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کو بھیجا۔ وہ حضرت مخدوم کی خدمت میں آئے۔ اور آپ کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ کر اشعار پڑھنا شروع کئے۔ حضرت نے آنکھیں کھول دیں اور بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ شمس الدین نے عرض کی۔ حضور مجھے خدمت میں رہنے کی سعادت بخشئے۔ آپ نے منظور کر لیا۔ لیکن ہدایت کی کہ کبھی میرے سامنے نہ آنا ہمیشہ پشت کی طرف سے بات کرنا۔ چنانچہ شیخ ترک پانی پتی نے حضرت مخدوم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور سلسلہ صابریہ کے اجرار و توسیع کا ذریعہ بننے کی سعادت اور مراتب بلند حاصل کئے۔

حضرت مخدوم کے حکم سے ۲۴ سال بعد حضرت ترک پانی پتی سلطان علاؤالدین خلجی کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا۔ "ترک! جب تم سے کوئی کرامت ظاہر ہو گی۔ اُسی روز ہمارا یوم وصال ہوگا۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب علاؤ الدین خلجی چتوڑ کے قلعے کا محاصرہ کئے ہوئے تھا حضرت ترک پانی پتی دن کو جنگ میں حصہ لیتے اور رات کو ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اور ساتھ ہی تبلیغ دین و اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام دیتے۔ سلطان کافی عرصہ تک محاصرہ کرنے کے بعد بھی اُسے فتح کرنے میں ناکام رہا۔ آخر وہ فقراء مشائخ کی تلاش میں لگ گیا، کہ اُن کی توجہ خاطر و دعائے دلی سے یہ مہم سر ہو جائے۔ اس جستجو میں تھا کہ کسی بزرگ نے اُسے اشارہ کیا۔ کہ بادشاہ تم جس صاحب نظر کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ وہ تمہارے لشکر میں موجود ہے۔ اس کو پالینے کی راہ یہ ہے۔ کہ آج جب رات کو تیز و تند ہوائیں چلیں گی تو سب خیموں کی روشنیاں گُل ہو جائیں گی۔ لیکن اُس درویش کا چراغ جلتا رہے گا، اس لئے کہ مردانِ درویش کے چراغ بجھا نہیں کرتے۔ ہمیشہ جلا ہی کرتے ہیں اس لئے کہ وہ سوزِ باطنی سے منوّر ہوتے ہیں۔

بقول جگر مراد آبادی: ؎

خود اپنے ہی سوزِ باطنی نکال اک شمع غیر فانی
چراغِ اہلِ حرم تو زاہد جلا کریں گے بجھا کریں گے

بلکہ اُن کا عالم یوں ہوتا ہے:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

سلطان علاؤالدین نے بے چینی سے رات کا انتظار کیا۔ رات کو سخت آندھی چلی۔ لشکریوں کے چراغ گل ہو گئے۔ صرف ایک چراغ حضرت ترک پانی پتی کا جلتا رہا۔ بادشاہ خیمہ میں پہنچا۔ حضرت تلاوتِ قرآن میں مصروف ہیں۔ دست بستہ ہو کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت تلاوت سے فارغ ہوئے۔ بادشاہ پر نظر کی۔ سلطان قدموں میں گر پڑا۔ معذرت کی۔ کہ مجھے علم نہ تھا۔ میں آپ کی قدر و منزلت

نہ کر سکا۔ مجھے معاف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں یہاں سے تین کوس پر جاکر دُعا کروں گا۔ انشاء اللہ قلعہ فتح ہوگا۔ چنانچہ اسی روز قلعہ فتح ہوگیا۔ حضرتِ ترک پانی پتی کو اُپنے مخدوم پیر کی بات یاد آگئی۔ دوڑتے بھاگتے کلیر شریف پہنچے۔ تو حضرتِ مخدوم واصل الی الحق ہوچکے تھے۔ تجہیز و تکفین کا سامان کیا۔ ۱۳ ربیع الاوّل ٦٩٠ ہجری کا سن تھا۔ کلیر شریف ہی میں سپردِ خاک ہوئے۔ مزار شریف مرجع خلائق بنا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خطبۂ افتتاحیہ

الحمد للہ الذی نور قلوب العارفین بنور معرفتہ وفضل احوال المحبین علی العالمین بکمال فضلہ وحکمتہ خالق کائنات لائق صد تعریف ہے جس کے فضل سے صاحب المکارم سلطان الاولیاء قطب العالم وارث الانبیاء شمس العارفین فرید الحق والشرع والدین دالله ان کے تقوے کو ہمیشہ رکھے) کے الفاظ درر بار اس درویش کے کانوں تک پہنچے وہ اس فوائد میں لکھے گئے۔ اس کا نام اسرار الاولیاء رکھا گیا۔

ان مطالب کے جمع کرنے والے درویشوں کے غلام فقراء و مساکین کے خادم بدر اسحاق کو جب قطب العالم کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ تو فرمایا۔ کہ انوار و اسرار الٰہی کے لئے ایک وسیع حوصلے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اُس محبوب کے اسرار انسان کے دل میں قرار گزیں ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ محبوب حقیقی کے اسرار میں ذرہ برابر افشا کرے اور منصور حلاج کی طرح ہو جائے۔ پس عالم انوار سے جو کچھ بھی صاحب راز پہ ظاہر ہو وہ اُس کا انکشاف نہ کرے۔ کیونکہ جو آدمی دنیوی بادشاہوں کے اسرار بھی افشا کرتا ہے پھر لائق اعتماد نہیں رہتا۔

فرمایا۔ اے درویش۔ اسرارِ الٰہیہ میں سے ستر ہزار اسرار ہر روز عالم نورانی سے قلوب اولیاء پہ نازل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دولت ان کے لئے ہے جو اُس کے متلاشی ہیں۔ یہ ابتدائی مقام ہے۔ جس وقت عاشقِ الٰہی پہ یہ انوار و اسرار نزول فرماتے

ہیں۔ اگر اُن میں سے ایک ذرہ بیرونی دنیا میں ظاہر ہو جائے تو سارا جہان اُس ذرہ سے درخشاں و منوّر ہو جائے۔ اس لئے اس راستے میں صدق و خلوص کی متاع لے کر چلنا چاہیئے۔ تاکہ اُس محبوب حقیقی کے جملہ اسرار سے آشنائی میسّر ہو۔ اور اس نعمت کا ایک ذرہ بھی ظاہر نہ ہونے پائے۔ اور اگر ابتدا ہی میں اخفاء کا حوصلہ نہ رکھ سکا تو قابل اعتبار و اعتماد نہ رہے گا۔

ارشاد فرمایا کہ میں نے مشائخ سلف کی کتب میں لکھا دیکھا ہے کہ من اطلعنا علی سر من اسرارنا فاغشی سرنا فقد اھلک نفسہ وھذا اجزاء من یغشی سر الملوک۔ یعنی جب کسی کو اسرار سے اطلاع دی جائے اور وہ اس کو مخفی رکھنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو اور اظہار کر دے تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا اُس کا انجام وہی ہو گا جو اسرار مملکت کے فاش کرنے والے کا ہوتا ہے۔

ان مطالب کے جامع خادم ملک الفقرا والمساکین بدر اسحاق کی گذارش ہے۔ کہ جب وہ حضرت قطب العالم کے شرف پابوسی و بیعت سے مشرف ہوا۔ تو حضرت نے کلاہِ چہار ترکی جو کہ دین و دُنیا کی دولت ہے عطا فرمائی۔ والحمد للہ علی ذالک

پہلی فصل

اسرارِ عشق اولیار

پیر کے دن ۱۸ ماہ شعبان ۶۳۱ ہجری کو جب پابوسی کی دولت سے سعادت مند ہوا۔ تو حضرت شیخ الاسلام نے گفتگو یوں شروع کی کہ

اسرارِ عشق کو ضبط کرنا مشکل ہے

خواجہ منصور رحمتہ اللہ علیہ کی ہمشیرہ محترمہ تھیں۔ اُن کا معمول تھا کہ بغداد کے صحرا میں تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوتیں۔ جب واپسی کا وقت ہوتا تو ایک فرشتے کو حکم ہوتا کہ اسرارِ الٰہی کے مشروب سے ایک پیالہ اُن کی خدمت میں پیش کرے۔ موصوفہ نوش جاں فرماتیں۔ اور اپنے دولت کدہ پر تشریف لے آتیں۔ جب اِس حال سے خواجہ منصور آگاہ ہوئے تو تاک میں بیٹھ گئے۔ جب وہ محترمہ باہر تشریف لائیں اور حسب معمول اپنے مقامِ مقصود کی طرف روانہ ہوئیں خواجہ منصور بھی اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ حتیٰ کہ وُہ اپنے مقام پر پہنچ کر عبادت میں مشغول ہوگئیں رات کے آخری حصّے ذکر وفکر سے فارغ ہوئیں تو فرشتہ حسب دستور آیا۔ اور مشروب کا پیالہ خدمت اقدس میں پیش کیا۔ موصوفہ نے لے لیا۔ اور پینے میں مشغول ہوگئیں۔ ابھی کچھ پیا تھا اور باقی ظرف میں موجود تھا کہ خواجہ منصور روتے ہوئے آئے اور عرض کیا۔ بہن! میرا حصّہ کہاں ہے۔ محترمہ نے پیچھے نظر کی منصور کو دیکھا۔ فرمایا کہ افسوس میرا راز فاش ہوگیا۔ پھر منصور سے کہا کہ پیئے گا؟ تجھے پینے کا حوصلہ نہیں ہے۔ الغرض خواجہ منصور نے وہ مشروب پی لیا۔ جونہی کہ اُس کا ایک گھونٹ منصور کے اندر گیا۔ بے اختیار انا الحق بول اٹھا۔ اُن کی ہمشیرہ رونے لگیں۔ اور فرمایا منصور! تُو بڑا تنگ حوصلہ نکلا اور اپنے آپ کو تُو نے رسوا کر دیا۔ جب خواجہ منصور شہر

میں آئے اور یہی نعرہ لگایا تو انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ خواجہ کی ہمشیرہ اُن کی لاش پر گئیں اور فرمایا۔ اے منصور! میں نے نہیں کہا تھا کہ تم اسرار الٰہیہ کے اس مشروب کو پینے کی صلاحیت نہیں رکھتے تُو نے محبوبِ حقیقی کے اسرار کا انکشاف کیا تو مارا گیا۔ خلقِ خدا نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ منصور جوان مرد تھا کہ محبوب کے راستے میں جان دے دی۔ خواجہ منصور کی بہن نے جب یہ سنا تو مسکراتے ہوئے فرمایا بے خبرو! اگر میرا بھائی منصور مرد ہوتا تو شربتِ محبت کے ایک گھونٹ سے از خود رفتہ نہ ہو جاتا وہ مرد نہ تھا

حضرتِ گنج شکر علیہ الرحمۃ کا ظرف

پھر حضرت شیخ الاسلام نے اپنی حالت بیان فرمائی۔ کہ آج کم و بیش بیس سال ہو رہے ہیں کہ ہر شب اسرار محبوب کا ایک پیالہ پینا مرا معمول ہے۔ اور کبھی از خود رفتہ نہیں ہوا۔ بلکہ ہل من مزید پکار اٹھتا ہوں۔ اس کے بعد اُن کی مبارک آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں فریاد کرنے لگے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو فرمایا اے درویش! راہِ محبوب میں ایسے مرد بھی گزرے ہیں جو لاکھوں دریا اسرار الٰہیہ کے پی گئے اور کوئی نشان ظاہر نہ ہونے دیا —— اے درویش! جو عاشق اپنی محبت میں صادق اور ثابت قدم نہیں ہے۔ قیامت کے دن عشاق کے درمیان شرمسار رہے گا۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حکم ہوگا کہ مجنوں کو پیش کرو۔ جب حاضر ہوگا تو فرمان ہوگا کہ اُن اولیاء کو جو ہماری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مجنوں کے پاس لاؤ۔ جب سب حاضر ہو جائیں گے تو وہ فرمائے گا اگر محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم بھی ایسا ہی کرتے جیسا مجنوں نے کیا۔ جب تک زندہ رہا لیلیٰ کی محبت میں غرق رہا۔ مرا تو اُس کی محبت میں غرق ہوا۔ اور اب جب محشر کے دن اُٹھا ہے تو اُسی کی محبت میں غرق ہے۔ یہ معیارِ محبت اُن لوگوں کے لئے ہے جو دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اپنی محبت میں ثابت قدم رہیں تاکہ محبت

سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہو بلکہ روز بروز زیادتی ہوتی رہے۔

فرمایا۔ اے درویش، نظامی گنجوی صاحب نعمت شخص تھے۔ سلوک میں جو نکات انہوں نے تحریر فرمائے کسی اور نے نہیں کئے۔ ایک دفعہ یہ فقیر درویشوں کی ایک مجلس سماع میں موجود تھا۔ قوالوں کے یہ دو شعر مجھے یاد رہے۔ جتنی دفعہ وہ یہ شعر کہتے رہے مجھ پہ ایسی حالت اور حیرت طاری ہوتی رہی کہ اگر دیگر لوگ ۱۰۰ سال لگے رہیں تو نہ پاسکیں۔ وہ ابیات یہ ہیں:

ابیات: آں عشق کہ بود کم نہ گردد — تا باشد ازاں قدم نگردد
عشقی کہ نہ عشقِ جاودان است — بازیچۂ شہوتِ جوان است

عشق میں کمی واقع نہ ہو۔ جب تک زندہ رہو قدم واپس نہ ہوں۔ وہ عشق جو عشق لازوال نہیں وہ جوان کی ہوسناک خواہش ہی کہا جاسکتا ہے۔

اہلِ عشق واہلِ عقل

اے درویش! فقراء اہلِ عشق ہیں اور علماء اہلِ عقل ہیں اسی لئے اُن میں تضاد ہے۔ اس لئے ایسے گروہ سے وابستگی پیدا کر جس میں عشق و عقل ہر دو موجود ہوں۔ یہ گروہ انبیاء کا ہے۔ راہِ سلوک میں عشق فقراء عقل علماء پر غالب ہے۔ اسی موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ کہ میرے ایک دوست تھے جن کا نام بھیا غریب تھا۔ وہ خدا کے واصلین میں سے تھے۔ عجیب صاحب درد انسان تھے راستہ چلتے تو مستوں کی طرح دکھائی دیتے۔ یہ عارف کبھی ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہوئے۔ معشوق کی دیوار کے نیچے بسیرا تھا۔ وہ معشوق سر کھڑکی سے باہر کرتی اور دونوں محوگفتگو ہو جاتے۔ آغاز شب سے آخر شب تک راز و نیاز کا سلسلہ چلتا رہتا یہاں تک کہ اذانِ صبح ہو جاتی۔ اور وہ خیال کرتے کہ عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ جب اچھی طرح غور کیا تو معلوم ہوا کہ فجر ہو چکی ہے۔

اسی دوران ہاتف غیب نے آواز دی کہ اسے جوان ایک عورت کے عشق میں تو

اوّل شب سے آخر شب تک بیدار رہتا ہے کبھی خداوند جل وعلا کے عشق میں ایک رات بیدار ہو کر نہ دیکھا۔ جب یہ آواز سنی۔ اس سے توبہ کی اور مشغول حق ہو گیا۔ حضرت شیخ الاسلام کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اسرار الٰہیہ میں سے تھا کہ وہ عشق مجاز سے واپس عشق حقیقی میں لوٹ آیا۔ پس جو شخص اس قسم کا ذوق حاصل کرلے پھر وہ غیر سے کیسے محبت اختیار کر سکتا ہے۔

اسی موقع پر حضرت قطب عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے درویش! ایک دفعہ مجنوں نے سنا کہ لیلیٰ خیرات دے رہی ہے۔ فوراً اٹھا۔ لکڑی کا پیالہ ہاتھ میں لیا۔ اور لیلیٰ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ لیلیٰ نے سب کو کچھ نہ کچھ دیا۔ لیکن مجنوں کو کچھ نہ دیا۔ اُٹھی اور اندر چلی گئی۔ مجنوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ لوگ طعنہ دینے لگے کہ یہ کیسا ناچ ہے۔ تجھے کچھ عطا نہیں ہوا بلکہ لیلیٰ نے تو تیری طرف توجہ تک نہیں کی۔ اور تو رقص کر رہا ہے۔ مجنوں نے جواب دیا۔ چلو اُس نے اگر کچھ نہیں دیا اتنا تو کیا دیکھ لیا کہ یہ مجنوں ہے۔ تب حضرت شیخ الاسلام پر رقّت طاری ہوگئی۔ فرمایا کہ اے درویش اس بات کی قدر وہی جانتا ہے۔ جو دریائے محبت میں غرق ہو۔ اور اُس کا رزق عالم غیب سے مقرر ہو۔ فرمایا جو شخص محبت وعشق کا دعویٰ کرتا' اس وقت تک درِ محبوب پر دستک دیتا رہتا ہے جب تک اُس کے بدن میں جان باقی رہتی ہے شائد کبھی کھل جائے۔ اور وہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

یادِ محبوب

اُس وقت فرمایا کہ اے درویش! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا جس نے ستّر سال تک خدا کی عبادت کی آخر کار اُس زمانے کے نبی پر وحی آئی کہ جاؤ فلاں آدمی کو کہہ دو کہ تم فضول اپنے آپ کو تکلیف دے رہے ہو تمہاری عبادت ہمارے دربار میں نامقبول ہے۔ جب پیغمبر وقت نے یہ خبر اُس زاہد کو دی۔ بے اختیار اٹھا اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون سا رقص

کرنے کا مقام ہے۔ جو تو کر رہا ہے تیری اطاعت تو بارگاہ الٰہی میں نامقبول ہے۔ زاہد نے کہا بے شک عبادت تو مقبول نہیں ہے لیکن اس بہلانے شمار میں تو آگیا ہوں۔ محبوب نے مجھے یاد تو کیا ہے۔

فرمایا اے درویش! راہ فقر میں عاشق و صادق وہی ہے کہ عالم اسرار جزا و سزا جو بھی نازل ہو اُس پر صابر و راضی رہے۔ چنانچہ کلام اللہ شریف میں ہے:

ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین

: اے ہمارے رب ہمارے صبر کو بڑھا اور ثابت قدمی عطا فرما اور قوم کافرین پر نصرت عطا فرما۔

اہل سلوک نے اس آیہ مبارکہ کو مصیبت پر صبر کرنے والوں سے منسوب کیا ہے۔ کہ یہ آیۃ مبارکہ ان کی شان میں ہے جو محبوب کی آزمائشوں پر صبر کرتے اور دم نہیں مارتے۔ حضرت شیخ الاسلام نے حالتِ خاص میں یہ شعر ارشاد فرمائے۔

ابیات ۔ سر لیست مرا درمن جان در عشقت ۔ گر سر برود اے دوست نگویم باکس
۔ سر لیست عاشقاں زدر طاقت نہانی ۔ پوشیدہ دار خود را تا آنجا خجل نمانی

ا۔ تیرے عشق میں میری روح کے اندر راز ہے۔ سر بھی چلا جائے تو میں اُسے افشار نہ کروں گا۔

۲۔ ایک خفیہ طاقت سے عاشقوں کے لئے راز ہوتے ہیں۔ اے صاحب اسرار اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ تاکہ حضور یار میں شرمسار نہ رہے۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! صاحب اسرار کے پاس ایک قوت ذاتی ہونی چاہیئے تاکہ جو اسرار حضرت حق سے نازل ہوں اُن کی حفاظت کر سکے۔ خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ اسرار دوست ایک حُسن رکھتے ہیں اور وہ حُسن و جمال ایک غمگین عاشق کے دل میں قرار گیر ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے یحییٰ معاذ رازی

قدس سرہ العزیز سے پوچھا کہ ہم نے آپ کو کبھی ہنستے اور حدیث لعب میں مصروف نہیں دیکھا۔ جواب دیا کہ مجھ پر کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ اسرار و انوار الٰہیہ جلوہ افروز نہ ہو رہے ہوں۔ جس دل میں ہر وقت اسرار دوست سکونت پذیر ہوں اُس کو ہنسنے اور حدیث لعب سے کیا سروکار۔

پس اے درویش: خندہ و حکایت تو اُسی دن ہوگا کہ جب ندا آئے گی اور حکم ہوگا کہ وصل الحبیب الی الحبیب۔ دوست دوست کے پاس جا پہنچا۔

سلوک میں اخفائے حال لازم ہے

اسی مقام پر ارشاد ہوا۔ لوگوں نے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھ کر حضرت حق سے محبت اختیار کی۔ فرمایا ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ آئینہ محبت میرے سامنے کیا گیا۔ جب میں نے نظر کی ایک محبوب صورت کو دیکھا عاشق ہو گیا۔ میں رونے اور استغفار کرنے لگا۔ میں نے توبہ کی اور عرض کیا۔ کہ یہ نعمت مجھے عطا کی جائے۔ حضرتِ حق سے کہا گیا کہ یہ نعمت ہم نے تمہیں عطا کی مگر تمہیں ہمارے راز کسی کے سامنے اظہار کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر ایسا کرے گا تو ہمارے اعتماد کے قابل نہ رہے گا۔ اُس وقت حضرت شیخ الاسلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے یہ رباعی پڑھی جو قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ایک مجلس میں اُن کی زبان مبارک سے سُنی تھی۔

رباعی: عشق تو مرا اسیر و حیران کردہ است   در کوئے خرابات پریشاں کردہ است

با ایں ہم رنج و محنت اے دوست ببیں   اسرار تو در دلم کہ پنہاں کردہ است

تیرے عشق نے مجھے پابند اور حیرت زدہ بنا دیا ہے۔ خرابات کی دنیا میں پریشان کر دیا ہے لیکن اے دوست ان تمام رنج و محنت کے باوجود میں نے تیرے اسرار اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں۔

خواجہ حسن ابوالخیر خاقانی رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے۔ اس حال میں اُن کی مونچھیں بڑھ گئیں ایک حجام ملا۔ خواجہ سے عرض کیا کہ آپ مونچھیں درست کروا لیجئے۔ خواجہ نے فرمایا۔ میرے پاس پیسے نہیں۔ حجام نے عرض کیا کہ پھر کبھی دے دیجئے گا۔ جب اُس مزین نے آپ کے بال درست کئے، آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ سر اوپر اٹھایا اور کہا۔ اے اللہ میں کس سے درخواست کروں۔ جونہی کہ خواجہ نے یہ کہا خداوند تعالیٰ کے حکم سے درخت سے سرخ دینار جھڑنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ زمین اُن سے بھر گئی۔ مزین حیران رہ گیا۔ خواجہ نے مزین کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ جتنا اٹھا سکتا ہے اٹھا لے اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

فرمایا۔ اے درویش! مردانِ خدا نے اِس طرح فیضان پہنچایا ہے۔ جس درماندہ و واماندہ غریب تک پہنچے نعمت سے مالا مال کر گئے۔

محبت غیریت کا پردہ اٹھا دیتی ہے

اے درویش! ایک صاحب حال تھا جو ہر صبح اٹھتا اور روتا کہ محبت دوست سے بہرہ ور ہو اور اپنا کوئی نام و نشاں نہ بتلاتا یہاں تک کہ اُس نے اپنی ہستی آتش عشق میں جلا دی بیگانہ رہا لیکن حقیقت میں وہ یگانہ تھا۔ پس جہاں محبت آجاتی ہے دوئی اُٹھ جاتی ہے۔ وہاں یگانہ ہی بننا پڑتا ہے کہ اُس کے بغیر وصال محبوب کے شرف سے مشرف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مثنوی پڑھی جو انہوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز سے ایک مجلس میں سماعت فرمائی تھی اور اس مثنوی کا ذوق اب تک محسوس فرماتے

مثنوی: تا نفس من از عشق دوست زدم

خاست از ما بسے دوئی جز دوست

جب سے میں عشق دوست کا دم بھر رہا ہوں۔ بہت ساری دوئی سوائے محبوب کے اٹھ گئی ہے۔

پھر غلبہ شوق سے یہ حکایت بیان فرمائی ـــــ جب سیدنا یوسف صلوات اللہ علیہ کی شادی زلیخا سے ہوگئی۔ اور دین یعقوب علیہ السلام میں داخل ہوگئی۔ تو اُس نے ذکر الٰہی میں مشغولیت اختیار کرلی۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام ایک دن اُن کے پیچھے دوڑے اور وہ آگے سے بھاگ گئیں۔ تب سیدنا یوسف نے ان سے پوچھا کہ کہ زلیخا ایک دن تھا جب تُو میرے پیچھے دوڑتی تھی اور میں آگے سے بھاگتا تھا آج مَیں تیرے پیچھے دوڑتا ہوں اور تُو مجھ سے بھاگ رہی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے زلیخا نے کہا۔ اے یوسف! اُس وقت میری خدا تعالیٰ سے آشنائی نہ تھی اُس کی عبادت سے ناواقف تھی۔ تیرے بغیر میرا کوئی اور آشنا نہ تھا تیرے ساتھ میری دلچسپی تھی۔ لیکن جب سے میں نے حق تعالیٰ کی شناخت حاصل کرلی ہے۔ اور اُس کی عبادت میں مشغولیت حاصل کرلی ہے۔ اب مجاہدہ سے مشاہدہ کی منزل مل گئی ہے اور اُس کی دوستی نے میرے دل میں جگہ لے لی ہے۔ اب اے یوسف تُو اور تجھ سے ہزاروں بہتر میری نظر میں نہیں جچتے۔ جب مجھے حق تعالیٰ سے الفت ہوگئی اُس کے بعد غیر سے محبت کروں تو جھوٹی ہوں گی۔ عاشق صادق نہ ہوں گی۔

انا المشتاق الی الحبیب.....

فرمایا۔ اے درویش! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی۔ اور مناجات میں یہ عرض کیا۔ رب ارنی انظر الیک اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تم ہماری بارگاہ میں بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ میں نے محمد پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم سے جو میرے محب ہیں اُن سے اور اُن کی امت سے وعدہ کیا ہے۔ کہ اُن کے سوا میرا دیدار کوئی اور نہ کر سکے گا۔ چونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام محبت و شوق الٰہی سے مالا مال تھے بات پر دھیان نہ دیا اور تقاضا کیا حکم ہوا۔ اے موسیٰ میں تجلی کروں گا لیکن تُو تاب دیدار نہ لا سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا۔ مولا میں برداشت کرلوں گا۔ حکم ہوا موسیٰ! طور پہ آؤ نیازمندانہ طریق سے نماز گذارو۔ اور دوزانو احترام سے بیٹھو۔ تاکہ ہم جلوہ فگن ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان عمل کیا۔ انوار تجلی کا ایک ذرہ اُن پر جلوہ افروز ہوا۔ کوہ طور ریزہ ریزہ ہوگیا۔ موسیٰ گر پڑے اور بے ہوش ہوگئے۔ تین دن رات ایسے پڑے رہے کہ جسم و جان کی ہوش تک نہ رہی۔ خـر موسیٰ صعقا (موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے) اُس وقت ندا آئی۔ اے موسیٰ ہم نہ کہتے تھے کہ تم تاب دیدار نہ لاسکو گے۔ ایک ذرہ تجلی سے بے ہوش ہوگئے۔ اور ہمارے بھید کو آشکار کردیا — آخر زمانے میں امتِ محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام میں میرے ایسے بندے پیدا ہوں گے۔ کہ ہر روز ہزار بار انوار تجلیات اُن پر ضیاء پاش ہوں گے۔ اور وہ ذرہ برابر حدِ تجاوز سے نہ گزریں گے بلکہ فریاد کریں گے انا مشتاق الی الحبیب، ہم تو دوست کے طلبگار ہیں۔

فرمایا۔ اے درویش! عشق کی آگ ایسی ہے۔ جو سوائے درویش کے دل کے اور کہیں قرار گزیں نہیں ہوتی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی صاحب درد غلبۂ شوق سے ایک آواز اپنے سینے سے نکال دے کہ تمام جہان مشرق سے لے کر مغرب تک اور جو کچھ اُس کے اندر ہے سب جل کر خاکستر ہوجائے۔

پھر فرمایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دولت دیدارِ انوار عشق سے مشرف ہوئے تو جو نقاب روئے مبارک پر کرتے نورِ عشق کے سانس سے جل جاتا۔ چنانچہ سونے اور چاندی کے تاروں سے ایک نقاب تیار کرکے پہنا۔ مگر وہ بھی جل کر راکھ ہوگیا۔ حکم ہوا موسیٰ! اگر تم ایسے ہزار نقاب بھی پہنتے رہو تو یہ نہ رہیں گے۔ جاؤ کسی گوڑی پوش فقیر سے سوت کا کپڑا مانگو اُس سے برقعہ بناؤ اور چہرے پر اڑھاؤ کیونکہ یہ برقعہ نہیں جلے گا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور اُس نقاب کا ایک تار تک نہ جلا۔ اس موقعہ پر حضرت قطب العالم پر رقت طاری ہوگئی۔ فرمایا۔ اے درویش! فقیروں کا

وجود اور جو کچھ اُس کے اندر ہے سب کا سب نورِ الٰہی کے تانے بانے سے بُنا گیا ہے. تو وہ کیسے جل سکتا ہے — معلوم ہوا کہ درویشوں کا خمیر خاکِ عشق و انوارِ تجلّی سے اٹھایا گیا۔

فرمایا۔ اے درویش! میں نے زادالمحبین میں لکھا دیکھا ہے. کہ جس دن حق تعالےٰ نے اپنے علم وقدرت سے اہلِ عشق کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔ تو شوق و اشتیاق کی نظر سے اور انوار تجلیات و اسرار عشق کے خیال سے ایک زمین کی خاک پر نگاہ توجہ مبذول فرمائی۔ وہ خاک حرکت میں آکر عالم سکر میں چلی گئی اور بے اختیار پکار اٹھی۔ انا المشتاق فی لقائے رب العالمین (میں رب العالمین کے دیدار کی مشتاق ہوں) پھر اہلِ عشق کو اُس خاک سے پیدا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ فقراء ابتدائے آفرینش سے. بحر محبت و عالم سکر میں غرق ہیں۔

عاشق کے سینہ کی آگ

اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایک واصل الی اللہ تھا۔ ہر روز دعا و مناجات میں کہتا کہ اے اللہ اگر تو مجھے قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں ڈالے گا. تو مجھے تیری عزت وجلال کی قسم آتش عشق کی ایک آہ سینہ میں کھینچکر دوزخ کی ساری آگ کو بھسم کر دوں گا. لوگوں نے پوچھا کہ اے خواجہ آپ کیسی بات کر رہے ہیں. آتشِ دوزخ کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے. فرمایا اس لئے کہ عاشق کی سینہ کی آگ کے سامنے اگر ہزاروں دوزخ کی آگیں روشن کی جائیں اُس کی آہ سینہ سے ساری کی ساری فنا ہو جائیں گی. کیونکہ آتش عشق تمام آتشوں سے بالاتر و روشن تر ہے. سینہ درویش میں اتنی تند و تیز آتش محبت رکھ دی گئی ہے کہ اگر عالم سکر میں ایک شعلہ بھی ظاہر کر دے تو عرش سے تحت الثریٰ تک جلا کر راکھ بنا دے. حضرت شیخ الاسلام کی مبارک آنکھیں پرآب ہو گئیں اور زبان مبارک پر یہ مصرع جاری ہو گیا۔ ؎. در سینۂ عاشقاں ہمہ درد نہند — یہ مصرع پڑھتے اور بے ہوش ہو جاتے

کئی دفعہ بے ہوش ہوئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا۔ نزول رحمت کے تین وقت ہیں

اوّل: سماع کے وقت صاحب حال اصحاب پر نزول رحمت ہوتا ہے۔

دوم: فقرا کے ذکر و تذکرے کا وقت بھی نزول رحمت کا وقت ہے۔

سوم: اہل عشق پر انوار تجلی کے وارد ہونے کے وقت بھی نزول رحمت ہوتا ہے۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی و خواجہ حمید الدین ناگوری رحمہما اللہ تعالیٰ کی مجلس مبارک میں حاضر تھا۔ دونوں بزرگ مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ اور سماع کے اثر سے متاثر ہوکر ایک دن رات عالم وجد میں رہے۔ مگر نماز کے وقت نماز ادا کرتے۔ اس دوران انہوں نے اس فقیر کا ہاتھ پکڑا ہوا میں چلے گئے اور ہوا میں بھی عالم سرمستی میں رہے۔ اور قوال یہ قصیدہ پڑھ رہے تھے

ابیات: من آں نیم کہ از عشق تو پائے پس آرم — اگر بہ تیغ کشندم در تو نگذارم

مپرس از شب ہجراں چگونہ می گزرد — مبادا ہیچکے راتوی است دشوارم

من از جمال تو اے سرو باغ تا دیدم — ہوس نہ شد کہ گہی دل رود بگلزارم

اگر دہندم بفردا بہشت با ہمہ چیز — بجز نخرم من کہ مست دیدارم

میں ایسا عاشق نہیں ہوں۔ کہ تیرے عشق سے گریز پائی اختیار کروں۔ اگر مجھے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کردیں تیرے دروازے کو نہ چھوڑوں گا۔ شب جدائی کا حال نہ پوچھ کہ کیسے گذرتی ہے۔ کسی شخص کو ایسی مشکل سے خدا دوچار نہ کرے۔ اے باغ حسن وجمال کے سروِ خراماں اس نے جب سے تیرے جمال کا دیدار کیا ہے مجھے گلزار میں جانے کی خواہش نہیں ہوئی۔ قیامت کے دن اگر مجھے بہشت اور لوازمات بہشت کی پیشکش کی گئی تو میں اُسے ہرگز نہ لوں گا۔ کیونکہ میں تو آرزومند دیدار ہوں۔

فرمایا۔ ایک دفعہ میں ایک صاحب حال بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ عالم شوق و محبت میں محو تھے۔ دردِ محبت سے اثر پذیر ہوکر سجدہ کرتے پھر کھڑے ہوجاتے

اور یہ شعر زبان مبارک پر آتے :

بیت : جاں دہم از برائے جاناں من گر بود صد ہزار جاں در تن

اگر میری ہزار جانیں بھی ہوں تو میں محبوب کےلئے قربان کردوں گا۔

یہ فقیر گنتا رہا، کم وبیش ایک ہزار بار نہایت تضرع سے یہی کہتے رہے اور سر سجدے میں رکھ کر بے ہوش ہوگئے۔ جب یہ مضامین عالیہ حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمالئے اٹھے اور تیزی سے اندر تشریف لے گئے۔ اور یہ دعا گوئے مخلوق (مولانا بدر اسحاق) واپس آگیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

دوسری فصل

ذکرِ متعبدان و درویشانِ صاحب حال

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی خدمت اقدس میں دولتِ پابوسی سے مشرف ہوا۔ حاکم اجودھن کمال الدین اور چند بزرگ جو کعبۃ اللہ شریف سے تشریف لائے تھے، موجود تھے۔

متعبد و درویش کی تعریف

زبان مبارک سے ارشاد ہوا۔ متعبد اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جن کا ظاہر وباطن صدق وخلوص سے آراستہ ہو۔ اور ریاکاری کا شائبہ تک موجود نہ ہو۔ فریب، دھوکا، حسد وغیرہ اُن کے دل میں نہ ہو۔ جو اطاعت بھی کریں خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے کریں۔ مخلوق خدا میں نمائش ونمود کے لئے نہ ہو۔ کیونکہ ایسے عبادت گذار جن کا ظاہر تو اطاعتِ حق سے آراستہ ہو اور باطن خراب ہو۔ تو اُس کی تمام اطاعت لپیٹ کر اُس کے منہ پر ماردی جائے گی

یعنی مسترد کردی جائے گی۔ بلکہ راہِ سلوک میں تو اُس کے ایمان کے خلل کا بھی اندیشہ ہے نعوذ باللہ منہا۔ بعض متعبد اس قسم کے ہوتے ہیں کہ نمودِ عوام کے لئے اُن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے لیکن باطن اُن کے ظاہر سے موافق نہیں ہوتا۔

متعبّد کی اقسام

اے درویش! متعبد چار قسم کے ہوتے ہیں:

اوّل: وہ عبادت گذار جن کا ظاہر اطاعت الٰہی سے آراستہ ہوتا ہے۔ لیکن باطن خراب ہوتا ہے۔

دوم: وہ گروہ جن کا ظاہر خراب ہوتا اور باطن آباد۔

سوم: وہ لوگ جن کا ظاہر و باطن خراب ہو۔

چہارم: وہ حضرات جن کا ظاہر و باطن یادِ الٰہی سے آباد ہو۔

چنانکہ می نمائی ہستی؟

حضرت شیخ الاسلام نے تمثیل کے طور پر ارشاد فرمایا۔ وہ گروہ جن کا ظاہر تو آراستہ ہوتا ہے لیکن باطن خراب حال وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ظاہری طور پر ریا و نمائش کے لئے تو بہت عبادت و اطاعت کرتے ہیں تاکہ لوگ اُن کی تکریم کریں لیکن اُن کے دل دُنیاداری میں مشغول ہوتے ہیں —— بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا جس نے پانچ سو سال خداوند تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ جب یہ زاہد انتقال کر گیا۔ لوگوں نے خواب میں دیکھا ایک آتشیں طوق اُس کے گلے میں ہے۔ اور اُس کے پاؤں کو بھی آگ میں تختہ بند کیا ہوا ہے۔ آگ نے اُسے چار طرف سے گھیرے میں لیا ہوا ہے اور وہ جل رہا ہے۔ فرشتوں نے آگ کے گرز ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں۔ جب مارتے ہیں تو وہ لوٹ پوٹ ہو کر فریاد کرتا ہے۔ میری توبہ۔ اُس سے پوچھا کہ تُو تو بڑا زاہد و عابد تھا اور اتنے سال خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا۔ اب عذابِ الٰہی میں گرفتار کیوں ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ مسلمانو! یہ زہد و اطاعت جو تم مجھ میں دیکھتے تھے سب نمود و ریا تھا۔ مخلوق

کو دکھانے کے لئے زہد تھا۔ میرا باطن تو دُنیا میں مشغول رہا۔ پس وہ ریاکاری کی عبادتیں میرے منہ پر ماردی گئیں اور حکم ہُوا کہ اسے سخت عذاب دو یہ شخص عذاب کے قابل ہے۔

تو چہ دانی؛ کہ دریں گرد سوارے باشد

یشیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔ اے درویش! دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جن کی ظاہری حالت خراب لیکن اُن کا باطن منوّر و مزین ہوتا ہے۔ عرف عام میں یہ لوگ اہل جنوُں کہلاتے ہیں۔ بظاہر بے سروسامان ہوتے ہیں لیکن باطن میں مشغول و مصروف بہ حق رہتے ہیں۔ حضرت حق میں اس طرح مستغرق ہوتے ہیں کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔ اُن کا ظاہر دانستہ طور پر خستہ حال ہوتا ہے۔

ایک دفعہ اہل جنوں میں سے ایک صاحب مجھے ملے۔ وہ درویش ساٹھ سال سے عالم جذب میں تھے۔ حضرت حق و عجائب قدرتِ حق میں اتنے مشغول و منہمک تھے کہ انہیں مخلوق کی خبر نہ تھی۔ ایک رات مجھے تنہائی میں اُن کے پاس جانے کا شرف حاصل ہوُا۔ تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔ اُن کی پیشانی سے نور کی ایسی شعاعیں نکل رہی تھیں جن کی روشنی عرش سے حجاب عظمت تک پہنچ رہی تھی۔ میں قریب تر ہوُا کہ اُس نعمتِ عظمیٰ سے کچھ حاصل کرسکوں۔ جب میرے قدموں کی آواز سنی پیچھے مڑکر دیکھا۔ فرمایا۔ اے درویش! چونکہ توُ نے میرا راز دیکھ لیا۔ جو کچھ تو نے دیکھا اس کا ذکر کسی سے ہرگز نہ کہنا۔ یہ کہا اور سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ اور کہا۔ الٰہی جب توُ نے میرا اور اپنا راز ظاہر کردیا ہے۔ اَب میرا یہاں رہنا دشوار ہے۔ ابھی یہی کہا تھا کہ جاں بحق ہوگئے۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! وہ تیسرا گروہ جن کا ظاہر و باطن خراب ہے۔ وہ اطاعت و عبادت کے بارے میں بالکل بے خبر ہیں۔

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں ہیں

چوتھا گروہ ان حضرات کا ہے کہ جن کا ظاہر و باطن نور عرفان و اطاعت حق سے منوّر و مزیّن ہے۔ یہی لوگ درویش و مشائخ ہوتے ہیں۔ ان کے دل اطاعتِ حق و نور معرفت ازلی سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ ان کی اطاعت میں اگر ریاکاری کا شائبہ تک ظاہر ہو جائے تو اپنے آپ کو اتنے سخت مجاہدہ میں ڈالتے ہیں کہ وہ دُور ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ جب حال و وجد کی کیفیت میں ہوتے ہیں تو اگر لاکھوں تلواریں اُن کے سروں پر ماری جائیں اور اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو انہیں پتہ تک نہ چلے گا۔

ایک دفعہ ایک شخص ایک درویش کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آداب بجالایا اور عرض کی کہ حضرت! جب آپ پر محبّت حق میں خاص وقت و حال طاری ہو تو اس غلام کو بھی یاد فرمائیں۔ درویش مسکرائے اور کہا۔ اے عزیز! اُس حال و وقت پہ افسوس ہے کہ جب میں محبّت الٰہی میں مشغول ہوں اور تیری یاد آئے اور میں مشغولیت خدا سے تیری طرف دھیان دوں۔ اور حضرت حق سے باز رہوں۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ

الخ کا مفہوم

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھا۔

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا۔ اے درویش کلام اللہ شریف میں آتا ہے۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ یعنی انسان دنیا میں جو بھی اچھائی اور بُرائی کرے گا قیامت کے دِن اُس کے اعضا گواہی دیں گے۔ وہ درویش جنھوں نے اس زندگی ہی میں اُپنے آپ کو مردہ بنا لیا ہے اور ہر شے سے اپنے آپ کو روک لیا ہے۔ کوتاہ دست بن گئے ہیں کہ ناقابلِ گرفت کو پکڑ نہ سکیں۔ گونگے بن گئے الخ کہ ناقابل گویائی کو کہہ نہ

سکیں۔ اور لنگڑے ہو گئے ہیں کہ جہاں جانا ممنوع ہے وہاں جانہ سکیں۔ پس اے درویش! جو سالک ان صفات کا حامل بن جائے مقام قرب میں داخل ہو جاتا ہے۔ قیامت کے عذاب سے نجات پا جاتا ہے۔

پھر بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میں بغداد میں ایک درویش کے پاس تھا۔ وہ درویش یادِ خدا میں از حد مشغول تھے اور صاحبِ نعمت تھے۔ ایک دفعہ نماز جمعہ کے لئے باہر تشریف لائے۔ اُن کی نظر ایک عورت پر پڑ گئی فوراً دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔ اور کہا "یا غفور، یا غفور"۔ جب نماز جمعہ سے واپس گھر آئے تو دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور کہا: میرے اللہ! جن آنکھوں نے تیرے دیدار کا شرف حاصل کیا ہے مولا۔ انہیں غیر کے دیکھنے کی توفیق نہ دے۔ ابھی یہ نہیں فرمایا تھا کہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہو گئے۔ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور بیٹھ گئے۔ اُس وقت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی مبارک آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ اور فرمایا۔ وہ انسان کتنا کوتاہ نظر ہوتا ہے۔ جو محبوب کے علاوہ کسی اور کو دیکھتا ہے۔ پھر یہ بیت زبان مبارک پر جاری ہوا۔

بیت: چشمے کہ در رخ تو بیند روا مدار
جز در جمال تو کہ دگر سو نظر کند

وہ آنکھ جس نے تیرے رُخِ انور کا دیدار کیا ہے پھر اُسے دوسری طرف نظر کرنے کی توفیق نہ دے۔

اُس کے بعد چند دن نہ گزرے تھے کہ اچانک کوئی ایسی بات اُن کے کانوں میں آئی جو سننے کے لائق نہ تھی۔ کانوں میں انگلیاں کر لیں اور عرض کی۔ میرے اللہ! تیرے نام کے سوا کچھ اور سننے والے کان بہرے ہو جائیں۔ فوراً قوتِ سماعت جاتی رہی۔ اٹھے وضو کیا۔ دوگانہ پڑھا اور فرمایا۔ اب میں اس دُنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ جا سکوں گا۔ جبکہ ان دونوں چیزوں سے محروم ہو گیا ہوں —— حضرت کی زبان مبارک

پر یہ بیت جاری ہوا۔

بیت : گوشے کہ جز بنام تو اے دوست بشنود

کرباد چوں بہر سخنے گوش بر کند

یہ کان اگر تیرے نام کے سوا کسی اور بات کو سننے کے لئے کھڑے ہوں تو بہرے ہو جائیں۔

جب حضرت اقدس نے یہ حکایت پوری کی تو رو پڑے اور فرمایا

ے چہ نیکو بود وقت مردن اگر سلامت برم رخت ایماں بگور

کتنا اچھا ہو اگر موت کے وقت میں متاعِ ایمان قبر تک سلامتی کے ساتھ لے جاؤں۔

یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہتے اے اللہ! اس فقیر کی آرزو یہی ہے کہ اس دنیا سے سلامتی ایمان کے ساتھ جانا ہو۔

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اگر انسان ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دُنیا سے رخصت ہو جائے تو حقیقت میں یہ بہت بڑا کام ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ ارشاد فرمایا۔ کہ زندگی میں حضرتِ موصوف کو کبھی ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا۔ مگر عالم نزع میں مسکرا رہے تھے۔ اس طرح سے کہ ابلیس لعین اُن کے سامنے تھا۔ اور کف افسوس مل رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ اے امام احمد رضی اللہ عنہ تو نے بڑی اچھی طرح اپنا ایمان میری دستبرد سے بچا لیا۔ اور سلامتی ایمان کے ساتھ رخصت ہو رہا ہے۔ اس بات پر امام احمد نے تبسم فرمایا اور کہا۔ الحمد للہ۔ کہ میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ جا رہا ہوں۔

بعد ازاں حضرتِ شیخ نے فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ اور تصوف کی باتیں ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر گذری کہ بھائی بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اچانک اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگ گئے۔

اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس فقیر نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ فرمایا۔ اٹھیے اور دیکھیے۔ جب میں اٹھا تو دیکھا کہ بغداد کے دروازے سے حضرت شیخ سعدالدین کا جنازہ روتے ہوئے لایا جا رہا ہے۔ اور جامع مسجد بغداد کے سامنے نماز جنازہ ادا کی۔

یہ وہ فقیر ہیں جو شہریار ہوتے ہیں

فرمایا۔ ایک دفعہ میں لاہور کے حدود میں سفر کر رہا تھا۔ ایک گاؤں میں ایک صاحب اسرار درویش رہتے تھے۔ جن کا گذارہ کاشتکاری پر تھا۔ عمالِ حکومت اُن سے کچھ مطالبہ نہ کرتے تھے۔ آخر اُس گاؤں میں ایک بے مروت کوتوال کا تقرر ہو گیا۔ اُس نے بزرگ موصوف سے لگان وغیرہ کا حصہ مانگنا شروع کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اتنے سال تُو نے کھیتی باڑی کی ہے اور لگان ادا نہ کیا۔ یا تو اتنے سال کا بقایا ادا کرو وگرنہ کوئی کرامت دکھاؤ۔ بزرگ نے فرمایا میں تو ایک مسکین آدمی ہوں۔ کرامت کیا ہوتی ہے۔ کوتوال نے سختی شروع کر دی۔ اور کہا کہ میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یا تو اتنے سال کا لگان دو یا کرامت دکھاؤ۔ درویش مجبور ہو گئے۔ تھوڑی سی فکر کی۔ پھر اُس کی طرف روئے سخن کیا اور کہا کون سی کرامت چاہتا ہے۔ مانگ۔ کوتوال نے کہا کہ گاؤں کے قریب دریا بہہ رہا ہے۔ تم اُس کے اُوپر سے گذر جاؤ۔ درویش نے آبِ رواں پہ مبارک قدم رکھے اور اس طرح دریا پر سے گزر گئے جیسے عام آدمی خشکی پر چلتا ہے۔ جب دریا عبور ہو گیا اور واپسی کا ارادہ کیا تو کشتی طلب کی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جیسے آپ تشریف لائے تھے۔ ویسے ہی واپس ہو جائیں۔ بزرگ نے جواب دیا کہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں میرا نفس متکبر نہ ہو جائے۔ اور کہیں یہ نہ سمجھنے لگ جائے کہ میں بھی کچھ بن گیا ہوں۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! جب ابن ملجم بدبخت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ، کو شہید کرنے کے ارادے سے آیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے اور ابن ملجم

پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ چنانچہ ایک گاؤں میں پہنچ گئے جو دریا کے کنارے آباد تھا۔ نزدیک ہی قبرستان تھا۔ امیر المومنین نے فلان بن فلان نام لے کر ایک کو آواز دی۔ قبر سے آواز آئی لبیک یا علی۔ فرمایا۔ دریا کی گزرگاہ کس طرف ہے۔ عرض کیا کہ جہاں آپ کھڑے ہیں وہی گزرگاہ ہے۔ امیر المومنین پانی پر قدم رکھ کر گزر گئے۔ ابن ملجم سامنے آیا اور پوچھا اے علی! آپ مُردہ اور اُس کے باپ کے نام سے تو باخبر ہو گئے لیکن یہ پتہ نہ چلا کہ گزرگاہ کہاں ہے؟۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اے ابن ملجم! میں جانتا تھا لیکن اس لئے مردہ سے پوچھا کہ میرا نفس خیرہ نہ ہو جائے اور یہ نہ خیال کرے کہ میں بھی کچھ بن گیا ہوں۔

انوار کی ریزش ہو اسرار کی بارش ہو

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا۔ جس وقت درویش اسرار محبت سے مالا مال ہو جائے اگر کچھ زبان سے ظاہر فرمائے تو کوئی عیب نہیں کیونکہ جب ظرف میں جگہ ہی نہ رہے تو پھر اُسے کہاں رکھے۔ اور یہ حال کامل لوگوں کا ہے۔ مگر وہ شخص جو آغازِ کار ہی میں اپنے اسرار غلبہ شوق سے ظاہر کرنے لگ جائے تو یہ اُس کی خامکاری کی دلیل ہے۔ کیونکہ جہاں تک ہو سکے ان انوار و اسرار کو اخفاء میں رکھے مگر جب کثرتِ اسرار ہو جائے اور اُس میں سے افشاء کر دے تو بعض اہل سلوک نے معاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے۔

فرمایا۔ مومنوں کے دل پاکیزہ زمین کی مانند ہیں۔ اگر اس میں محبت کا بیج بو دیا جائے۔ تو اس بیج سے ہر قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس نعمتِ الٰہیہ سے درویش ہر کسی کو بہرہ ور کر سکتا ہے اور خود بھی حظ وافر لے سکتا ہے۔

فرمایا۔ اے درویش! اپنے وجود سے ہرگز باہر نہ آنا۔ کیونکہ ہمیں خالی دعویٰ محبت حق درست نہیں معلوم ہوتا۔ کامل حال درویش وہی ہیں کہ جو دوسروں کے

احتیاج سے بے نیاز ہوں۔ بلکہ اُس نعمت عظمیٰ سے، جو انوار اسرار سے ان کے اپنے وجود کے اندر موجود ہے ہر آنے جانے والے کو عطا فرمائیں۔ اور لوگوں کی غرض پوری کریں۔

جب کوئی انسان فقیری کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور امراء وملوک کے پاس طلب زر کے لئے جاتا ہے۔ اور کچھ مانگتا ہے۔ تاکہ اُس کی روزی چلے۔ حقیقت میں وہ فقیر صاحب نعمت نہیں ہوتا۔ اگر وہ صاحب نعمت ہوتا تو مخلوق کے دروازے پر ہرگز نہ جاتا۔ اور کسی سے توقع نہ رکھتا۔ جہاں درویش کا مقام ہے وہاں تو کسی اور کا گزر ممکن نہیں۔ کیونکہ قدرت نے درویش پر اپنی نعمت کے دروازے کھولے ہوئے ہیں۔ اور اپنی مملکت کے خزانے اُس کو عطا کر دیتے ہیں تاکہ جس کو چاہیں وظیفہ برائے گذر اوقات تقسیم فرمائیں۔ اُن کو تو کسی کی محتاجی نہیں ہوتی بشرطیکہ درویش ہو۔

اے درویش! جب فقیر پر عالم حال و وجد آتا ہے عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک کوئی چیز ان پر مخفی نہیں رہتی۔ حضرت حق کے نازل کردہ انوار اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اولیاء اللہ کے احوال ہیں ویسے ہی انبیاء کرام بھی احوال رکھتے ہیں۔ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ درویش کے حالات محبت حق کے غلبہ سے عالم "شوق" میں قرار گیر ہوتے ہیں۔ جب فقیروں پر محبت حق غلبہ کرتی ہے۔ محبوب کے نور تجلی کا نزول اُن کے قلوب اطہر پر اتنا ہوتا ہے کہ وہ لوگ دُنیا ومافیہا کو بھول جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ حضرت اقدس پر عالم بے خودی طاری ہو گیا۔

بیت؛ ہر لحظہ کہ در شوق جمال تو شوم غرق
جز روئے تو در پیش نظر جلوہ گرے نیست

ترجمہ؛ جس وقت تیرے شوق جمال میں غرق ہوتا ہوں۔ میرے سامنے تیرے روئے اقدس کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا۔

ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا۔ اسے درویش! خواجہ محمد طاہر غزالی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیفیت "احوال" طاری ہوئی۔ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور مدینہ پاک سے باہر ایک باغ میں کنواں تھا۔ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم آپنے دونوں پاؤں مبارک کنوئیں میں لٹکا کر عالم حیرت میں بیٹھ گئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اُن کو حکم فرمایا۔ اگر صحابہ میں سے کوئی آئے تو مجھے خبر کئے بغیر ادھر نہ آنے دینا۔ حضرت صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے آنے کی خبر کی۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت فرمادی۔ دونوں اندر تشریف لے جاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سیدھے بیٹھ گئے۔ اسی طرح امیر المؤمنین عثمان اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اُن کے آنے کی خبر کی۔ حضور نے اندر آنے کا حکم فرمایا۔ دونوں حضرات اندر تشریف لائے اور حضور کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ دیر تک یہ بزرگ بیٹھے رہے اور حضور اُسی عالم "احوال" میں مصروف رہے۔ پھر حضور نے خطاب فرمایا۔ اے یاراں! جیسا ہم زندگی میں اکٹھے رہے۔ وصال کے بعد بھی یکجا رہیں گے۔ وصال کے بعد جیسے یکجا رہیں گے قیامت کے دن بھی یکجا ہی ہوں گے اور بہشت میں بھی اکٹھے جائیں گے۔ صحابہ کرام قدموں پر گر پڑے اور بیک زبان الحمد للہ پڑھا۔ بعد ازاں حضرت رسالت مآب نے فرمایا۔ اس وقت بہشت کو میرے سامنے لایا گیا۔ میں اُس کی سیر میں مصروف تھا۔ میں نے دیکھا کہ دانۂ یاقوت سے ایک محل خداوند سبحانہٗ و تعالیٰ نے تعمیر فرمایا ہے۔ اور چار محلات اُس کے ساتھ منسلک کر دے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ محلات کس کے ہیں۔

جواب ملا۔ یہ تیرے اور تیرے چار یاروں کے ہیں۔ میں خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ اس وقت آپ کو بتلایا کہ ہم یکجا رہیں گے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔ اے درویش! "احوال" یہی ہیں۔ جب صاحب اسرار کے لئے کسی چیز کا راز معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تو اُسی کے حال میں ڈوب جاتے ہیں۔ اسی طرح جب یہ فقیر "احوال" میں مستغرق ہوتا محبوب کے اسرار سے کوئی بات منکشف کر دیتا۔ چنانچہ یہ بات برادرم حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے سنی۔ فوراً مجھے خط لکھا۔ کہ اے درویش! تم یہ کیا نادانی کی بات کرتے ہو۔ اسرار حق ظاہر کر رہے ہو۔ اور یہ اہل اسرار کے ہاں درست نہیں۔ فقیر نے جواب میں لکھا۔ کہ بھائی! کام قیل و قال سے گزر چکا ہے۔ اسرار دوست کا ایک دریا میرے سینہ میں موجزن ہے۔ اور کوئی جگہ خالی نہیں رہی۔ کہ جہاں سما سکے۔ پس اس وقت اس کثرت سے اسرار دوست عالم انوار سے تجلی فرماتے ہیں کہ جگہ کی کمی کے سبب باہر آجاتے ہیں اے بھائی! جتنا میں کوشش کرتا ہوں کہ اِن اسرار کی نگہداشت کروں اور کوئی راز باہر نہ جانے دوں۔ میری کوشش ناکام رہتی ہے۔ جب اس فقیر کا یہ جواب اُن کی خدمت میں پہنچا۔ سوچنے لگے اور کہا۔ کہ ہمارے دوست نے اپنا کام پُورا کر لیا اور مقام بلند پہ پہنچ گئے۔ جونہی حضرت شیخ الاسلام نے اس حکایت کو پورا کیا نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ دو دن رات مصلی مبارک پر اسی کیفیت میں رہے۔ تیسرے دن ہوش میں آئے۔ کھڑے ہوئے اور منہ آسمان کی طرف کر کے یہ شعر پڑھے۔

آنانکہ در ہوائے تو شیدا نشستہ اند — از جملہ کس بریدہ و تنہا نشستہ اند
خود را فدائے نام تو اے دوست کردہ اند — آں عاشقاں کہ بہر تو شیدا نشستہ اند
در عالم تفکر بر دل نہادہ اند — گاہے فتادہ گاہ بسر پا نشستہ اند

اس موقع پر حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ایک دفعہ ملتان سے آنے والے ایک شخص نے بتایا۔ کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا پر کیفیتِ خاص (حال) طاری ہوئی۔ اپنی خانقاہ سے باہر تشریف لائے۔ سوار ہوئے اور فرمایا۔ منادی کرادو۔ کہ جو شخص آج بہاؤ الدین زکریا کے چہرہ انور کو دیکھ لے گا۔ قیامت کے دن میں اُس کی نجات کا ذمہ دار ہوں گا۔ تمام مسلمان آئے اور حضرت کے روئے انور کی زیارت کی۔ حضرت موصوف قسم اٹھا رہے تھے۔ کہ تم قیامت کو دوزخ میں ہرگز نہ جاؤ گے کہ مجھے القا کیا گیا ہے۔ کہ اے بہاؤ الدین! جس نے آج دنیا میں تجھے دیکھ لیا قیامت کے دن آتش دوزخ میں نے اُس پر حرام کردی۔ جو نہی اُس آدمی نے یہ حکایت ختم کی مجھ پر کیفیت خاص (حال) طاری ہو گئی۔ اور یہ حکایت بیان کی۔ اے درویش! اگر میرے بھائی بہاؤ الدین نے یہ بات فرمائی کہ جو کوئی آج مجھے دیکھ لے گا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ جو کوئی مسلمانوں میں سے زندگی میں مجھ سے بیعت ہو گا یا میرے ساتھ مصافحہ کرے گا۔ میرے بیٹوں، مریدوں یا میرے خاندان میں سے کسی کا بیعت ہو گا دوزخ کی آگ اُس پر حرام ہے۔ اُسے دوزخ میں نہیں لے جائیں گے۔ کیونکہ میرے پیر حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ العزیز نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ اے فرید! حق تعالیٰ نے تجھے وہ مقام عطا فرمایا ہے۔ کہ جو شخص تیرا یا تیرے مریدوں یا بیٹوں کا ہاتھ پکڑے گا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اُس کا مقام بہشت میں ہو گا۔ کیونکہ ہر روز ہزار بار مجھے القاء اور آواز آتی ہے کہ فرید! جو دھنی بڑا خوش بخت انسان ہے، جب حضرت نے یہ حکایت ختم کی تو عالمِ حیرت میں کھڑے ہو گئے کم و بیش سات روز اسی عالم میں رہے۔ کھانے پینے کی ضرورت نہ رہی۔ جب عالمِ صحو میں آئے تو عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

تیسری فصل

ذکر رزق

ماآبروئے فقر و قناعت نمی بریم ۔ باپادشاہ بگو کہ روزی مقدر است

شرف پابوسی حاصل ہوا۔ حضرت رزق کے بارے میں ارشاد فرمارہے تھے۔ کہ اے درویش! شریعت و طریقت میں مرد صادق وہ ہے کہ روزی کے بارے میں دلگیر نہ ہو۔ اور فراغِ خاطر سے اطاعت خدا میں مشغول رہے۔ اس بات کو حق جانے کہ جو ازل سے اُس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے اُسے ضرور مل کر رہے گا۔ ذرہ برابر اُس میں کمی واقع نہ ہوگی۔ سالہا سال اگر کوئی تگ و دو کرتا رہے اُسے وہی کچھ ملے گا جو ازل میں اس کے نام مقدر کر دیا گیا ہے۔ اور مقدر روزی بن مانگے ہی مل جائے گی۔ فقر کے راستے میں ثابت قدم وہی انسان ہے۔ کہ روزی کے بارے میں پریشان نہ ہو کہ آج مل گیا ہے کل کیا کھاؤں گا۔ ایسے لوگ اصحابِ طریقت کے نزدیک بددین و بددیانت کہلاتے ہیں۔ جس طرح موت انسان کی تلاش میں ہے اور اُس کے کندھوں پر بیٹھی ہے اسی طرح رزق کی بھی مثال ہے جہاں کہیں انسان جاتا ہے۔ رزق اُس کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ کہیں بیٹھ جاتا ہے تو رزق اُس کے پاس ہی ہوتا ہے۔

فرمایا۔ اے درویش! بے غم ہو جا کہ تیرا رزق تیرے کندھوں پر سوار ہے۔ تو خدا کے کام میں فارغ دلی سے لگ جا۔ کہ جو تیرا حصہ ہے بسر و چشم تیرے حضور حاضر ہو جائے گا۔ تو طالبِ مولا بن جا۔ تاکہ جو کچھ خدا کی بادشاہی میں ہے سب تیرا ہو جائے۔ کیونکہ میں نے اولیاء کے تذکرے میں دیکھا ہے۔ کہ جب مسلمان طلب دنیا میں لگ

جلتے ہیں۔ دُنیا ہرگز اُن کے پاس نہیں آتی۔ اور اُن سے یوں بھاگتی ہے جیسے مسلمان مردار سے بھاگتا ہے اور جو انسان طلب مولیٰ میں لگ جاتا ہے۔ اور دُنیا کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ دُنیا پوری خواہش کے ساتھ اُس کے ساتھ آرائش و نمائش چاہتی ہے۔ لیکن اُسے چاہیئے کہ گوشۂ چشم سے بھی دُنیا کی طرف نظر نہ کرے۔ اور دُنیا سے اس طرح بھاگے جیسے مسلمان مردار سے بھاگتا ہے۔ اے درویش! جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُنیا کو آخرت کی کھیتی فرمایا ہے تو اِس کا مطلب کیا ہے یعنی دُنیا میں زراعت سخاوت کی کرے۔ صدقہ دیں۔ اور اُس کا حاصل آگے بھیجیں۔ دانۂ سخاوت بھیجیں گے تو قیامت کو نعمت کی فصل اٹھائیں گے۔ دُنیا میں کوئی چیز صدقہ اور سخاوت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جس نے مرتبہ پایا سخاوت سے پایا۔

فرمایا۔ اس راہِ سلوک کے متوکلین ہرگز غمِ رزق میں گرفتار نہیں ہوتے۔ کیونکہ روزِ ازل جو مقسوم ہو چکا ہے بہرحال ملے گا۔ درویش کو شغل خدا میں مشغول رہنا چاہیئے اور اطمینان قلب کے ساتھ اطاعت خدا کرنی چاہیئے۔ پھر دیکھئے کہ کتنی نعمتیں عطا کی جاتی ہیں اہل سلوک جس کو فکر روزی میں پریشان وحیران دیکھتے ہیں حکم دیتے ہیں کہ اس کو گردن سے پکڑ کر خانقاہ سے باہر کر دیں۔ کہ یہ بد اعتقاد انسان یقین کی دولت سے محروم ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ روزی کے لئے غمگین ہونا گناہ کبیرہ ہے۔

غمِ روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔ اے درویش! سو سال تک اگر تم رزق کی خاطر دوڑ دھوپ اور ساری دُنیا میں تگ و دو کرو ایک ذرّہ کے قریب تمہارے مقدر میں اضافہ نہ ہوگا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے فراخیِ رزق کے لئے سفر شروع کیا۔ شہر بہ شہر پھرا۔ لیکن اپنی مقرر روزی سے ذرّہ برابر زیادہ حاصل نہ کر سکا۔ چنانچہ اپنے شہر میں پرانی

بلکہ اُس سے بھی بدتر حالت میں واپس آگیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ سناؤ میاں کیا حال ہے۔ جواب دیا اے مسلمانو! میرے مقسوم رزق سے زیادہ مجھے ہرگز نصیب نہ ہوسکا۔ اس لئے جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آگیا ہوں۔۔ حضرت نے رقت کے عالم میں کہا

بیت: گر کشی صد ہزار بادے چست
نخوری بیش ازانکہ روزیِ تست

ترجمہ: اگر لاکھوں تیز ہواؤں کے جھونکے بھی کھائے۔ تجھے وہی کچھ ملے گا جو تیرا مقسوم ہے۔
جب یہ شعر حضرت شیخ قدس سرہ کی زبان مبارک پر تھا تو اہل صفہ میں سے ایک درویش حاضر تھا۔ آداب بجالایا۔ اور عرض کی۔ حضور! اگر حکم ہو تو مطابقِ حال دو شعر ہوگئے ہیں عرض کروں۔ حکم ہوا۔ کہو۔ اُس عزیز نے کہا ؎

بہ شغلِ جہاں رنج بردن چہ سود — کہ روزی بکوشش نباید فزود
بدنبال روزی چہ باید دوید — تو بنشیں کہ روزی خود آید پدید

دُنیا کے کاروبار میں دکھ اٹھانے کا کیا فائدہ ہے۔ کیونکہ روزی کوشش سے تو بڑھتی نہیں۔ روزی کے پیچھے کیوں دوڑیں۔ بیٹھے رہو کہ روزی خود ہی تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔

فرمایا۔ ہزار سال بھی اگر روزی کے پیچھے مارے مارے پھرو۔ ہرگز زیادہ نہیں ہوگی۔ پس لوگوں کو چاہیئے کہ ہر حال میں صادق الیقین رہیں۔

بعض نادان لوگ یہ کہتے ہیں کہ اِس شہر سے چلے جاؤ تمہاری روزی میں اضافہ ہو جائے گا یا قسمت اچھی ہو جائے گی یہ گناہ کبیرہ ہے اور اُس شخص کی بے یقینی پر دلالت کرتا ہے کہ جو اس بارے میں اندیشہ کرتا ہے۔ اور یہ بُرا اندیشہ اُسے پریشان رکھتا ہے اے درویش! تم کہیں چلے جاؤ تمہارا پروردگار تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو مقدر ہے تمہیں ضرور ملے گا۔ ایک دفعہ ایک شخص تنگ دستی سے عاجز آکر اپنے شہر سے دوسرے

شہر میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ شائد دوسرے شہر میں فراخ دستی میسر آجائے۔ اس گاؤں میں ایک بزرگ تھا جو اُس کو وداع کہنے کے لئے آیا۔ پوچھا کیوں جا رہے ہو؟ کہا کہ بدنصیبی کی وجہ سے۔ اُس بزرگ نے کہا کہ بھائی جب اُس شہر میں پہنچے تو میرا سلام وہاں کے خدا کو کہنا۔ اُس آدمی کو حیرانی ہوئی۔ پوچھا۔ اے خواجہ کیا وہاں کا خدا کوئی اور ہے۔ تو اُس نے کہا۔ نادان! جب تو یہ جانتا ہے کہ اُس شہر اور اس شہر میں خدا ایک ہی ہے۔ یہاں اور وہاں جو کچھ تیرے مقدر میں ہے ضرور دے گا اور ذرّہ برابر اُس میں کم و بیش نہ کرے گا تو پھر کس لئے روزی کے بارے میں رنج اٹھاتا ہے۔ اطمینان قلب سے خدا کی یاد میں لگ جا پھر دیکھ کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔

صبر اگرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

حضرت شیخ قدس سرہ نے پھر ارشاد فرمایا۔ ایک دفعہ ایک عارف باللہ کو بارہ دن گذر گئے اور روزی کا سامان پیدا نہ ہوا۔ موصوف کے بچوں کی برداشت حد سے گذر گئی۔ خواجہ کے دامن گیر ہو گئے کہ حضرت یا تو ہمارے لئے روزی کا سامان کیجئے وگرنہ اپنے ہاتھ سے ہلاک کر دیجئے۔ کہ ہم بھوک کے عذاب سے عاجز و بے چین ہو گئے ہیں۔ خواجہ نے نرمی سے بچوں کو کہا۔ بیٹا۔ آج صبر کرو۔ کل میں مزدوری کے لئے جاؤں گا اور تمہارے لئے سامان زیست لے آؤں گا۔ آخر دوسرے دن خواجہ نے وضو فرمایا اور ویران علاقے میں چلے گئے۔ نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ عصر کی نماز تک وہاں رہے اور پھر واپس آ گئے۔ بچے اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے اور کھانے کا تقاضا کرنے لگے۔ خواجہ نے انہیں تسلی دینے کے لئے کہہ دیا۔ کہ جس آدمی کے گھر میں مزدوری کے لئے گیا تھا اُس نے کہا کہ کل آنا دو دن کی اکٹھی مزدوری تمہیں دے دوں گا۔ جب اس طرح دو دن گذر گئے۔ بچے بھوک سے بلبلا اٹھے اور کہنے لگے۔ اے ظالم باپ! ہم بھوک سے

جاں بلب ہیں اور تمہیں ہماری روزی کی فکر نہیں۔ وہ بزرگ پھر وعدہ کرکے گئے اور ویرانہ میں جاکر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب نمازِ عصر کا وقت آیا۔ فرشتوں کو حکم ہوا۔ دس من آٹا، شہد کا مٹکا اور دس ہزار دینار سرخ بہشت سے لے جاؤ اور اُس صابر بزرگ کے گھر دے آؤ۔ اور اس کے بچوں سے کہنا۔ تمہارا باپ جس کے گھر میں دو روز سے کام کرتا رہا ہے اُس نے مزدوری بھیجی ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر تم ہمارے کام میں کوتاہی نہیں کرو گے ہم بھی تمہیں مزدوری دینے میں کمی نہیں کریں گے۔ جب وہ بزرگ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ باورچی خانے سے دھواں نکل رہا ہے۔ اور عجیب رونق اور شادی کا سماں ہے۔ بچے خوش خوش بھاگتے ہوئے آگے آ گئے اور سارا قصہ بیان کر دیا۔ خواجہ نے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا کہ اگر ہم راسخ العقیدہ ہو جائیں تو خدا سوگنا زیادہ عطا فرماتا ہے۔

آدمی کے ریشے ریشے میں سماجاتا ہے عشق

حضرت نے فرمایا۔ جو انسان فراغت دل کے ساتھ یادِ خدا میں مشغول رہتا ہے۔ اور اندیشۂ رزق ہرگز نہیں کرتا مولا تعالیٰ اُسے ایسے ہی رزق عطا فرماتا ہے جیسے اُس درویش کو عطا فرمایا۔ دراصل حق جل شانہٗ کا عشق وہ جوہرِ گراں بہا ہے جس کی قیمت کوئی جوہری بھی لگانے سے قاصر ہے۔ یہ وہ نعمت بے بہا کہ جو کسی مقرب فرشتے کو بھی عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ انسان کو دی گئی جس کے سر پر وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (ہم نے بنی آدم کو کرامت دی) کا تاج رکھ دیا۔ جب عشق کی تخلیق کی گئی تو خلاقِ عالم نے فرمایا۔ اے عشق! تمہارا مسکن و جائے قرار دردمند انسانوں کے دلوں میں بنا دیا ہے۔ جاؤ اور وہاں رہو۔ پھر حضرت اقدس نے وفورِ شوق میں یہ رباعی ارشاد فرمائی؛

رباعی: گفتم صنما مگر تو جانانِ منی — اکنوں کہ نگہ ہمی کنم جانِ منی
مرتد گردم اگر زمن برگذری — اے جانِ جہان تو کفر و ایمانِ منی

ترجمہ: میں نے عرض کیا محبوب شاید تو میرا معشوق ہی ہے۔ اب جب دیکھتا ہوں تو تُو ہی میری جان نظر آتا ہے۔ اگر تو مجھ سے چلا جائے تو مرتد ہو جاؤں گا گویا اے جانِ جہان تُو میرا کفر و ایمان ہے۔

فرمایا۔ اے درویش! جس دن حق تعالیٰ نے عشق پیدا فرمایا۔ لاکھوں اس سے ریشے محبت کے تخلیق کئے۔ پھر آواز دی سب مومنوں کی ارواح جمع ہو جائیں۔ فرشتوں کو حکم دیا کہ عشق مجسم صورت میں بصد کرشمہ و ناز ان کے سامنے لایا جائے۔ وہ روحیں جو عشق و محبتِ حق کے قابل تر تھیں اور سلسلہ عشق و ریشہ محبت کو مضبوطی سے پکڑنے کی صلاحیت رکھتی تھیں وہ پہلی دفعہ ہی دریائے عشق میں غرق ہو گئیں۔ اور ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ یہ روحیں انبیاء و اولیاء عشاق کی تھیں۔ بعض دیگر ارواح کو جو صرف دیدار میں مستغرق رہیں وہ اہلِ مجاز کی روحیں تھیں۔ لیکن جو اہلِ مجاز دولتِ حقیقت سے سرفراز ہوتے ہیں تو انہیں اپنی قدر کا شعور ہو جاتا ہے۔ اُس وقت حضرت اقدس کی مبارک آنکھیں نمناک ہو گئیں اور یہ رباعی ارشاد فرمائی:

رباعی: چنداں نازاست زعشقِ تو بر سرِ من — یا در غلطم کہ عاشقی تو بر من
یا در سرِ ایں غلط شود ایں سرِ من — یا خیمہ زند وصلِ تو اندر برِ من

تیرے عشق سے میرے دل میں اتنا ناز پیدا ہو گیا۔ یا میں غلطی میں ہوں کہ تو مجھ پر عاشق ہو گیا ہے۔ یا تو یہ خیال میرے دماغ سے نکل جائے۔ یا میرے پہلو میں تیرا وصل خیمہ زن ہو جائے۔

اُس وقت اہلِ صفہ میں سے ایک عزیز حاضر تھا۔ آداب بجالایا۔ اور عرض کی حضور! تواریخ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شعر یاد آگیا ہے۔ اگر فرمانِ عالی ہو تو عرض

کروں۔ حضرت نے فرمایا کہو۔ اُس نے کہا:

ے اے دوست ترا بخویشتن دوست نام از رشک تو با دیدۂ خود دوست نام

اے دوست میں خود بخود تیرا دوست نہیں بنا۔ تیرے رشک سے میں اپنی نظروں میں بھی دوست نہیں ہوں۔

پھر حضرت اقدس نے فرمایا: اے درویش! عاشقوں کے دل میں جو ولولہ و زمزمۂ عشق موجود ہے۔ اُسی دن سے ہے۔ جب یہ اس کے والہ و شیفتہ ہو گئے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اتنی خوبصورت نعمتیں تمہارے دل میں سکونت پذیر ہو گئیں ہیں۔ روح جو جملہ اعضائے انسانی کی بادشاہ ہے۔ تخلیق کے وقت ہی دل دے چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں عشق ہے وہاں دل ہے۔ ان باتوں کی قدر وہی جانتا ہے جس کے دل میں اسرار و انوارِ دوست مسکن پذیر اور عشق کے ڈیرے ہوں۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔ مشائخ نے رزق کے چار درجے کئے ہیں اوّل: رزق مقسوم، دوم: رزقِ مذموم، سوم: رزق مملوک، چہارم: رزق موعود۔ پھر تشریح فرمائی۔ رزق مقسوم وہ رزق ہوتا ہے کہ روزِ ازل تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔ جو کچھ اُس شخص کی قسمت میں کر دیا گیا ہے۔ لازماً اُس کو ملیگا۔ رزقِ مذموم وہ رزق ہے۔ کہ جو کسی انسان کو ملے اور وہ اُس کے لئے کافی ہو لیکن وہ اُس پر صبر نہ کرے۔ جب کہ خداوند کریم اُس کے رزق کی ضمانت قرآنِ حکیم میں دے رہا ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا۔ رزق مملوک وہ رزق ہے۔ کہ انسان روپے، کپڑے اور سامان ذخیرہ کرے کہ اُس کی تجارت کرے گا شائد خدا کے فضل سے اُس میں برکت پیدا ہو اور بڑھتا رہے۔ لیکن اہل سلوک اِس

بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ تجارت تو وہ کریں جنہیں خداوند کریم کے فضل پر تکیہ نہ ہو۔ درویشوں کو روپیہ پیسہ اور سامان واسباب کو ذخیرہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ انہیں سب کچھ راہِ خدا میں صرف کر دینا چاہیئے۔ اور ایک قطرہ تک باقی نہ رکھنا چاہیئے۔ اور رزق موعود وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کا وعدہ صالحین وعابدین سے فرمایا ہے۔ اور کلام اللہ شریف میں جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ یعنی صالحین کو اندیشۂ معاش سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ اُن سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بن مانگے ان کو ملے گا۔ اور جتنا ضرورت ہوگا دے گا۔

کارساز ما بفکر کار ما

حضرت اقدس نے بیان فرمایا اے درویش! ایک دفعہ یہ فقیر اور چند آدمی اور سیوستان کے ملک میں سفر کر رہے تھے، شہر کے باہر ایک غار تھی۔ اور اس غار میں ایک درویش سکونت گزیں تھے۔ مشغول الی اللہ اس حد تک کہ میں نے اُن جیسا کوئی سالک نہ دیکھا۔ اُس کے پاس پہنچے تھوڑی دیر تلاوت میں مصروف رہے اُس کے بعد بات شروع کی اور حکایت بیان کی۔ کہ اے عزیزو! میں بیس سال تک سیاحی کرتا رہا۔ ایک دفعہ میں ایک بزرگ کے پاس پہنچا۔ جو ایک پہاڑ میں رہتا تھا جو ایک صحرا کے درمیان تھا۔ جہاں کوئی پرندہ تک نظر نہ آتا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ درویش یہاں رہتا ہے۔ یہاں صحرا میں روزی کہاں میسر ہے۔ جونہی میرے دل میں یہ بات آئی روئے سخن میری طرف فرما کر کہا۔ کہ اے درویش! روزی کے بارے میں کیوں حیران ہوتا ہے۔ کیا خدائے کریم کو رازق نہیں جانتا۔ کیونکہ کلام پاک میں لکھا ہے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اے میرے بندو! خواہ تم آبادی میں رہو یا ویرانے میں جو تمہارا نصیب ہے تمہیں ضرور ملے گا ــــ اور کہا بیٹھو۔ ابھی قدرتِ خداوندی کا مشاہدہ کرواتا ہوں۔ جب اُس بزرگ نے یہ بات

کی میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ مجھے فرمایا آگے آ۔ اور اس پتھر کو جو میرے سامنے ہے اٹھا اور توڑ۔ میں نے فرمان کے مطابق پتھر اٹھایا۔ اور توڑ دیا۔ اس پتھر کے اندر ایک کیڑا تھا۔ مجھے فرمایا کہ اسے دیکھ۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے منہ میں گھاس کا تنکا تھا اور وہ کھا رہا تھا۔ اُس وقت بزرگ نے فرمایا اے درویش! وہ ذات جو کیڑے کو پتھر کے اندر روزی پہنچا کر زندہ رکھ رہی ہے۔ میرے رزق کا انتظام صحرا میں نہیں کر سکتی۔ پھر وہ رات میں اُس درویش کے پاس رہا۔ جب افطار کا وقت آیا۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا۔ دو روٹیاں اور اُن پر کچھ حلوا رکھے حاضر ہوا۔ آداب بجالایا۔ کھانا پیش کیا اور واپس چلا گیا۔ جب وہ درویش تلاوت سے فارغ ہوئے۔ مجھے بلایا اور فرمایا آؤ افطار کرو۔ تم تو کہتے تھے کہ کھانا کہاں سے کھاتے ہو۔ جب دن ہوا میں اُس بزرگ کی خدمت میں آداب بجالایا اور واپس ہوا پس اے درویش! میں نے اُس پیر کی بات دل میں رکھ لی اس مقام پر آگیا اور سکونت اختیار کر لی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ آج کم و بیش تیس سال ہونے کو آئے ہیں۔ کہ رزق عالم غیب سے پہنچایا جاتا ہے۔ اور آنے والے مسافروں کو بھی اس ویرانے میں اُن کا نصیب ملتا ہے۔ شیخ الاسلام نے بیان کیا۔ کہ جب شام کا وقت ہوا۔ میں نے اور مسافر نے اُن کے ساتھ نماز مغرب ادا کی۔ تھوڑی دیر گزری کہ ایک آدمی کھانے کا خوان سر پر رکھے ظاہر ہوا۔ اُس درویش کے سامنے رکھا۔ ہم نے اُس بزرگ کے ساتھ کھانا کھایا۔ ہم نے اُس خوان سے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن وہ کم نہ ہوا۔ پھر اُس بزرگ نے زمین پر پاؤں مارا پانی کا چشمہ نکل آیا۔ ہم نے جی بھر کر پانی پیا۔ اُس کے بعد وہ خوان طعام غائب ہوگیا۔ جب دن چڑھا۔ میں نے رخصت ہوتے ہوئے اُن سے مصافحہ کرنا چاہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اِس میں کیا حکمت ہے۔ جونہی کہ میرے دل میں بات آئی۔ انہوں نے فرمایا۔ اے عزیز! میں ایک دن غار سے باہر تجدید وضو کے لئے گیا۔ غار کے سامنے ایک دینار پڑا ہوا تھا۔ میرے نفس نے

چاہا کہ اسے اٹھالوں کہ یہ بھی رزق ہی ہے۔ جو عالم غیب سے آیا ہے۔ میں نے اٹھانے کا ارادہ کیا کہ ہاتف نے آواز دی اے جھوٹے دعویدار تو نے ہم سے توکل کا یہی عہد کیا تھا پیسے کو دیکھ کر ہاتھ بڑھا دیا کہ اسے حاصل کرلے۔ اور رزق سمجھ لے۔ تُو نے ہمیں نہ دیکھا۔ جب یہ آواز آئی میں نے چھری اٹھائی۔ اور اس ہاتھ کو کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ اے عزیز! جو ہاتھ خدا کی رضا کے بغیر اٹھے اُسے کاٹنا ہی بہتر ہے۔

بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔ اے درویش! جو خدائے کریم کے راستے سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے وہ لوگ روزی کی خاطر فکر مند اور پریشان کیسے ہو سکتے ہیں۔

توکل کا مقام

حضرت نے اس موقع پر ارشاد فرمایا۔ ایک دفعہ اہل سلوک میں سے چند حضرات خانہ کعبہ شریف کے لئے توکل علی اللہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور یہ عہد کیا کہ اپنی ضرورت کے بارے میں کسی سے ہرگز اظہار نہ کریں گے اور کچھ نہ مانگیں گے۔ آخر ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ جہاں کسی اور انسان کا گزر بالکل نہ تھا۔ اُس جنگل میں ایک چشمہ تھا۔ چشمے پر ٹھہر گئے۔ وضو کیا۔ اور حسب معمول نماز دوگانہ ادا کی۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ سیدنا خضر علیہ السلام چند جو کی روٹیاں لئے ہوئے تشریف لائے۔ وہ سب اُن کی طرف لپکے۔ اور بڑی خوشی کا اظہار کیا اور کہا۔ اللہ کریم کا شکر ہے کہ سیدنا خضر علیہ السلام کی زیارت بھی نصیب ہوگئی۔ اور ہم بھوکے تھے ہمیں کھانا بھی مل گیا۔ جب یہ بات اُنکے دل میں آئی تو آواز آئی۔ اے بد عہد دعویدارو! کیا تم نے ہم سے یہی عہد کیا تھا۔ اور یہی بات طے کر کے گھر سے نکلے تھے۔ ہوا میں ایک تلوار نمودار ہوئی اور تمام کے سر جسم سے جدا کر کے پھینکتی گئی۔ فرمایا اے درویش! جو عہد شکنی کرتا ہے۔ اور توکل بر خدا میں ثابت قدم نہیں رہتا۔ اُن کی سزا یہی ہے جو انہیں مل گئی۔

اس پر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا۔ یہ دو مصرعے میں نے حوضِ شمسی پر حضرت

قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سنے۔ بے مثال شعر ہے:

بیت: ہر کہ با دوست عہد کرد و شکست عاقبت کشتہ شد چو بد عہدان

(جس نے اپنے محبوب سے عہد کیا اور توڑ دیا آخر کار بد عہدوں کی طرح مارا گیا۔

ابتدائے عشق

فرمایا۔ اے درویش! عشق کا آغاز بھی آدم صفی اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلام سے ہوا۔ جب اُن کو اس دُنیا میں پیدا کیا گیا۔ جمال عشق اُن کی نظروں کے سامنے لایا گیا۔ جونہی کہ آدم صفی اللہ علیہ السلام نے جمال عشق کو ملاحظہ فرمایا۔ سو جان سے فریفتہ ہو گئے۔ دیوانوں کی مانند پھرنے لگے۔ پھر فرشتوں سے خطاب ہوا۔ کہ اے فرشتو! میں آدم کے لئے مونس پیدا فرمانا چاہتا ہوں۔ تاکہ اُس کی دلداری کرے۔ ورنہ آدم برداشت نہ کر سکے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ فرشتے سر بسجدہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے باری تعالیٰ جو کچھ تو جانتا ہے ہم نہیں جانتے تو عالم ہے۔ جو چاہے حکم فرمائے۔ فرمان ہوا۔ اے فرشتو! دیکھو اور غور سے دیکھو کہ میں اُس کا مونس کس طرح کا پیدا کرتا ہوں۔ حضرت آدم صفی اللہ تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اُن کے بائیں پہلو سے حضرت حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں اور حضرت آدم کو سلام کہا۔ اور اُن کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ حضرت آدم نے جب اُن کو دیکھا۔ پوچھا۔ اے صورت زیبا تو کون ہے۔ عرض کیا۔ میں آپ کی زوجہ ہوں تاکہ میری ہم نشینی میں آپ کو قرار نصیب ہو۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! عاشق حقیقی کی فریاد و زاری اُسی وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ وہ منزل مقصود تک نہ پہنچا ہو۔ جب عاشق وصال محبوب حاصل کر لیتا ہے۔ اُس کا سارا شور و فغاں ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ شیخ بہاؤ الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ (جو کہ واصلان حق میں سے تھے) کا ایک قطعہ مجھے یاد ہے۔ جو بڑے جذبہ شوق و محبت کے عالم میں کہا گیا ہے

من اول روز چوں در تو بدیدم شیفتہ گشتم ندانستم تو بودی یا کہ بود است اینکہ من دیدم

چناں در روئے آں جاناں شدم من شیفتہ والہ کہ من از خود شدم بیروں ترا در جان و تن دیدم

میں نے پہلے روز جب تجھے دیکھا تو تیرا عاشق زار بن گیا پھر مجھے نہیں معلوم کہ تو تھا یا کوئی اور جسے میں نے دیکھا۔ اُس محبوب کے رخِ انور پر اس طرح عاشق ہو گیا ہوں، کہ میں اپنے آپ میں نہ رہا اور محبوب کو جسم و جان میں جاری و ساری دیکھا۔

اس موقع پر غلبہ شوق سے شیخ فریدالدین مسعود رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نکلا، کہ ایک دفعہ مَیں نے قاضی حمید الدین ناگوری سے سُنا:

بلاست عشق منم کز بلا بپرہیزم — چو عشق خفتہ بود شور من برانگیزم
اگرچہ عشق خوش و وفا آمد خوش — مرا خوش است بہر دو بہم برآمیزم
مرا رفیقاں گویند کز بلا بپرہیز — بلا دل است من از دل چگونہ پرہیزم

میرے لئے عشق ایک بلا ہے اور میں بلاؤں سے پرہیز ہی کرتا ہوں۔ جب عشق سو جاتا ہے تو میری شوریدگی اُسے بیدار کر دیتی ہے۔ اگرچہ عشق خوش آئند ہے اور وفا خوش آئند تر۔ میرے لئے یہی اچھا ہے کہ عشق و وفا ہر دو کو ملالوں۔ مجھے ساتھی کہتے ہیں کہ بلا سے پرہیز کر۔ بلا تو دل ہے۔ میں دل سے کیسے پرہیز کر سکتا ہوں۔

توکّل کا مفہوم

فرمایا۔ توکل رزقِ مضمون میں ہی آتا ہے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ جو آپ کا مقدر ہے۔ ضرور ملے گا۔ رزق مملوک میں توکل نہیں ہے اور رزق موعود میں بھی توکل نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو وعدہ ہے ضرور ملے گا۔ لیکن رزق مضمون میں جو توکل ہے۔ اُس کا مطلب ہے کہ جو آپ کے مقدر میں ہے اور آپ کا وظیفہ ہے آپ جان لیں کہ قطعی طور پر آپ ضرور حاصل کریں گے۔ اس میں توکل جائز ہے۔ اے درویش! رزق میں توکل بہت سارے عظیم سالکانِ راہ کو بھی اس وقت تک میسّر نہ ہوا۔ جب تک انہوں نے دس بیس سال توکل کے ساتھ زندگی بسر نہ کی۔ اور تمام دُنیا سے اُپنے آپ کو پاک و صاف نہ رکھا۔

خواجہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ پچاس سال متوکل رہے اور خلقِ خدا سے علیحدہ زندگی

بسر کی۔ ان پچاس سالوں میں کسی شخص سے انہوں نے توقع نہیں رکھی۔ اور نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیا۔ اور اگر کوئی شخص کوئی چیز لاتا تو آپ واپس کر دیتے۔ فرماتے ہیں خدا کا بندہ ہوں جو میرا رزق ہے مجھے مل جائے گا۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ بیس سال حضرت خواجہ معین الدین کی خدمت اقدس میں رہے فرماتے تھے کہ میں نے کسی شخص کو حضور اعلیٰ کی خدمت میں کچھ لاتے نہ دیکھا۔ جس وقت لنگر میں سامان ختم ہو جاتا۔ خادم حاضر ہوتا اور خدمت اقدس میں خاموش کھڑا ہو جاتا۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ مصلیٰ اٹھاتے اور فرماتے آج کے لئے جتنا درکار ہے اٹھالو۔ خادم اٹھا لیتا۔ سارا سال یہی معمول ہوتا۔ اگر کوئی مسافر و غریب حضور اقدس میں حاضر ہوتا۔ تو وقت روانگی اُسی طرح مصلیٰ کے نیچے ہاتھ ڈالتے جو نکلتا اُسے عطا فرما دیتے۔

اے درویش! جو شخص اللہ کریم کی محبت اور دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اور درویش کہلاتا ہے۔ متوکل ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر اپنے جیسے انسان سے کسی چیز کی توقع بھی رکھتا ہے۔ وہ دعویٰ تو ایسا کرتا ہے اور توقع مخلوق سے رکھتا ہے۔ حقیقت میں ایسے شخص کو درویش نہ سمجھنا چاہیئے۔ حضرت نے یہ دو شعر فرمائے۔

هر کہ دعوے کند بدرویشی خط بیزارے از جہان ندہد
بالحقیقت بداں کہ مرتدہست رفت بدنام کس نشان ندہد

جو آدمی درویشی کا دعوے کرتا ہے۔ اور ترک دُنیا کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ حقیقت میں وہ مرتد ہے۔ دُنیا سے ایسے جائے گا۔ کہ نشان تک اُس کا باقی نہ رہے گا۔

جب شیخ الاسلام نے یہ حکایت ختم کی۔ اٹھے اور اندر تشریف لے گئے۔ لوگ اور فقیر واپس آ گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

چوتھی فصل

ذکر توبہ

حضرت اقدس جماعت خانہ میں تشریف فرماتے۔ پابوسی کی دولت بے پایاں نصیب ہوئی۔ توبہ کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔

توبہ کی اقسام

کہ حضرت شیخ بدرالدین غزنوی و شیخ جمال الدین ہانسوی حاضر ہوئے۔ اُن سے مصافحہ فرمایا اور بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا۔ اے درویش! توبہ چھ قسم کی ہے۔ اوّل: قلب و زبان کی توبہ۔ دوم: نظر کی توبہ۔ سوم: کان کی توبہ۔ چہارم: ہاتھ کی توبہ۔ پنجم: پاؤں کی توبہ۔ ششم: نفس کی توبہ۔ پھر ایک ایک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

اے درویش! سب سے پہلے دل سے توبہ کی تصدیق کرنی چاہیئے۔ اور زبان سے جب تک اس کا اقرار نہ کیا جائے توبہ درست نہ ہوگی۔ کیونکہ جب تک دل کو دُنیا کی محبت کھانے پینے کی اشیاء، دھوکا، فریب، حسد، بے حیائی، ریاکاری، لہو و لعب سے پاک نہ کرے۔ اور صدقِ دل سے ان معاملات سے تائب نہ ہو۔ اُس کی توبہ نہ ہوگی۔ چنانچہ کوئی شخص گناہ کا ارتکاب بھی کر رہا ہو۔ اور توبہ بھی کرے تو یہ توبہ نہیں ہے۔ ہوائے نفس کی وجہ سے گناہ بھی کر رہا ہے اور توبہ کا زبانی اظہار بھی کر رہا ہے تو یہ کیسی توبہ ہے جب تک کہ دل کا گرد و غبار باہر نہ لائے اور تمام اعمالِ قبیحہ کو جن کا ذکر اُوپر ہوا دِل سے دُور نہ کرے توبہ درست نہ ہوگی۔ کیونکہ کلام الٰہی میں فرمان ہوتا ہے۔ یا ایھا الذین آمنو توبو الی اللہ توبۃ النصوحا۔ اے توبہ قلوبا اے توبہ لسانی۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ نصوح سے رجوع کرو۔ اس توبہ نصوح سے مراد توبۂ دل ہی ہے۔ جب آپ دل کو

ان تمام دنیوی برائیوں سے پاک کرلیں۔ تو پھر صحیح توبہ ہوگی۔ اور آپ متقی کے برابر ہوجائیں گے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ یعنی جب انسان اس طرح توبہ کرے کہ تمام گناہوں سے پاک ہوجائے۔ اس صورت میں تائب و متقی برابر ہوں گے۔ پھر فرمایا۔ اے درویش! توبہ دل کی ہے۔ اگر ہزار بار زبان سے توبہ کرے اور دل تصدیق نہ کرے۔ ہرگز درست نہ ہوگی۔ چنانچہ اقرارِ زبان و تصدیقِ دل کا یہی مفہوم ہے۔ بعض توبہ کرنے والے زبان سے تو اظہار کرتے ہیں لیکن دل اُن کی تصدیق نہیں کرتا۔ یا جب بیماری میں گرفتار ہوتے ہیں۔ صبح شام شور مچاتے ہیں اور توبہ توبہ کرتے ہیں لیکن جب اُس مرض سے صحت حاصل ہوتی ہے پھر بے خبری و بے خودی کی دنیا میں کھوجاتے ہیں۔ کہ توبہ انہیں یاد تک نہیں رہتی۔ حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ زبان مبارک سے یہ رباعی نکلی۔

بر دل اثر گناہ برلب توبہ در صحت خوش دلی و در تپ توبہ
ہر روز شکستن است و ہر شب توبہ زیں توبہ نادرست یارب توبہ

دل میں گناہ کا اثر ہے اور زبان توبہ کررہی ہے۔ صحت میں خوش دلی ہو رہی ہے اور بخار میں توبہ کررہے ہیں۔ آئے دن توبہ توڑنا اور رات کو توبہ کرلینا۔ یا اللہ۔ اِس غلط توبہ سے میں توبہ کرتا ہوں۔

موت سے پہلے توبہ کرلو

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے حکایت بیان فرمائی۔ لوگوں نے خواجہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کا سبب کیا ہے۔ فرمایا۔ میں ایک دن شراب خانے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ندائے غیب آئی۔ اے بشر! موت کے آنے سے پہلے توبہ کرلو۔ جب میں نے وہ ندا سنی تائب ہو گیا۔ خدا کی نافرمانیوں سے باز آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مقام عطا فرمایا۔

قلب کی تین اقسام ہیں

فرمایا۔ اے درویش! جب انسان اپنے قلوبِ ثلثہ کو دُنیا کی برائیوں سے پاک کرلیتا ہے۔ اور اس ۔

طرح تائب ہو جاتا ہے کہ اُس کے دل کی خوشبوئیں مخلوق کے دماغ تک پہنچتی ہیں۔ حقیقتاً اُس کی توبہ توبۂ نصوح ہوتی ہے۔ چنانچہ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے قلوب ثلٰثہ کی یہ تفصیل پیش فرمائی ہے:

کما قال علی کرم اللہ وجہہٗ القلوب ثلٰثہ قلب سلیم وقلب منیب و قلب شہید ۔ اما قلب السلیم فھو الذی لیس فیہ سواء معرفت اللہ تعالٰی۔ واما قلب المنیب فھو الذی تاب من کل شیئٍ الی اللہ تعالٰی ۔ واما قلب الشہید فھو الذی شاھد اللہ فی کل شیئٍ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔ دِل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ قلب سلیم۔ قلب منیب۔ قلب شہید۔ قلب سلیم وہ قلب ہے جس میں معرفت الٰہی کے سوائے کچھ نہیں ہوتا۔ قلب منیب وہ قلب ہے جو ہر شے سے منہ موڑ کر اللہ تعالٰی کی طرف یکسو ہو جاتا ہے۔ اور قلب شہید وہ قلب ہے جو ہر شے میں مشاہدۂ حق کرتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔ جب کسی شخص کے دل میں مذکورہ تین صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور قرار پکڑ لیتی ہیں تو وہ سلیم۔ منیب۔ شہید بن جاتا ہے۔ اس کی توبہ توبہ نصوح ہو جاتی ہے۔ اور اگر ابھی تک دنیا اور اُس کی خواہشات ہی میں ملوث ہے تو وہ دلِ مردہ ہے۔ اگر ان عیوب کے زنگ دُھل گئے ہیں۔ تو ازل سے ابد تک زندہ جاوید بن جائے گا۔ بندہ و مولیٰ کے درمیان حجاب آلائش دل ہی کا ہے۔ جب یہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور بندہ توبہ کرنے سے اپنے آپ کو پاک و صاف کر لیتا ہے تو بندہ و مولا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہتا۔ پس اے درویش! آلائش دل ہی کی خرابی ہے۔ اپنے دل کو تمام خواہشات و مرغوبات سے پاک کر لے تاکہ درمیان کا پردہ نہ رہے لذات و خواہشاتِ نفسانی کی جگہ مشاہدہ و مکاشفہ کے مقامات میسر آ جائیں۔ اِنشاء اللہ تعالٰی۔

زبان کی توبہ

اے درویش! آپ نے دِل کی توبہ کا حال سنا۔ اب زبان کی توبہ کا حال سنیئے۔ زبان کی توبہ یہ ہے کہ ہر ناشائستہ بات سے زبان احتراز کرے۔ بیہودہ اور ناگفتنی باتوں سے توبہ کرے۔ دوسری شرط یہ ہے۔ کہ تجدید وضو کے بعد نماز دوگانہ ادا کرے۔ قبلہ رو بیٹھ کر کہے۔ اے اللہ! مجھے اس زبان کی بدگوئی پر معاف فرمادے اور سوائے اپنے ذکر کے اس زبان سے کوئی اور بات نہ ہونے دے۔ اور اپنی رضا کے بغیر کوئی ناگفتنی اس زبان کو کہنے کی توفیق نہ دے۔ فرمایا۔ دیکھنا صبح ہوگی تو ساتوں اعضاء زبانِ حال سے بول اٹھیں گے کہ اے زبان اگر تو نے اپنے آپ کو نہ روکا تو ہم ہلاک ہوجائیں گے۔ پھر فرمایا خواجہ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر بے ہودہ بات آگئی۔ زبان کو ایسے چبایا کہ خون نکلنا شروع ہوگیا۔ عہد کیا کہ جب تک زندہ ہوں کسی سے بات نہیں کروں گا ایک بے فائدہ بات کرنے کی سزا میں بیس سال تک کسی سے کلام نہ کی۔ واصلانِ خدا میں سے ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص کے آنے پر پوچھا کہ فلاں شخص آیا اُس کے بعد سوچا کہ یہ کیا بات تھی جو تیرے منہ سے نکلی۔ اس ایک بات کے کفارہ میں تیس سال تک مخلوق سے بات نہ کی۔ حضرت اقدس پر رقت طاری ہوگئی۔ اور یہ شعر پڑھا ۔

در کام است زبانِ دشمن جاں
گر جاں بکار آید ہوشدار زبان

انسان کے منہ میں جان کی دشمن زبان ہی ہے۔ اگر جان کی سلامتی درکار ہے تو زبان کی حفاظت کریں۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔ میں نے قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ کہ ایک وقعہ میں ایک درویش کو ملا۔ جو واصلانِ حق میں سے تھے۔ خدا کی بندگی میں مشغول رہتے تھے۔ دس سال مَیں ان کی خدمت میں رہا۔ اِن دس سالوں میں مَیں نے اُن سے کوئی ناشنیدنی بات نہ سنی۔ مگر صرف ایک بات اور وہ

یہ تھی۔ کہ انہوں نے اپنے ایک عزیز کو کہا کہ اے عزیز! اگر چاہتا ہے کہ تیری عاقبت عافیت سے گذرے تو اپنی زبان کی نگہداشت کر۔ جونہی کہ اتنا کہا فوراً اپنی زبان کو اس طرح چبایا کہ خون جاری ہوگیا۔ اور کہا کہ اس بات کو کہنے کا تیرا کیا کام تھا۔ اس بات کے کفارے میں بیس سال تک کلام نہ کیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ اے درویش! اس دن جب قدرت نے انسان کے منہ زبان ڈالنے کا ارادہ کیا ندا کی۔ اے زبان! تیرے پیدا کرنے کی خاص غرض یہی ہے کہ سوائے میرے نام اور کلام کے کوئی اور ذکر تجھ سے نہ ہو۔ اگر تو نے کوئی اور بات کی تو اپنے ساتھ دیگر اعضاء کو بھی مصیبت میں مبتلا کرے گی۔ پس زبان کی پیدائش ذکر و تلاوت قرآن ہی کے لئے مخصوص ہے۔

مشائخ کرام کے تذکروں میں تحریر ہے کہ بنی آدم کے اعضاء میں سے ہر عضو کے اندر خواہشاتِ نفسانی کی ترکیب ہے۔ جو کہ انسان کے لئے آفت و حجاب کا سبب بنتی ہے۔ جب تک اُن خواہشات و تحریصات سے توبہ نہ کرے اور تمام اعضاء کو ان سے پاک نہ کرے ہرگز ہرگز کسی مقام پر فائز نہ ہو سکے گا۔ ان مذکورہ اعضاء میں سے پہلا نفس ہے جس میں خواہشات نفسانی موجود ہوتی ہیں۔ دوم: نظر جس میں دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ سوم: کان جس میں سننے کی آرزو ہے۔ چہارم: ناک جس میں سونگھنے کی طاقت ہے۔ پنجم: منہ جس میں حس ذائقہ ہوتی ہے۔ ششم: ہاتھ جس میں پکڑنے کی قوت ہوتی ہے۔ ہفتم: زبان کہ جس میں تعریف کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہشتم: دل کہ کوشش و فکر اس کا کام ہے۔ پس حق تعالیٰ کے طالبِ صادق کو ان تمام اعضاء کی توبہ کرنا لازم ہے۔ تاکہ وہ خدائے جل و علا سے ملے۔

بین الخلائق اکرمته بحکمتی من حفظ قلبه من حب الدنیا اکرمته بنظری و فکری۔ و من حفظ نفسه علی الصبر اکرمته بترکی

الذنوب ومن حفظ الوقوف بين يدی مثوای اکرمته یوم القیمۃ۔

میں نے مخلوق میں اُس شخص کو حکمت کے ساتھ معزز فرمادیا۔ جس نے دُنیا کی محبت سے اُپنے دل کو محفوظ رکھا۔ میں نے اُس کو نظر و فکر کا اعزاز بخشا۔ اور جس نے اپنے نفس کی صبر پر نگہداشت کی میں نے ترکِ گناہ سے اُس کا اکرام کیا۔ جس نے میرے حضور قیام کا التزام کیا۔ میں قیامت کے دن اُس کے اعزاز و اکرام کا اہتمام کروں گا۔

زبان و دل کی ہم آہنگی

فرمایا۔ اے درویش! تمام نیکیوں کی سرداری یہی بات ہے کہ انسان اپنے نفس پہ ضبط رکھتا ہو۔ اسطرح سے کہ کبھی نفس اپنے مقتضائے طبیعت کے مطابق خواہشات کا بندہ نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں اعانت طلب کرے۔ درویش کے اعمال یہیں ہیں۔ جب یہ حال ہوجاتا ہے تو جوہر درویشی انسان میں جنم لیتا ہے۔ عالم انوار و اسرار کی جلوہ ریزی دل پر ہوتی ہے۔ جب زبان دل کی دم ساز ہوتی ہے اور دل زبان کا تو یہ انوارِ عشق دلِ سالک میں قرار گزیں ہوجاتے ہیں۔ اور اگر دل و زبان ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہوسکیں وہ انوارِ عشق و محبت واپس لوٹ جاتے ہیں۔ اور ایسے انسان کے دل میں چلے جاتے ہیں جس کے قلب و زبان باہم موافق ہیں۔ ایک دفعہ کسی واصل حق سے پوچھا گیا۔ کہ عشقِ حقیقی میں ثابت قدم کون ہے۔ فرمایا۔ وہ شخص جس کے دل و زبان ایک ہوں۔ کیونکہ آفتاب عشق حقیقی کا طلوع اوّل دل ہی پر ہوتا ہے، پھر زبان پر۔ جب دل و زبان نے عشقِ حق سے امتزاج حاصل کیا تو محبت پختہ ہوگئی۔

اے درویش! زبان اعضاء کی بادشاہ ہے۔ جب یہ سلامت رہے گی تو جملہ اعضاء محفوظ ہوں گے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے۔ جب بادشاہ کے مزاج میں دین کے معاملات میں خلل پڑتا ہے۔ اُس کے ملک کے تمام شہروں میں خلل واقع ہوجاتا ہے۔ جب تک بادشاہ سلامتی میں ہے۔ تمام ملک محفوظ رہے گا۔ پس اے درویش! کان۔ آنکھ نفس

جو کچھ بھی ہفت اندام میں ہے سب کے سب زبان کے پیرو ہیں۔ جب زبان سلامت رہے گی تو تمام اعضاء بھی محفوظ رہیں گے۔

نظر کی توبہ

نظر کی توبہ کی شرط یہ ہے۔ کہ انسان غسل کرے۔ نماز دوگانہ ادا کرے اور قبلہ رو ہو کر دعا کرے۔ یا اللہ! میں تمام ناقابل دید اشیاء سے توبہ کرتا ہوں۔ اب کسی ایسی چیز کو نہ دیکھوں گا جس کا دیکھنا ممنوع ہے۔ اُس مدت تک تمام ممنوعات و خواہشات سے باز رہے تاکہ اُس کی نظر کی توبہ قبول ہو جائے۔ کیونکہ یہی نظر ہے جو لوگوں کو نعمتِ حضوریٔ حق سے بہرہ ور کرتی ہے اور یہ نظر ہی ہے جو انسان کو مصیبت میں گرفتار کراتی ہے۔ پس اے درویش! عشق کی منزل اوّل نظر ہی ہے لوگوں کو چاہیئے کہ اس حال میں جبکہ وہ نعمت مشاہدہ سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اس بات کی کوشش کریں کہ سوائے حق کے اَور کچھ نہ دیکھیں، تاکہ یہ نعمتِ مشاہدہ جاتی نہ رہے۔

اے درویش! ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول: اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اُن کو اپنے گھر لے آئیں ــــــ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے کاش! میں ادھر سے نہ گزرتا۔

پھر فرمایا۔ سیدنا داؤد علیہ السلام ایک نادیدنی کے دیکھنے سے تین سو سال روتے رہے۔ حکم ہوا۔ اے داؤد! کیوں روتے ہو۔ عرض کیا۔ اس نظر نے مجھے بلا میں ڈال دیا۔ پس اپنی خطا کی معافی کا اعتذار بھی تو یہی نظر کرے۔ حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام اتنا روئے کہ اُن کی بینائی جاتی رہی۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ حضرت اتنا کیوں روئے ہیں کہ آپ نابینا ہو گئے ہیں۔ اَور بصارت جاتی رہی ہے۔ فرمایا۔ دو چیزوں کے سبب۔ ایک تو اس

لئے کہ نادیدنی کو دیکھ نہ سکوں اور دوسرا یہ کہ وہ نظر جو جمال محبوب کا نظارہ کرتی ہے۔ اور حسن یار کے مشاہدہ کے سرمہ سے منوّر ہوتی ہے۔ بڑا افسوس ہوگا کہ اُس کے بعد کسی اور کو دیکھے۔ پس اس سے تو یہی بہتر ہے کہ میں اندھا ہو جاؤں۔ جب کل قیامت کو اٹھوں گا۔ تو جمالِ محبوب پر ہی آنکھ کھولوں گا۔ اُس کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔ کسی شخص نے اُنکو آنکھ کھولے نہ دیکھا۔

اُس وقت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ شعر میں نے حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا:

؎ دیدۂ کو جمال دوست بدید تا بود زندہ مبتلا باشد

وہ نظر جس نے جمال محبوب کو دیکھ لیا۔ جب تک زندہ اُسی میں محو رہے گی۔

اے درویش! محبت حق میں سچا وہی ہے۔ کہ جب اس کی نظر مشاہدۂ حق سے منور ہو جائے تو آنکھ کو ماسوائے اللہ سے اس طرح بند کرلے۔ کہ قیامت تک کسی چیز کو نہ دیکھے۔ روز حشر تجلّیٔ حق کی دید کے لئے ہی کھولے مگر جب محبوب کہے کہ اب آنکھیں کھول دو۔

فرمایا۔ نظر کی توبہ تین طرح کی ہے۔ اول: نادیدنی سے توبہ یعنی حرام سے توبہ۔ دوم: بھائی مسلمان کی غیبت کرنے سے توبہ۔ مسلمان بھائی کا عیب دیکھے تو توبہ کرے کہ میں نے کیوں دیکھا اور کسی سے اُس کا اظہار نہ کرے۔ سوم: کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھے تو نظر کو ملامت کرے کہ تو نے ظلم ہوتے ہوئے کیوں دیکھا۔ اس سے بھی توبہ کرے۔ نظر کی توبہ یہی ہے۔

کان کی توبہ

کوئی ایسی بات نہ سُنے جس کا سننا جائز نہ ہو۔ اگر سنے تو فوراً توبہ کرلے تمام ناشنیدنی امور سے توبہ کرلے۔ قدرت نے انسان کو سننے کی طاقت اس لئے عطا فرمائی ہے۔ کہ ذکر خدا سُنے۔ اور جہاں کہیں قرآن حکیم تلاوت کیا جارہا ہو کان دھرلے اور غور سے سُنے کہ کیا حکم ہو رہا ہے۔ اس لئے عطا نہیں کی گئی کہ بُرائی تمسخر راگ رنگ یا نوحہ و بین کی آوازیں سُنے۔ کیونکہ احادیث میں وارد ہے۔ کہ جو شخص اُن

آوازوں پر کان لگائے گا۔ قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر اُس کے کانوں میں بھرا جائے گا۔

فرمایا۔ ایک بڑے درویش تھے۔ جن کا نام عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ایک دفعہ راستے میں جا رہے تھے۔ بین کرنے کی آواز اُن کے کان میں پڑی۔ کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ جب گھر تشریف لائے۔ فرمایا۔ جاؤ تھوڑا سا سیسہ پگھلا کر لاؤ۔ اور میرے کانوں میں بھر دو۔ آج ایک ناشنیدنی بات میرے کانوں میں پڑی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن عذاب میں گرفتار نہ ہوں۔ آج ہی اس گناہ کا کفارہ ادا کر دوں۔ درویش لوگوں نے جو ویلے کنارہ کشی اور تنہائی اختیار کی ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ کوئی ناجائز بات نہ سُن سکیں۔ یہی کان کی توبہ ہے۔

ہاتھ کی توبہ

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی ایسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے جو ازروئے شرع واخلاق اُس کے ہاتھ لگانے کے قابل نہیں ہے اور اس سے توبہ کرے۔ اس موقع پر فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز نے بدخشان میں ایک درویش کو دیکھا۔ جو کہ بزرگانِ دین میں سے تھے اور اُن کا لقب شیخ برہان الدین تھا۔ لیکن اُن کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ تیس سال ایک عبادت خانے میں معتکف رہے۔ میں نے اُن سے پوچھا۔ حضرت! ہاتھ کٹنے کا قصہ کیا ہے۔ فرمایا۔ ایک دفعہ یہ درویش ایک مجلس میں حاضر تھا۔ کہ صاحب مجلس کی اجازت کے بغیر ایک گندم کے دانے کو اٹھالیا اُس کے دو حصے کئے اور زمین پر رکھ دیئے۔ ندائے غیب آئی۔ اے درویش! تو نے یہ کیا کام کیا کہ لوگوں کی گندم بغیر اجازت دوپارہ کی۔ جونہی کہ میں نے یہ بات سنی فوراً ہاتھ کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ تاکہ دوبارہ ناگفتنی اٹھا نہ سکے۔ حضرت نے چشم پرآب کر کے فرمایا۔ خدا کے بندے ایسے ہوئے ہیں تبھی مقاماتِ بلند پر فائز ہوئے ہیں۔

پاؤں کی توبہ

پاؤں کی توبہ سے مراد ایسی جگہ پر جانے سے احتراز کرنا ہے۔ جو ازروئے شرع اس قابل نہیں کہ وہاں جائیں۔ اور خواہشاتِ نفسانی

سے وہاں قدم رکھیں۔ یہی پاؤں کی توبہ ہے۔ ایک دفعہ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مسافر تھے ایک جنگل میں پہنچے۔ وہاں ایک غار تھا۔ اُس غار میں ایک درویش تھے۔ بڑے بزرگ اور صاحب نعمت۔ اُن کا ایک پاؤں غار کے اندر تھا اور دوسرا باہر اور نظر ہوا میں معلق۔ لیکن جو پاؤں باہر تھا کٹا ہوا پڑا تھا۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قریب گیا اور پاؤں کے کٹ جانے کا حال دریافت کیا۔ فرمایا۔ اے ذوالنون! پاؤں کے کٹنے کا حال سنو۔ ایک دن میں غار سے باہر آیا تاکہ تجدید وضو کروں۔ ایک خاتون میرے سامنے سے گزری۔ میرے نفس نے تقاضا کیا فوراً میں نے یہ پاؤں باہر نکالا کہ اُس خاتون کو پکڑ لوں خاتون غائب ہو گئی۔ چھری موجود تھی میں نے فوراً اس پاؤں کو کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ پس اے درویش! چالیس سال ہوئے ہیں کہ اسی طرح ایک پاؤں پر کھڑا ہوں۔ اور فرطِ ندامت سے عالمِ حیرت میں ہوں۔ کہ قیامت کے دن کیا جواب دوں گا۔

اسی موقع پر فرمایا کہ ایک درویش نے خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ کہ عشاقِ بارگاہ کو ہر وقت حضوری ہوتی ہے یا کسی خاص وقت پر۔ فرمایا کہ ہر وقت۔ کیونکہ اگر عاشقِ حق کھڑا ہے تو مشاہدہ حق میں کھڑا ہے اور اگر بیٹھا ہے تو مشاہدہ حق ہی میں مستغرق ہے۔ اور اگر سویا ہوا ہے تو بھی مشاہدۂ حق ہی میں محو ہے۔ پس مشاہدۂ دوست عاشق کے لئے ہر آن ہی ہوتا ہے۔ پھر فرمایا۔ اے درویش! عاشق کے لئے حضور و غیاب ہر دو یکساں ہیں۔ جیسے حضور ہے ویسے ہی غیاب بھی ہے۔ فرمایا۔ یہ بیت میں نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا سے سنا ہے۔ بیت:

حضور غیبت عاشق چو ہر دو یکسانست　　بغیب مست جمالش حضور نیز ہمانست

عاشق کے لئے حضور و غیاب ہر دو ایک ہیں۔ وہ غیب میں بھی مستِ جمالِ یار ہوتا ہے اور حضور اسی کو کہتے ہیں۔

توبہ نفس | انسان کو چاہیئے کہ نفس کو تمام کھانے والی چیزوں، خواہشات اور

حرص و آز سے باز رکھے۔ اور ان تمام سے توبہ کرے۔ اور نفس کی خواہش پر کوئی کام نہ کرے۔ کلام اللہ شریف کے نقص سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو حرص و ہوا سے روک لیتا ہے۔ اس کا مقام بہشت ہوتا ہے چنانچہ کلام پاک میں آتا ہے واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوے فان الجنتہ ھی الماوٰے یعنی جو شخص ڈر گیا۔ پروردگار عالم سے اور اپنے نفس کو محرمات سے روک رکھا۔ بے شک وہ شخص جنتی ہے ایک دفعہ خلیفہ ہارون عباسی کا ملکہ زبیدہ سے مبارزہ ہو گیا۔ زبیدہ نے اُسے کہہ دیا۔ جا اے دوزخی۔ ہارون نے فوراً کہا کہ اگر مجھے کسی نے بہشتی نہ کہا تو میرے اور تیرے درمیان قسم واقع ہو گئی۔ جب ہارون بات کہہ بیٹھے تو پچھتائے اور اپنے آپ سے کہا اے ہارون تو نے یہ کیا کہہ دیا۔ اچھا نہ کیا۔ تمام علماء، وائمہ وصدور کو اکٹھا کیا۔ لیکن کسی نے یہ فتویٰ نہ دیا کہ تو بہشتی ہے۔ مجلس میں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی موجود تھے فوراً اٹھے اور فرمایا کہ اے ہارون کبھی تو ہوائے نفس سے بھی باز رہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ فلاں مجلس میں۔ امام نے فتویٰ دیا کہ تو بہشتی ہے۔ کیونکہ اما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوے فان الجنتہ ھی الماوٰے۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا اے درویش! توبہ کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ حال، ماضی، مستقبل حال کی توبہ یہ ہے کہ اپنی گناہگاری پر پچھتائے اور شرمسار ہو۔ ماضی کی توبہ یہ ہے۔ کہ دشمنوں کو خوش کرے۔ اگر کسی کے دو چار روپے چھین لئے اور پھر توبہ کر لی یہ توبہ نہیں۔ توبہ یہ ہے کہ وہ رقم اُسے واپس کرے۔ اور اس سے معذرت کرے۔ اگر وہ مر چکا ہو تو غلام آزاد کرے۔ گویا اُس نے مردے کو زندہ کر دیا۔ اگر کوئی کسی کی کنیز یا منکوحہ سے زنا کرے تو اُس آدمی کے پاس نہ جائے بلکہ خدائے غفور رحیم کے دربار میں آئے اور توبہ کرے۔ اگر شرابی توبہ کرے تو لوگوں کو صاف اور ٹھنڈا پانی پلائے۔ مقصد یہ ہے کہ توبہ کی حالت میں نافرمانی وگناہ کی معذرت کرے۔ مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ نیت کرے کہ اس کے بعد وہ گناہ کے کام سے باز آ جائے گا۔

جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ یہاں پہنچے، اٹھے اور اندر تشریف لے گئے۔ ہم لوگ اپنے اپنے گھر آ گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

پانچویں فصل

بزرگوں کی خدمت

حضرت شیخ الاسلام کی خدمت اقدس میں پابوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ تو فرمایا۔ اے درویش! جس نے بھی سعادت حاصل کی خدمت ہی سے حاصل کی۔ کیونکہ دین و دنیا کی نعمتیں پیران و مشائخ عظام کی خدمت ہی سے میسّر آتی ہیں۔ جو شخص سات دن پیران و مشائخ کی خدمت بجالاتا ہے۔ حق تعالیٰ سات سو سال کی عبادت اُس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتا ہے۔ خدمتِ شیخ میں جو قدم اٹھاتا اور رکھتا ہے اُسے حج و عمرہ کا ثواب دیا جاتا ہے۔

فرمایا۔ شیخ جلال الدین تبریزی جب اپنے پیر شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں آئے۔ تو اتنی خدمت کی۔ کہ کسی ملازم نے اتنی نہ کی ہوگی۔ چنانچہ جب میں نے بغداد میں اُن سے ملاقات کی تو دیکھا کہ ایک دیگچہ سالن کا اُن کے سر پر تھا اور لے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا۔ حج کے لئے۔ اُن کی اِس خدمت پر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اُس شہر کے لوگوں سے میں نے پوچھا۔ کہ کتنے سال سے آپ اس طرح فریضۂ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ تو انہوں نے بتلایا کہ اب پچیسواں سال ہے کہ ہم اس درویش کو اسی طرح خدمت بجالاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت خواجہ عبداللہ خفیف سے پوچھا کہ یہ دولت (ولایت) آپ نے کہاں سے حاصل کی۔ فرمایا۔ درویشوں کی خدمت سے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں ایک درویش کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور جو حکم فرماتے بسر و چشم پایۂ تکمیل کو پہنچاتا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن مجھے طلب فرمایا اور کہا کہ فلاں درویش کے پاس جاؤ اور کہو کہ کل میرے

پیر رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہے۔ کھانا تیار کیا جائے گا۔ تشریف لائیں۔ اور غریب خانے کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے منور فرمائیں۔ تاکہ لنگر اُن کی موجودگی میں تقسیم کیا جائے۔ درویش کے راستے میں شیر کا ڈر بھی تھا۔ امتحان کے طور پر اُس درویش نے مجھے یہ کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ میں اُن کے حکم پر روانہ ہوگیا۔ جب میں شیر کے مقام پر پہنچا، میں نے دیکھا کہ شیر بیٹھا ہوا ہے۔ بغیر توجہ کئے میں چل پڑا۔ جب شیر کے نزدیک گیا تو کہا۔ اے شیر! میں اپنے پیر کے حکم کے مطابق فلاں درویش کے پاس جا رہا ہوں۔ مجھے راستہ دے۔ میں نے جب یہ بات کہی تو شیر نے زمین پر سر رکھا اور چلا گیا میں وہاں سے گزر گیا۔ درویش کی خدمت میں حاضر ہو کر پیغام پہنچایا۔ انہوں نے قبول فرمالیا اور کہا کہ میں آؤں گا۔ میں آداب بجا لایا، اور واپس آگیا۔ شیخ کی خدمت میں آیا تو انہوں نے مجھے پہلو میں بٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ تو خدمت کا حق بجا لایا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ جاؤ میں نے تجھے دین اور دنیا دونوں عطا کر دیں۔ میں وہاں سے لوٹ آیا اور عبادت خانے میں قیام پذیر ہو گیا۔ پس جو نعمتیں آپ مجھ میں دیکھ رہے ہیں اُسی فقیر کی عطا کردہ ہیں۔

......تو کر خدمت فقیروں کی

ایک دفعہ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ نعمت (ولایت) کہاں سے پائی۔ فرمایا دو باتوں سے۔ ایک اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت سے، دوسرے اپنے شیخ کی خدمت سے۔ جو نعمت مجھے خدمتِ والدہ میں حاصل ہوئی وہ اس طرح ہے کہ ایک رات سردیوں میں میری والدہ صاحبہ نے پانی طلب فرمایا۔ میں اٹھا اور پانی کا کوزہ بھرا۔ اور ہتھیلی پر رکھ کر اُن کی خدمت میں جا کھڑا ہوا۔ والدہ سو گئیں۔ میں نے انہیں بیدار نہ کیا۔ چنانچہ رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔ جب والدہ صاحبہ بیدار ہوئیں۔ پانی میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ اسی طرح جو نعمت میں نے اپنے پیر سے حاصل کی۔ وہ یہ ہے کہ بیس سال دن رات میں نے اُن کی خدمت کی۔ چنانچہ ایک

رات میں تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول تھا۔ اور مریدوں میں سے کوئی شخص میرے سوا حاضر نہ تھا۔ شیخ نے آواز دی۔ اے عزیز! میرا قرآن شریف لاؤ۔ میں قرآن شریف لے گیا میرے ہاتھ سے قرآن پاک لیا اور دعا فرمائی۔ دوسری نعمت یہ ہے جو کہ میں نے اپنے پیر سے حاصل کی۔

پھر شیخ الاسلام دام اللہ برکاتہ نے فرمایا۔ اے درویش! جب تک فقراء کی خدمت نہ کروگے ہرگز مقام بلند پر نہ پہنچوگے۔ حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہ العزیز بیس سال تک اپنے شیخ کے ملبوسات سر پر رکھ کر حج کے لئے جاتے رہے۔ پھر یہ انعام اُن کو عطا ہوا۔ جس سے تمام دنیا نے فیض حاصل کیا۔ فرمایا۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا کہ خلوص وصدق سے ایک دن اپنے شیخ کی خدمت کرنا ہزار سالہ بے صدق وخلوص عبادت سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ساقی القوم آخرھم شربًا یعنی جو اپنی جماعت کو پانی پلاتا ہے سب سے آخر خود پیئے۔ یہی بات کھلانے میں بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

آدابِ مہمان نوازی

فرمایا۔ اے درویش! میزبان کے لئے ضروری ہے کہ خود مہمان کے ہاتھ دھلوائے۔ اُسے چاہیئے کہ پہلے اپنے ہاتھ دھوئے۔ کیونکہ دوسروں کے ہاتھ دھلانے سے پہلے اپنے ہاتھ دھلے ہونے چاہئیں پہلے ہاتھ دھونے میں حکمت یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ صاف ہونے چاہئیں اور یہ شرط آداب ہے۔ برخلاف پانی پینے کے۔ کہ وہ پہلے دوسروں کو پلائے پھر خود پیئے۔ ایک دفعہ خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ حضرت موصوف پانی لائے کہ اُس کے ہاتھ دھلائیں۔ وہ آدمی بیٹھ گیا۔ حضرت کھڑے ہوگئے۔ کیونکہ بیٹھ کر ہاتھ دھلانا جائز نہیں۔ اور درویشوں کے نزدیک ترکِ ادب ہے۔ ایک دفعہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ امام شافعی کے ہاتھ دھلانے کے لئے حضرت امام مالک خود اُٹھے۔ اور ہاتھ دھلائے۔ فرمایا۔ ایک دفعہ میں بغداد

کے سفر پر گیا۔ دجلہ کے کنارے ایک غار میں ایک بزرگ کو میں نے پایا۔ وہ بزرگ صاحب عظمت و نعمت و ولایت تھے۔ لیکن بہت ضعیف تھے۔ وہ اپنے عبادت خانے کے اندر نماز میں مصروف تھے۔ میں رک گیا۔ یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ میں نے سلام عرض کیا تو انہوں نے جواب میں کہا۔ علیک السلام اے فرید۔ میں حیران ہوا۔ کہ ان کو میرے نام سے کیسے خبر ہو گئی۔ فوراً فرمایا۔ نبانی العلیم (اللہ نے مجھے خبر دی) جو ذات تجھے میرے پاس لانے والی ہے اُسی نے مجھے تمہارا نام بتایا ہے۔ پھر حکم دیا۔ کہ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ کچھ وقت اُن کی مجلس میں بیٹھا رہا۔ جب افطاری کا وقت ہوا۔ تو دو مرد ایک خوان اٹھائے ہوئے آئے۔ اور درویش کے سامنے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چند لوگ صوفیا میں سے آ گئے۔ انہوں نے میرے اور اُن صوفیاء کے ساتھ افطار کیا۔ لیکن بزرگ موصوف نے خود ہاتھ دھلائے۔ میں نے عرض کیا کہ اتنے لوگ ہیں اپنے ہاتھ خود دھو لیں گے۔ فرمایا۔ اے درویش! دستور یہی ہے کہ جب مہمان آئے میزبان ہاتھ دھلائے۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لائے تو فرمان ہوا۔ اے موسیٰ! جوتیاں اتار دیں تاکہ کوہ طور کی گرد آپ کے پاؤں کو لگے اور آپ کی بخشش ہو جائے۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کی رات عرش کے قریب پہنچے۔ حکم ہوا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جوتیاں پہنے ہوئے آئیں تاکہ آپ کی جوتیوں کی گرد عرش پر پہنچے۔ اور ہلنے سے رک جائے اور اسے قرار آ جائے۔ پھر فرمایا اے درویش! جب موسیٰ علیہ السلام قبر مبارک سے اٹھیں گے تو مستوں کی طرح اٹھیں گے۔ اور اٹھتے ہی عرش کے کنگرے کو پکڑیں گے اور کہیں گے رب ارنی انظر الیک۔ فرمان ہوگا کہ اے موسیٰ۔ صبر کرو۔ آج مطلب بر آئے گا۔ محاسبہ کے بعد بہشت میں دیدار ہوگا۔ لیکن اُس وقت جب محمد اور ان کی امت دیدار کر لیں گے۔ اے درویش! قیامت کے دن بعض عشاق بارگاہ کو نورانی زنجیروں سے

کشاں کشاں بہشت میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ وہ زنجیروں کو پکڑ لیں گے اور توڑ دیں گے۔ اور شور کرتے ہوئے عرش کے نیچے آجائیں گے۔ حکم ہوگا کہ اور زنجیر اِن کی گردنوں میں ڈال دو۔ اسی طرح ۷۰ ہزار نورانی زنجیر اُن کی گردنوں میں ڈالی جائیں گی اور ساری کی ساری وہ توڑ دیں گے۔ اُس وقت حضرتِ حق سے ندا آئے گی۔ صبر کرو اور بہشت میں جاؤ کہ یہ وعدہ (دیدار) بہشت میں پورا ہوگا۔ اُس پر اُن کو قرار آئے گا۔

امثالِ انبیاءِ کرام علیہم السلام

اُس کے بعد فرمایا۔ اے درویش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وضو فرما رہے تھے آپ نے اپنی مبارک انگوٹھی کو پھیرنا شروع کیا۔ فرمان آیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے آپ کو کھیل کرنے کے لئے مبعوث نہیں کیا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال تک اس قسم کے فعل میں مشغول نہ ہوئے۔

فرمایا۔ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کو عزیزِ مصر نے قید خانے میں بند کر دیا۔ قید خانے سے ساقی نامی شخص کے رہائی پانے کا سبب وہ خواب تھا۔ جو اُس نے دیکھا۔ اور یوسف علیہ السلام نے اُس کی تعبیر فرمائی تھی۔ کہ تو رہائی پائے گا اور خلعت سے نوازا جائے گا اور دوسرے کے متعلق فرمایا تھا کہ اِسے کوّے کھائیں گے۔ اُس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اُسے کہا کہ جب تو آزاد ہو تو بادشاہ مصر کے پاس میرا ذکر کرنا۔ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام نے جونہی یہ بات کی سیدنا جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور کہا اے یوسف! خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ہمیں بھول گئے۔ کہ ہماری خبر غیر کو دی جا رہی ہے آپ کے اِس بات کے کہنے سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ سات سال اور ایسی قید میں رہیں۔

حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام باوجود اتنی عظیم سلطنت کے فرماں روا ہونے کے جب دعوتِ عام فرماتے تو کھانے سے پہلے رو پڑتے۔ لوٹا پکڑتے اور خادم طشت

اٹھانا۔ خود مہمانوں کے ہاتھ دھلاتے۔ پانی خود پیش کرتے۔ اور اُس وقت تک پانی بھی نہ پیتے جب تک سب لوگ نہ پی لیتے۔ غرضیکہ اتنی بڑی مملکت کے باوجود اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی زنبیل کو بازار میں بیچ کر اُس کا کھانا خرید کر لاتے اور کھاتے۔ ایک دن خیال آیا کہ یا اللہ! میری اتنی وسیع سلطنت میرے کس کام کی ہے۔ جبکہ کھانا بھی اُس وقت ملتا ہے جب اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی زنبیل بازار میں لے جاکر بیچتا ہوں۔ جونہی یہ خیال آیا۔ وہ زنبیل جو آپ نے بنی تھی لیکر بازار گئے۔ مگر کسی نے نہ خریدی۔ واپس لے آئے اور وہ رات فاقہ سے بسر کی۔ اور زنبیل پڑی رہی سات روز تک کسی نے نہ لی۔ اور کوئی خریدار پیدا نہ ہوا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام حیران ہوئے کہ یہ کیا حال بنا۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور کہا اے سلیمان! زنبیل کی قیمت سے افطار کیوں نہیں کرتے؟ ذرا اوپر دیکھیں۔ جب آپ اوپر نظر کی۔ تمام زنبیلوں کو آسمان کے کونے میں لٹکا دیکھا۔ فرمان آیا۔ اے سلیمان! یہ سب ہم نے خریدی تھیں خلق خدا کا تو صرف بہانہ تھا۔ کہ انہوں نے خریدیں۔ سیدنا سلیمان اُپنے کہے پر بہت پشیمان ہوئے۔ اور حالت بدل گئی۔ توبہ کی۔

اس لئے اے درویش! جہاں تک ہو سکے کوئی بات اپنی طرف سے نہ سمجھے۔ اور لوگوں کے ظاہر و باطن حرکات و سکنات سے جو وقوع پذیر ہو سب خداوند تعالیٰ عزوجل کی طرف سے جاننا چاہیئے۔ کہ یہ سب کچھ اُسی کی رضا سے ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جو شخص اُن کے ہاں مہمان ہوتا۔ اُس کے ہاتھ خود دھلاتے اور فرماتے کہ یہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ اور دیگر انبیا علیہم السلام کی بھی یہی سنت ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود ہاتھ دھلاتے اور کھانے کے بعد خود پانی پلاتے۔ جب انبیاء علیہم السلام اور ائمہ رحمہم اللہ کی سنّت یہی ہے تو اے درویش! جہاں تک ممکن ہو سنّت رسول اور ائمہ پر چلنا چاہیئے۔ تاکہ کل قیامت کو اُن کے سامنے شرمسار نہ ہو۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو کھانے پر بلایا ہوا تھا۔

آپ نے خود لوٹا ہاتھ میں لیا اور سب کے ہاتھ دھلائے۔

جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے یہ مضامین نافعہ بیان فرمالئے تو دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور ہم اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک رب العلمین

چھٹی فصل

تلاوتِ قرآن پاک

شیخ برہان الدین ہانسوی اور شیخ بدر الدین غزنوی رحمہما اللہ اور دوسرے مریدان حاضر خدمت تھے۔ آغازِ کلام یوں فرمایا اے درویش! تلاوت قرآن پاک سے بڑھ کر دنیا و آخرت میں کوئی عبادت نہیں۔ لہذا لوگوں کو چاہیئے کہ اتنی بڑی نعمت سے غافل نہ ہوں۔ اور محروم نہ رہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بہت فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ حفظِ چشم ہے یعنی بینائی کی قوت اور آشوب چشم سے محفوظ ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ۔ ایک حرف پڑھنے کے بدلے میں ہزار سال کی عبادت کا ثواب اُس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا جاتا ہے۔ اور اتنے ہی گناہ اس کے نامۂ اعمال سے مٹا دئے جاتے ہیں۔

تلاوتِ قرآن محبوب حقیقی سے ہمکلام ہونا ہے

فرمایا، جو شخص اپنے محبوب حقیقی سے ہمکلام ہونا چاہتا ہو۔ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہے۔ خوش نصیب انسان وہی ہے جو اپنے دوست سے ہمکلام ہو۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس کلام پاک کی تلاوت کرنا ایسا ہی ہے جیسے محبوب سے ہمکلام ہوں۔ چنانچہ ہر روز درویش کے دل میں ندا کی جاتی ہے کہ اے درویش! کیا تجھے ہماری آرزو نہیں ہے کہ دوسرے کاموں سے اٹھ کر تلاوت

قرآن پاک میں مشغول ہو جائے۔ اکثر لوگوں کو جو دولتِ حضوری سے شرف یاب ہیں مشاہدہ حق بوقت تلاوت ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جہان کا ہر راز کلام اللہ شریف کی تلاوت کے وقت اُس شخص پر منکشف ہو جاتا ہے۔ ہر حرف کی تلاوت اور معانی کے فکر میں مستغرق ہونے سے ولایتوں کے اسرار اُس پر کھلنے لگ جاتے ہیں۔ جب تلاوت کرتے ہوئے آیتِ مشاہدہ یا آیتِ رحمت پر پہنچتا ہے۔ تو دونوں جہان اُس کے دل میں اتر جاتے ہیں۔ اور انسان دریائے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اور لاکھوں نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔ جب آیاتِ عذاب تلاوت کرتا ہے۔ تو اپنے نفس میں یوں گم ہو جاتا ہے اور خوف الٰہی سے یوں پگھل جاتا ہے جیسے کہ سونا کٹھالی میں پگھلتا ہے۔

حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز تلاوت قرآن پاک کے دوران جب آیاتِ وعید پر پہنچتے۔ سینہ پر ہاتھ مارتے اور بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ جب ہوش میں آتے پھر کلام اللہ شریف کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ ایک دن میں کئی کئی بار بے ہوش ہوتے۔ اور اسی طرح جب آیات مشاہدہ کی تلاوت فرماتے تو مسکراتے ہوئے کھڑے ہو جاتے اور عالم مشاہدہ میں متحیر رہتے۔ ایک دن رات عالم مشاہدہ میں اس طرح حیران رہتے کہ انہیں اپنی خبر تک نہ رہتی۔

کلام پاک کے حافظ کا مقام

اے درویش! جب حافظ کلام پاک کا وصال ہوتا ہے۔ اُس کی روح کو قندیل نور میں رکھ کر عرش کے قریب آویزاں کرتے ہیں۔ اور ہر روز ہزار دفعہ تجلی انوار اُس پر ہوتا ہے۔

فرمایا۔ قیامت کے دن جب سب کو آمنا وصدقنا کے سوا چارہ کار نہ ہوگا۔ کلام اللہ شریف کے حافظوں کے لئے فرمان جاری ہوگا۔ کہ ان کو بہشت میں لے جاؤ۔ ہر حافظ پر فرداً فرداً تجلیِ ذات ہوگی۔ چنانچہ روایت ہے کہ قیامت کو بہشت میں تمام انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین و اولیاء رحمہم اللہ اجمعین پر یکبارگی تجلیِ ذات ہوگی

اَور امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تنہا اور یہ اُن کی فضیلت کے سبب ہو گی۔

فرمایا۔ اے درویش! روزِ محشر جب تمام عشاق بارگاہ کو مقامِ تجلی میں لایا جائے گا۔ حکم ہو گا کہ اے عاشقو! آنکھیں کھولو۔ سامنے لائے جائیں گے اور ہر ایک پر نورِ حق جلوہ فگن ہو گا۔ سات ہزار سال تک بے ہوش پڑے رہیں گے۔ جب ہوش میں آئیں گے تو پھر ھل من مزید داور ہے؟ کا شور برپا کر دیں گے۔ پھر تجلی ہو گی۔ اس طرح ستر دفعہ واقع ہو گا پھر اپنے مقام پر واپس آئیں گے۔ جب حضرت شیخ اسلام نے یہ بات تمام کی نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ اور عالم بے ہوشی ہی میں یہ رباعی زبان مبارک پر جاری ہو گئی۔

رباعی: از بہر رخ تو مبتلا می باشم اندر غم عشق در بلا می باشم
دا از یاد جمال تو چناں مدہوشم کز خود خبرے نیست کجا می باشم

تیرے روئے انور کی محبت میں گرفتار ہوں۔ تیرے غم عشق نے مجھے آزمائش میں ڈالا ہوا ہے۔ تیرے حسن کی یاد میں ایسے مدہوش ہوں۔ کہ مجھے اپنی خبر نہیں کہ میں خود کہاں ہوں۔

جب ہوش میں آئے تو فرمایا۔ شیخ اجل سرزی رحمتہ اللہ علیہ سے بغداد میں میں نے سُنا۔ کہ وہ بیان فرما رہے تھے۔ کہ ایک دفعہ میں اور شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ بخارا سے عازمِ سفر ہوئے۔ ایک شہر میں پہنچے جہاں اہل سنت وجماعت کے لوگ رہتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ مرد۔ عورت۔ لڑکے اور لڑکیاں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کلام پاک کی تلاوت میں مشغول نہ ہو۔ اور کبھی تلاوتِ کلام پاک سے غافل نہ ہوتے۔ اُس شہر کے باہر ایک غار میں شیخ شمس العارفین رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں سے ایک درویش سکونت پذیر تھے۔ اور اُسی طرح تلاوت کلام پاک میں مشغول۔ جب ہم نے اُن سے مصافحہ کیا۔ ہمیں فرمایا۔ بیٹھ جائیں۔ ہم بیٹھ گئے۔ اور خود کلام اللہ شریف میں

مشغول رہے۔ جب بھی وہ درویش آیۂ وعید پر پہنچتے۔ نعرہ مارتے اور گر پڑتے اس طرح تڑپنے لگ جاتے جیسے پانی بغیر مچھلی تڑپتی ہے۔ پھر اٹھ بیٹھتے اور اُسی طرح تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ جب آیۂ رحمت بشارت پڑھتے تو زار زار روتے اور کہتے کہ یہ آیات رحمت و بشارت تو ان کے لئے ہیں جو عمل صالح رکھتے ہیں۔ میرے پاس تو ایک ذرہ برابر عمل صالح نہیں کہ جس پر خوش ہو سکوں۔ جب یہ کہتے پھر رونے لگ جاتے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے۔ اے عزیزو! اگر آپ جانتے کہ ہر حرف اور آیت میں کیا حکم ہوا ہے تو آپ کے اعضار سے آپ کی کھال ادھڑ جاتی۔ اور ایک ہی دفعہ پگھل جاتے اور خوف خداوندی سے فنا ہو جاتے۔ فرمایا۔ اے درویش! آج ساٹھ سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوں۔ اور میرا حال اسی طرح ہے جیسے آپ نے دیکھا۔

حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک عارف باللہ جو حافظِ کلام اللہ تھے کا وصال ہوا۔ وصال کے بعد لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور سوال کیا۔ کہ خداوند تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ جواب دیا کہ وہی کچھ کیا جو خاصانِ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پھر پوچھا کہ آپ کو قبر میں چھوڑ دیا گیا یا عالم بالا کی طرف لے گئے فرمایا۔ قالب سمیت مجھے عرش کے نیچے لے گئے اور حافظان کلام اللہ شریف کے مقام پر جگہ عنایت کی۔ اب میں وہیں رہتا ہوں۔

سلطان معزالدین محمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ پوچھا کون سے عمل سے۔ جواب دیا۔ ایک رات میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پڑوس سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آئی۔ میں فوراً اٹھا۔ تخت سے نیچے اُترا۔ اور ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور گوش ہوش کلام اللہ شریف کی طرف مبذول کر دئے۔ اُس تلاوت پاک سے میرے دل میں رقت اور راحت پیدا ہوئی۔ جب میں نے دُنیا سے سفر کیا تو عالم برزخ میں مجھے

کلام پاک کے سننے کے کام میں مشغول فرما دیا گیا۔ اور اسی کارِ خیر کی بدولت میری مغفرت فرما دی گئی۔

فرمایا۔ کلام اللہ شریف کے پڑھنے کے وقت کئی قسم کے لوگ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اوّل: قرآنِ پاک کے پڑھانے والے جو قرآنِ حکیم کی تعلیم کرتے ہیں۔ دوم: قرآن پاک کے پڑھنے والے۔ سوم: سننے والے۔ چہارم: ہمسلئے جو کہ آوازِ تلاوت کو دل و جان سے سنتے ہیں۔

تلاوتِ قرآنِ حکیم کے منافع

حضرت شیخ الاسلام نے مسکراتے ہوئے حکایت بیان کی۔ ایک دفعہ میں خواجہ اجل سرزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ چار درویش اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تاکہ اُن کے حضور رہ سکیں اور فیضِ صحبت اٹھا سکیں۔ اُن میں سے ایک شخص اس ارادے سے آیا تھا کہ شیخ موصوف کو موقع ملنے پر شہید کر دے۔ شیخ سرزی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس شخص کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا۔ اے درویش! کیا درویشوں کے لئے مناسب ہے کہ درویشوں کو قتل کرنے کے ارادے سے آئیں۔ درویش نے سر جھکا لیا اور عرض کیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ کیسی نیت ہے جسے بدلا جا سکتا ہے۔ جونہی یہ بات حضرت خواجہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ درویش اٹھا اور سر آپ کے قدموں پہ رکھ دیا۔ اور بیان کیا کہ حضور! واقعی میں آپ کے شہید کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ لیکن آپ مردِ کامل تھے کہ باخبر ہو گئے پس میں نے اس امرِ قبیح سے توبہ کر لی۔

حضرت شیخ الاسلام نے اُس کے بعد فرمایا کہ اے درویش! انسان کو اپنا وقت تلاوتِ قرآنِ پاک کے سوا کسی اور معاملے میں نہیں گوارنا چاہیئے۔ کیونکہ عاشق و معشوق کا انس گفتگو و مکالمے سے اضافہ پذیر ہوتا ہے۔ اہلِ سلوک تحریر فرماتے ہیں کہ اس راہ میں اس مشاہدہ سے بڑھ کر کوئی اور مشاہدہ نہیں ہے۔ کتنی راحت ہوتی ہے جب دوست دوست

سے محوِ تکلم ہوتا ہے۔ اے درویش! خدا کی باتیں کلام اللہ شریف ہی تو ہے۔ جس نے یہ ذوق پا لیا پھر کسی اور چیز کے ذکر میں مشغول نہیں ہوتا۔ اگر کسی اور ذکر میں مشغول ہو تو وہ صاحبِ ذوق نہ ہوگا بلکہ جھوٹا دعویدار ہوگا۔ اور محبت میں سچّا نہ ہوگا۔ جب انسان کلام اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو تو چاہیئے کہ اُس کے مطالب میں مستغرق ہو جائے۔ اور مخلوق کی طرف سے توجہ ہٹالے۔ اس انداز و شان سے جب وہ تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوگا تو ایک فرشتہ ایک لاکھ حوران بہشتی کے ساتھ آکر اُس کے سامنے بیٹھ جائے گا۔ اور حوران بہشتی کے ساتھ وہ فرشتہ ایسی محفل آرائی کرے گا کہ انسان کی نظر اُس کی دید کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ تلاوتِ قرآن کی محبتِ فراواں سے وہ فرشتہ قاری کے چہرہ کے سامنے چہرہ کرے گا۔ اور جب تک وہ انسان زندہ رہے گا۔ وہ فرشتہ اُس کی خدمت میں رہے گا۔ اور جب اُس کا وصال ہوگا تو فرشتہ حوران بہشتی کے ہمراہ اس انسان کے ساتھ بہشت میں جائے گا۔

چوں من گویم مسلمانم بلرزم

فرمایا۔ اے درویش! امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ' کا معمول یہ تھا۔ کہ جب تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوتے۔ تو درخت کے پتے کی طرح آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ ہر آیت پر یوں کھڑے ہو جاتے جیسا کوئی شخص کسی کے انتظار میں ہو۔ پھر بیٹھ جاتے۔ اسی طرح سات دن رات گزر جاتے۔ پھر فرمایا۔ کہ جس طرح اس دنیا میں قاری تنہا تلاوت کلام پاک سے ذوق و حظ اٹھاتا ہے۔ قیامت کے دن بھی اسی طرح تنہا تجلیاتِ محبوب حقیقی سے محظوظ ہو گا۔ غزنی میں ایک مرد درویش تھے جو قرآن سات قرائتوں سے پڑھنا جانتے تھے۔ اور اس فن میں طاق تھے۔ ان کا نام محمد مقری تھا۔ اُن کی کرامت یہ تھی کہ جو شخص اُن کے حضور ایک قرآنی سورت پڑھ لیتا۔ اللہ تعالیٰ تمام قرآنِ پاک اُسے سکھا دیتے۔ چنانچہ اس فقیر نے بھی ایک سورت پاک ان کے حضور پڑھی۔ تو اس مردِ بزرگ کی برکت سے تمام قرآن کریم حفظ ہو گیا۔ الغرض ان موصوف کے ایک بھائی دمشق میں رہتے تھے۔ ایک شخص دمشق سے غزنی میں آیا۔ موصوف

نے ان نووارد سے پوچھا کہ میرا بھائی بہ سلامت ہے یا نہیں. حالانکہ ان کے بھائی وفات پا چکے تھے. نووارد نے ان کی وفات کی خبر نہ بتلائی. اور کہا ہاں وہ بہ سلامت ہیں. اُس کے بعد دمشق کے حالات بتلانے شروع کر دئے. کہ بارش زور کی ہوئی. اور لوگوں کے گھر تباہ ہو گئے. ایک دفعہ آگ لگی اور اتنے مکانات جل کر راکھ ہو گئے. جب انہوں نے بات ختم کی. خواجہ محمد مقری نے کہا. تو میرا بھائی زندہ نہ رہا. اُس نے کہا ہاں وہ رحمت حق سے جا ملے

فرمایا. اے درویش! تلاوت قرآن پاک وختم سورۂ فاتحہ کا ثواب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امامانِ دین کی ارواح پاک کو نذر کرنے کے لئے ہر شخص کو مشغول رہنا چاہیئے. تاکہ کلام اللہ شریف کی برکت اور ان ارواح طیبات کے وسیلہ سے انسان کے دین ودنیا میں ترقیِ درجات ہو. مقام عزت پر فائز ہو اور صاحبِ قرب وتجلی بن جائے.

برکاتِ سورۂ فاتحہ وبقرہ....

اے درویش! جو کوئی سورۂ فاتحہ کو بیماروں کی شفایابی کے لئے یا کسی بھی اہم کام کے لئے اکتالیس دفعہ اعوذ وتسمیہ کے ساتھ اس طرح کہ رحیم کی م کو الحمد کے دال میں ملاکر پڑھے اور مریض پر دم کرے فوراً شفا پائے. کیونکہ سورۂ فاتحہ کا ختم شریف اکتالیس دفعہ ہی ہے. اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ الفاتحہ شفاءٌ لکل داءٍ. فاتحہ شریف ہر مرض کی دعا ہے.

پھر فرمایا. سورہ بقرہ شریف کا ختم پاک دن میں ایک بار ہے. جو شخص نماز فجر کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان تین روز تک پڑھے جو نیت بھی اُس کی ہو گی خدائے قدوس پوری کرے گا. ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ سے حاجت تھی. آپ نے اس سورہ پاک کا وظیفہ فرمایا. ابھی ایک ہی نماز پوری نہ ہوئی تھی کہ خدائے قدوس نے اُن کی حاجت پوری کر دی.

پھر فرمایا. اے درویش! سورہ آلِ عمران کا ختم شریف دن میں دس مرتبہ ہے

دین و دنیا میں کشائش کے لئے پڑھے۔

فرمایا اے بدرالدین! یہ تمام تشویق و ترغیب جو میں کر رہا ہوں۔ تمہارے اور تمام متبعین کے حال و مقام کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لئے ہے۔ کیونکہ پیر مرید کے لئے مشاطہ کا کام سرانجام دیتا ہے۔

سورۂ نساء کا ختم پاک دن میں سات مرتبہ ہے، جو شخص اس کو سات دفعہ ہر روز پڑھتا ہے۔ تمام دینی و دنیوی تکلیفوں سے محفوظ رہتا ہے۔

جو شخص دن میں سات دفعہ سورۂ مائدہ کا ختم شریف کرتا ہے۔ اُس شہر میں بارش کی کمی نہ ہوگی۔

ختم سورۂ انعام سات دفعہ ہے۔ ایک روایت میں اکتالیس مرتبہ ہے۔ جو شخص اپنی حاجت کے لئے پڑھے پوری ہوگی۔

سورۂ اعراف کا ختم قبولیتِ توبہ کے لئے یوں ہے کہ ستر دفعہ استغفار کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے۔ پہلی رکعت میں ایک دفعہ فاتحہ شریف اور سو مرتبہ قل یاایھا الکٰفرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ شریف ایک دفعہ اور سورۂ اخلاص شریف سو مرتبہ پڑھے۔ پھر سورۂ اعراف پڑھے۔

سورۂ انفال کا ختم قیدیوں کی آزادی کے لئے چار مرتبہ پڑھا جائے۔ جو شخص اس سورۂ پاک کو دن میں چار دفعہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کی قیدوں اور سختیوں سے نجات دے گا۔ اور آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رکھے گا۔

سورۂ توبہ کا ختم مشکل کاموں میں کامیابی اور عاقبت کے اچھا ہونے کے لئے چالیس مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔ جو التزام کرے گا کامیاب ہوگا۔

کفار پر غلبہ و فتح پانے کے لئے دس دفعہ سورۂ ھود کا ختم کرنا چاہیئے۔

بخشش و عزت اور قرآن کے پڑھنے اور حفظ کرنے کے لئے سورۂ ابراھیم کو

دس بار پڑھنا چاہیئے۔

پھر فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص سورۂ یوسف کو پڑھے۔ قرآن پاک اُسے یاد ہو جائے گا۔

سورۂ رعد کا ختم سات بار ہے۔ اس سورۂ پاک کو دشمنانِ دین کے خوف وہراس کے لئے پڑھنا چاہیئے۔

سورۂ حج ستر دفعہ مرگی اور جنوں کے مریضوں پر دم کرنے سے فی الفور شفا ہوتی ہے۔

سورۂ نحل کا وظیفہ دن میں دس مرتبہ ہے۔ جو کچھ خدا سے مانگے گا ملے گا۔

سورۂ بنی اسرائیل دن میں دس بار پڑھنی چاہیئے۔

سورۂ کہف کا ختم شریف چالیس دفعہ ہے۔ ہر جمعہ کو اپنی تمام مشکلات کیلئے پڑھے۔

مال و دولت کی فراوانی اور امورِ عظیمہ کے لئے سورۂ مریم ہر روز بیس دفعہ بلا ناغہ پڑھنا چاہیئے۔

سورۂ طٰہٰ شب جمعہ کو تین مرتبہ پڑھنے سے ایسا معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ خود کلام فرما رہے ہیں۔

مقہوریِ دشمناں کے لئے سورۂ انبیاء کا ختم پچھتر بار کرنا چاہیئے۔

دین و دنیا کی نجات اور زکوٰۃ دینے والوں کی دریافت کے لئے قد افلح المؤمنون سات مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔

سورۂ نور کا ختم تمام مصیبتوں کو دُور کرنے کے لئے روزانہ سات دفعہ کرنا چاہیئے۔

فرمایا، سورۂ فرقان سات مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔

ختم سورۂ شعراء پچھتر مرتبہ ہے۔ دشمنانِ دین کے دُور کرنے کے لئے پڑھنا چاہیئے

شکر نعمتِ خداوندی کے طور پر سورۂ نمل پڑھنا چاہیئے۔

قصص الانبیاء کا ختم شریف دس دفعہ کا ہے۔ جتنا ثواب انبیائے کرام کو ہوگا

اتنا ہی ثواب اس سورہ پاک کے قاری کو ہوگا۔

وسواس شیطانی دُور کرنے کے لئے سورۂ عنکبوت دس مرتبہ پڑھنے کا التزام کرے۔

دفع دشمن کی نیت سے سورۂ الروم اکیس بار پڑھنے کا حکم ہے۔

دین و دُنیا کی سعادتیں حاصل کرنے کے لئے سورۂ لقمان ستر دفعہ۔

شہادت کا درجۂ عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے سورۂ السجدہ۔

الم نشرح کی سورہ پاک کا ختم پچھتر دفعہ برائے امور مشکلہ۔

سورۂ سبا کا ختم اکتالیس مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور دشمنوں سے صلح کرنے کے لئے۔

تمام مصیبتوں سے حفاظت اور بزرگوں کے ایصالِ ثواب کیلئے سورۂ فاطر ستر مرتبہ۔

اور ہر مشکل کام کو آسان بنانے کے لئے سورۂ یٰسین کا ختم کفایت کرتا ہے۔

امن و امان میں رہنے کے لئے سورۂ والصّٰفّٰت اکیس بار۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! سورۂ تنزیل الکتاب جمعرات کو پانچ مرتبہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں سستی و غفلت دُور کرنے کے لئے پڑھیں۔

ظالموں کے دفع کرنے کے لئے سورۂ سجدہ کا ختم دس دفعہ کرنا چاہیئے۔

سورۂ حٰم عسق تمام مصیبتوں کے دفعیہ اور سعادت کے حصول کے لئے۔

حفظِ ایمان کے لئے سورۂ زخرف اکیس بار سعادت اندازی کے لئے

اسرارِ الٰہی کے ظہور کے لئے سورۂ محمد کا ختم پاک ام بار کرنا چاہیئے۔

جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز یہاں تک پہنچے۔ فرمایا۔ اے درویش! عاقل تلاوت قرآن سے غافل نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس قرآن کریم کا ایک ایک حرف اپنے اندر اسرار و انوار کے بحرِ ذخار رکھتا ہے۔ جب کسی چیز سے نعمت الٰہیہ کا ظہور ہو تو انسان کیسے اپنے آپ کو اس سے محروم رکھ سکتا ہے۔ فرمایا۔ دوسری سورِ قرآنی کے ختم شریف کے بارے میں کسی اور دن خدا کی توفیق و رضا سے بیان کیا جائے گا۔ جب یہ سلسلہ گفتگو

مکمل فرمایا۔ اٹھے اور اندر تشریف لے گئے۔ اور عام لوگ اور یہ دعاگو (راقم ملفوظات شریف) واپس آگئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

ساتویں فصل

ذکر فضیلت سورۃ اخلاص

جب پابوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے صاحبزادے، مولانا ناصح الدین شیخ جمال الدین ہانسوی، شمس تبریز اور چند اور صوفی حاضر خدمت تھے۔ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ کہ جو ختم قرآن پاک کا ثواب حاصل کرنا چاہے۔ اُسے چاہیئے کہ رات کو پچیس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ لے۔ گویا اُس نے پورا قرآنِ پاک ختم کر لیا۔ سورۂ اخلاص تمام وحدانیتِ خدا پر مشتمل ہے۔ قل ھو اللہ احد خداوند کریم کی صفت عالیہ ہے۔ جو شخص یقینِ کامل کے ساتھ اس سورہ مبارکہ کی تلاوت کرے گا صفاتِ خداوندی سے متصف ہو جائے گا اگرچہ وہ ذات پاک کسی صفت میں سما نہیں سکتی۔

فرمایا۔ ایک دفعہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا۔ کہ اے ساتھیو! جب تک یہ کام نہ کر لو رات کو ہرگز نہ سونا۔ اوّل: جب تک قرآن پاک نہ ختم کر لو۔ دوم: جب تک راہ خدا میں جہاد نہ کر لو۔ سوم: جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش نہ کر لو۔ چہارم: جب تک حج نہ کر لو۔ پنجم: جب تک خدائے کریم کو راضی نہ کر لو۔ جب رسول کریم نے یہ پانچ باتیں پوری کیں، صحابہ کرام نے حیران ہو کر عرض کیا، حضورؐ! یہ پانچوں باتیں ایک رات میں کیسے ممکن ہیں۔ فرمایا۔ ممکن ہیں۔ جو شخص رات کو ختم قرآن کرنا چاہتا ہے پچیس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے۔ گویا اُس نے قرآن

پاک ختم کیا۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ دس بار کلمہ سبحان اللہ کہہ لے۔ تو اُس نے گویا جہاد کیا۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مجھ سے خوش ہو جائیں سو دفعہ درُود شریف ہماری بارگاہ میں بھیجے۔ گویا ہم اس سے راضی ہو گئے۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ ہر روز حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو اُسے چاہیئے کہ رات کو سو دفعہ یہ کلمہ شریف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَکِیْمُ الْکَرِیْمُ پڑھ لے۔ اُسے حج کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص خدائے کریم کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ رات کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کثرت سے پڑھے۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! ایک دن میں ایک بیمار کی عیادت کے لئے گیا۔ میں نے سورہ فاتحہ و اخلاص دم کیں۔ اُس کی بیماری صحت میں بدل گئی۔ ایک دفعہ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ مشرقی علاقے میں موتہ نام دریا تھا۔ اُس کے کنارے جب پہنچے۔ تو وہاں کوئی کشتی وغیرہ نہ تھی۔ کہ جس سے دریا عبور کریں۔ اور وہ جگہ از حد خوفناک تھی۔ قطب الاقطاب قدس سرہ مسکرائے۔ اور مجھے فرمایا۔ فرید! آؤ پار کریں۔ میں نے عرض کیا۔ زہے نصیب۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ اس راستے میں کشتی بھی نہیں ہے۔ تو کیسے یہاں سے گزروں گا۔ ابھی یہ خیال میرے دل میں پیدا ہُوا ہی تھا کہ میں نے اپنے آپ کو حضرت خواجہ کے ہمراہ دریا کے پار دیکھا۔ میں نے دوسرے کنارے حضرت خواجہ سے استفسار کیا۔ کہ حضور! یہ کیسے واقع ہوا۔ فرمایا۔ جب ہم دریا کے کنارے پہنچے کشتی موجود نہ تھی۔ میں نے سورۂ اخلاص پڑھی اور دریا کو دم کر دیا۔ خدائے قدوس کے حکم سے دریا شق ہو گیا اور ہم گذر گئے۔

سورۂ اخلاص کا ختم پاک (سورۂ اخلاص ثلث قرآن ہے)

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو صاحب طریقت ہیں سورۂ اخلاص

کو قرآن کا ثلث قرار دیا ہے۔ اس سورہ پاک کا ختم تین بار ہے۔ یہ جو قرآن پاک کے ختم کے بعد اس کو تین بار پڑھنے کا معمول ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ اگر قرآن عظیم کی تلاوت میں کہیں کوئی نقص یا خامی رہ گئی ہو۔ سورۂ اخلاص کے پڑھنے سے یہ کمی دُور ہو جائے اور ختم قرآن مکمل ہو جائے: ختمِ قرآن کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقر کی چند آیات تلاوت کی جاتی ہیں ان میں حکمت یہ ہے۔ کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ایک دفعہ پوچھا گیا۔ کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا "الحال المرتحل" حال اس شخص کو کہتے ہیں جو منزل میں پہنچا ہو اور مرتحل جو منزل سے روانہ ہو گیا ہو۔ اور یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جب انسان قرآن پاک ختم کرتا ہے تو گویا منزل میں آتا ہے۔ جب پھر شروع کرتا ہے۔ گویا پھر روانہ ہو گیا۔ چنانچہ بہترین انسان وہ ہے کہ جب وہ ختم قرآن شریف کرتا ہے تو پھر آغاز کر دیتا ہے۔ رسول کریمؐ نے اُسی کی صفت "الحال المرتحل" کی بیان فرمائی ہے۔

فرمایا۔ میں نے اپنے استاد مولانا بہاؤ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک دفعہ خواجہ تمیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ حبشیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ اور وہ حبشی آپ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے سات سال آپ کو مقید رکھا۔ جس دن آپ کو ہلاک کرنے کا مقرر کیا گیا تھا۔ اپنے پیر خواجہ ابو سعید ابو الخیر کو خواب میں دیکھا۔ فرما رہے تھے کہ آپ کو جب حبشیوں کے سردار کے پاس لے جائیں تو تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنا اور اُس پر پھونک مار دینا۔ آپ اس خواب کی ہیبت سے بیدار ہوئے۔ جب آپ کو حبشیوں کے سردار کے روبرو لے گئے۔ آپ نے تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھی اور اُس پر دم کر دی۔ جونہی اُس نے خواجہ کو دیکھا خواجہ کے پاؤں پر گر پڑا اور کہا مجھے نجات دیجئے تاکہ میں آپ کو رہا کروں۔ خواجہ انصاری نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ آپ کے پہلوؤں میں دو اژدھا کھڑے ہیں۔ اور مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ خواجہ

تیم نے فرمایا۔ میں نے تجھے معاف کر دیا۔ جب آپ کی رہائی ہوئی تو وہ دونوں ناگ بھی غائب ہو گئے ہیں۔

فرمایا۔ شیخ جلال الدین تبریزی اور میں ایک دفعہ اکٹھے بیٹھے تھے۔ مولانا علاؤ الدین صوفی سامنے سے گزرے۔ شیخ کی نظر اُن پر پڑی اُن کو بلایا اور اپنا لباس عطا کیا۔ پانچ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھی اور ان پر دم کی۔ حق تعالیٰ نے مولانا علاؤ الدین کو بے شمار برکت اور نعمت عطا کی۔ شیخ جلال الدین تبریزی کی برکت سے ان کی قسمت بیدار ہوئی۔

ایک دن خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے آدمیوں کے ہاتھوں بھاگے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ خواجہ حبیب عجمی رضی اللہ عنہ کی خانقاہ پر پہنچے۔ آپ نے پوچھا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا حجاج کے آدمی میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ خواجہ حبیب عجمی رضی اللہ عنہ نے کہا اندر تشریف لے جائیے۔ جونہی کہ آپ اندر گئے خواجہ حبیب ورد میں مشغول ہو گئے۔ حجاج کے آدمی آئے۔ خواجہ حبیب سے پوچھا کہ حسن کہاں ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہیں نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب حجاج کے آدمی اندر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب آپ کے اور اُن کے درمیان پیدا کر دیا۔ کہ وہ خواجہ حسن کو نہ دیکھ سکے۔ واپس لوٹتے ہوئے انہوں نے خواجہ حبیب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس جھوٹ پر حجاج آپ کو قتل کر دے گا۔ غرضیکہ جب وہ چلے گئے۔ خواجہ حسن بصری باہر آئے۔ تو خواجہ حبیب کو فرمایا۔ آپ نے اچھا حق استادی ادا کیا۔ کہ مجھے اُن پر ظاہر کر دیا۔ خواجہ حبیب نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر میں سچ نہ کہتا وہ آپ کو اور مجھے دونوں کو گرفتار کر لیتے۔ پھر خواجہ حسن بصری نے پوچھا کہ جب میں اندر گیا اُس وقت آپ نے کچھ پڑھا۔ انہوں نے کہا ہاں، اور اسی کی برکت سے آپ خدا کی حفاظت میں رہے۔ پوچھا وہ کیا وظیفہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے دس بار سورہ اخلاص پڑھی اور آپ پر دم کر دی۔ وہ پردہ جو آپ کے اور ان کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ اسی سورہ اخلاص کی برکت سے تھا۔

فرمایا۔ ایک دفعہ میں ذکر وشغل میں مشغول تھا۔ جب میں سورہ اخلاص پر پہنچا تو مجھ پر انوارِ تجلی نازل ہونے شروع ہوئے۔ میں دریائے عشق و محبّتِ حق میں سات شبانہ روز محو رہا اور پھر عالم ہوش میں آیا۔ اسی مقام پر ارشاد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایک دن میں خیبر کی لڑائی میں میں مشغول تھا۔ جتنی میں نے کوشش کی فتح کی صورت نہ پیدا ہوئی اور باب خیبر نہ کھلا۔ میں تھک ہار کر عاجز ہوا۔ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں خط لکھا۔ جواب آیا۔ اے علی! کیا تم سورہ اخلاص پڑھنا بھول گئے تھے جب یہ جواب باصواب آیا۔ میں نے سورۂ اخلاص پورا ایک دن پڑھی۔ جب دوسرا دن آیا۔ میں نے باب خیبر فتح کر لیا۔ بلکہ اُسے بنیاد سے اکھاڑ کر چالیس قدم دور پھینک دیا۔ جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا سلسلہ گفتگو یہاں تک پہنچا۔ اذان کی آواز آئی اٹھے اور تیزی سے اندر چلے گئے اور خلق خدا مع اس دعاگو (مرتب) کے گھروں کو واپس ہوئی۔

آٹھویں فصل

ذکر خرقہ وفقر

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی دولتِ پابوسی سے مشرف ہوا۔ ایک جماعت یارانِ طریقت کی حاضر خدمت تھی۔ زبانِ فیض نشان سے یہ کلمات طیبات جاری تھے۔ گلیم وصوف انبیائے کرام علیہم السّلام کا لباس ہے۔ اس لئے اے درویش! یہ لباس اُسی کو زیبا ہے جس کا ظاہر وباطن صاف ومصفّٰی ہو۔

لفظ "صوفی" کی تشریح

صوفی وہ شخص ہوتا ہے کہ بشریت کی کوئی میل یعنی دنیا کی کوئی آلودگی اُس میں نہ ہو۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم سے روائیت ہے کہ گلیم وصوف پہننا پیغمبروں کی سنت ہے۔ جب کبھی انبیائے کرام واولیائے عظام میں سے کسی کو کوئی حاجت آپڑتی یا امرِ مہم میں مصروف ہوتے فوراً گلیم کو کندھوں پہ ڈالتے اور صوف کو سامنے رکھتے۔ اور اُس بے نیاز خدائے واحد کی درگاہ میں مناجات کرتے اور اسی گلیم وصوف کا واسطہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ان کی حاجت کو پورا کر دیتے۔

خرقہ کی تحقیق

ایک دفعہ بغداد کی مسجد کہف میں حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ اور اہل صفا میں سے چند بزرگ جمع تھے اور موضوع گفتگو خرقہ کے بارے میں تھا۔ کہ یہ کہاں سے ہے۔ اور اس کی اصل کیا ہے۔ اس دوران تمام بزرگ سوچ میں پڑ گئے۔ اور حیرت میں تھے کہ کوئی گفتگو نہ کر سکا۔ پھر حضرتِ خواجہ عبداللہ سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بعض مشائخ کے نزدیک خرقہ عطا کرنا حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ جس وقت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کو منجنیق میں بٹھا کر آگ میں پھینکا گیا حضرت جبریل امین۔ بہشت سے ایک کرتہ لائے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا۔ وہی خرقہ تھا۔ پھر وہ حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام کو پہنایا گیا اور اُن کے بعد حضرت سیدنا یعقوب اور حضرت سیدنا یوسف علیہم السلام یکے بعد دیگرے اُسی خرقہ مبارکہ سے نوازے گئے۔ لیکن بعض حضرات یہ روائیت کرتے ہیں کہ جب برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اُن کو کنوئیں میں ڈالا۔ جبریل امین جو تعویذ لائے تھے اُسے کرتہ بنا کر سیدنا یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا۔ لیکن محققین صوفیہ کے نزدیک یہ بات تسلیم کی گئی کہ خرقہ دراصل دربار خداوندی کا عطیہ ہے۔ جو کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش مبارک پر اُن کو پہنایا گیا۔

پس یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ خرقہ عطیہ خداوندی ہے۔ جو شخص بغیر خرقہ۔ مقراض۔ صحبت۔ ارادت اپنے آپ کو مرید گردانے گمراہ ہوتا ہے۔ مرید نہیں ہوتا۔ اور جو شخص خرقہ

معراج کا منکر ہوتا ہے۔ وہ اہل سلوک اور مشائخ تصوف کے ہاں صدیق نہیں ہوتا بلکہ زندیق ہوتا ہے۔

فرمایا۔ ہمارے خواجگانِ کرام (مشائخ چشت اہل بہشت) کے نزدیک خرقہ کی اصل دربار خداوندِ کریم جل وعلا سے ہے۔ کیونکہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شبِ معراج حضرت الٰہی سے خرقہِ صفا سے نوازا گیا۔ اور فرمایا گیا کہ یہ خرقہ اپنے اصحاب میں سے سردارِ صوفیار۔ کے سپرد کیا جائے تاکہ راہِ سلوک میں وہ آپ کا نائب مناب بنے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب تشریف لائے تو اِس خاص علم (سلوک) کے بارے میں صحابہ کرام سے سوال کئے۔ لیکن کوئی بھی حسب خواہش جواب نہ دے سکے۔ جب مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ، کی باری آئی۔ آپ نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب باصواب دیا۔ سوال یہ تھا کہ اگر یہ خرقہ آپ کو عطا کروں تو آپ کیا کریں گے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ، نے عرض کیا۔ حضور! اگر آپ اس خرقہِ صفا سے مجھے نوازیں گے تو میں پردہ پوشی کروں گا اور اپنے بھائیوں مسلمانوں اور بندگانِ خدا کی عیب پوشی کیا کروں گا۔ پس سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خرقہ مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہ، کے سپرد کر دیا۔ اور سیدنا علی مرتضیٰ سے اس خرقہ نے چار دانگ عالم میں نفوذ و اشاعت پائی۔

خرقہ پوشی کا مجاز۔

اس مقام پر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میں سفر بغداد کے دوران حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے حضور حاضر تھا۔ دوسرے احباب شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ بہاء الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین سیوستانی بھی موجود تھے۔ اور خرقہ پوشی کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحبزادہ صاحب جو شیخ بہاء الدین سہروردی کی تربیت میں تھے۔ حاضر ہوئے۔ آداب بجا لا کر عرض کی کہ مجھے خرقہ مبارک سے نوازا جائے۔ شیخ

شہاب الدین سہروردی نے اُن سے فرمایا۔ آج معذرت خواہ ہوں کل صبح آیئے آپ کو خرقہ دے دیا جائے گا۔ جب رات ہوئی۔ صاحبزادے نے خواب میں دیکھا کہ دو درویشوں کی گردن میں آگ کی زنجیر ڈالے ہوئے فرشتے عالم بالا کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرشتوں کے دامن کو پکڑ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ فرشتوں نے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا کہ یہ پیر ہے اور وہ مرید ہے۔ اس پیر نے خرقہ دیا تھا اور اُس مرید نے خرقہ کا حق ادا نہ کیا۔ گلیوں اور بازاروں میں دنیاداروں اور بادشاہوں کی صحبتوں میں رہ رہ کر اور پھر پھر کر اس نے خرقہ صفا کی توہین و تذلیل کی۔ ہمیں حکم ہوا ہے کہ اِس تاریک دل پیر کو اور اس گمراہ مرید کو آگ کی زنجیر میں گھسیٹ کر لایا جائے۔ اور جہنم میں پھینک دیا جائے جب صاحبزادہ نے یہ خواب دیکھا۔ فوراً بیدار ہوئے اور شیخ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مسکرائے اور ارشاد فرمایا۔ تو نے خرقہ پوشوں کا حال دیکھا بیٹے۔ خرقہ پوشی اُسے ہی زیب دیتی ہے جو ہر دو عالم سے سلسلۂ تعلقات منقطع کرے اور اپنے مشائخ کے طریقہ پر چلے۔ اور تُو تو ابھی ستر حجابوں میں ہے۔ تیری خرقہ پوشی کا وقت نہیں آیا۔ واپس چلا جا۔ ورنہ وہی پیش آئے گا جس کو تُو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ اے درویش! جب تک انسان اپنے باطن کو دنیا کی اغذیہ و آلائشات سے صاف نہیں کرتا۔ اُس کی خرقہ پوشی نہیں کرنا چاہیئے۔ اور پیر کو چاہیئے کہ جب تک مرید کے زنگ آلود باطن کو اچھی طرح پاک و صاف بلکہ شفاف نہ کر لے۔ خرقہ عطا نہ کرے۔ کیونکہ خرقہ تو انبیاء و اولیاء کی پوشاک ہے۔ جب وہ آلائش دنیا میں ملوث ہو گا تو حق خرقہ پوشی کو بجا نہ لا سکے گا۔ وہ مجبوراً گمراہ ہو گا اور اپنے مریدوں کو بھی گمراہی کی دلدل میں پھنسائے گا۔

خرقہ پہننا آسان ہے۔ لیکن کام کرنا اور اُس کا حق بجا لانا بہت مشکل ہے۔ اگر محض خرقہ پوشی ہی سے لوگ نجات پا جاتے تو سب لوگ خرقہ پہن لیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔

اگر آپ خرقہ پہنیں گے تو اُس کے شایان شان سیرت بھی اختیار کرنی ہو گی۔ اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ہو گا۔ وہ لوگ جنھوں نے یہ مبارک لباس پہنے تھے وہ خود بھی نجات پا گئے تھے اور دوسروں کی نجات کا سبب بنے تھے۔ اور اے عزیز! اگر آپ اس کا حق ادا نہ کر سکے تو گمراہی کی وادی میں بھٹکنا آپ کا مقدر ہو گا جس سے باہر نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ آج اگر خرقہ پہن کر اس کے لوازمات کو آپ نے پورا نہ کیا تو کل قیامت کے دن یہی خرقہ داورِ محشر کی جناب میں مدعی ہو گا کہ اس شخص نے جب مجھے پہننے کا ادعا کیا تھا تو میرے حقوق کیوں بجا نہ لایا۔ اُس وقت فرشتوں کو حکم ہو گا۔ اس مکار کی گردن میں آگ کا خرقہ ڈالو۔ اور دوزخ میں لے جاؤ۔

فرمایا۔ اے درویش! اگر آپ کو خرقہ پہننے کا شوق ہے۔ تو خداوند کریم جل و علا کی رضا کے لئے پہنیں، مخلوق خدا کو دکھانے کے لئے نہیں کہ وہ آپ کی عزت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن آپ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔

پیر روشن ضمیر کے فرائض

حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے فرمایا۔ اے درویش! سلوک کے اس مقدس راستے میں پیر کے اندر قوت ذاتی اور ضمیر روشن کا ہونا از بس لازمی ہے۔ جب کوئی شخص اُس کی خدمت میں ارادت کی نیت سے حاضر ہو۔ وہ اپنی نظر معرفت سے دیکھ سکے کہ اُس کے دل کی ہر سہ تہوں میں کیا ہے اور عرفان کی روشنی سے مرید کے باطن کو آلائش ہائے دنیا و مافیہا سے مصفا و مطہر بنا دے۔ اور کچھ عرصہ اُسے حضرت حق میں ریاض و مجاہدہ کروائے اُس کے بعد جب دنیوی خواہشات کی کوئی میل کچیل اُس کے وجود بھی باقی نہ رہے۔ تو اُسے خرقہ پوشی سے نواز دے اس میں مضائقہ نہیں۔ اگر پیر خود ہی صاحب استعداد نہ ہو تو گویا اُس نے اُس شخص کو کلاہ و خرقہ دے کر گمراہی کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا اور خود بھی گمراہ ہوا۔ خرقہ و کلاہ کا حامل تو ایسا شخص ہی ہو سکتا ہے جو مجاہدہ کرنے اور

اولیاء کی محبت سے اپنے وجود کو پاک وصاف بنالے۔

اسی مقام پر حضرت اقدس قدس سرہ العزیز نے حکایت بیان فرمائی۔ کہ جب ہمارے بھائی مولانا بہاؤ الدین زکریا ملتانی علوم معرفت اور کار عشق ومحبت کی تکمیل فرماکر اپنے مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تین دن خدمتِ اقدس میں گذارے چوتھے روز خرقہ مصلیٰ۔ عصا۔ نعلین۔ عطا فرمائیں اور حکم دیا کہ جاؤ ہم نے ملتان کی ولایت تمہیں بخشی۔ حاضرین سب کے سب حیران ہوتے۔ اور کہنے لگے۔ کہ یہ ہندوستانی آیا ہے اور تین دن میں ولایت کے درجے پر فائز ہوگیا ہے۔ ہم اتنے سالوں سے شیخ کی خدمت میں ہیں اور ویسے کے ویسے ہیں۔ جب یہ بات شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ اے درویشو! بہاؤ الدین اپنا کام مکمل کر کے آیا ہے۔ خشک لکڑی لایا ہے۔ تین روز ہی میں پھونک سے جل پڑی۔ تمہارا ایندھن گیلا ہے۔ عشق کی آگ لگنے میں وقت درکار ہوگا۔

فرمایا۔ خرقہ وہ پہنے جو مخلوق خدا کی عیب بینی سے آنکھوں کو سی لے۔ ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے حوض شمسی پر مشائخ کی ایک جمعیت کے سامنے شیخ شاہی موتاب رحمۃ اللہ علیہ کو خرقہ مبارکہ عطا فرمایا۔ فوراً شیخ موزہ دوز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آدمی بھیجا کہ آج ہم نے شیخ شاہی موتاب کو خرقہ دیا ہے۔ آپ کو پسند ہے یا نہیں۔ شیخ محمود موزہ دوز نے کہلا بھیجا کہ آپ کی پسند ہماری پسند ہے۔ کیونکہ جس شخص کو آپ نے خرقہ عطا کیا ہوگا وہ اس کا اہل ومستحق ہوگا۔ وگرنہ آپ کیوں دیتے۔

پھر فرمایا ایک دفعہ فقیر شام کے علاقے میں سفر کر رہا تھا۔ وہاں شہر میں ایک بزرگ کا پتہ چلا۔ میں ان کی خانقاہ میں گیا۔ وہ بزرگ بڑے ذاکر وشاغل تھے۔ میں نے سلام کیا جواب دیا اور فرمایا بیٹھ جائیں۔ تھوڑی دیر بعد بزرگ موصوف کے چند خرقہ پوش مرید آئے۔ انہوں نے اپنی ٹوپیاں زمین پر رکھ دیں۔ پھر ایک اور درویش

آیا۔ اور وہ بھی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے بزرگ موصوف نے سر جھکایا اور پھر بات کا آغاز کیا کہ میں اس درویش کو خرقہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ ہم سب نے تعظیماً جھک کر عرض کیا۔ آپ کی جو رائے ہے وہی ہم سب کی رائے ہے۔ جو بات آپ پسند فرماتے ہیں ہم ہزار بار پسند کرتے ہیں پھر یہ لوگ ایک دوسرے کے موافقِ طبع و مزاج احوال و کیفیات پر گفتگو کرنے لگے۔ وہ درویش جسے خرقہ خلافت سے نوازا جانا تھا۔ اُس نے بھی بغیر پوچھے کچھ احوال یارانِ طریقت کے مخالف و ناموزوں کہنے شروع کر دئے۔ بزرگ موصوف اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ جب فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس درویش کو واپس بھیج دو۔ کہ یہ خرقہ کے لائق نہیں ہے۔ یہ جھوٹا اور مخالف آدمی ہے، خرقہ اسے زیب نہیں دیتا۔

حضرت نے فرمایا۔ دراصل خرقہ فی نفسہا کوئی قابل اعتبار شے نہیں۔ کیونکہ خرقہ کا اگر اعتبار ہوتا تو تمام دنیا خرقہ پوش ہو جاتی۔ خرقہ کا اعتبار تو اُس انسان سے ہے جس نے اسے اوڑھ لیا۔ چنانچہ معراج مقدس کی شب جب سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خرقہ مبارکہ پہنایا گیا تو فرمان ہوا۔ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ اس خرقہ سے آپ کا شرف بڑھایا گیا ہے، بلکہ آپ کے شرف و مجد کی نسبت سے یہ خرقہ شرفیاب ہوا ہے۔ اسلئے اے عزیز! جو خرقہ کا حق ادا نہیں کرتا اور اہل خرقہ کی سیرت کو نہیں اپناتا وہ انسان اعتبار کے لائق نہیں۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خرقہ کا اعتبار ہوتا تو یہ آگ اور لوہے سے بنایا جاتا۔ مگر ہر روز ہمارے سر میں تو یہ ندا آتی ہے۔ لا اعتبار بالخرقتہ (خرقہ کا کوئی اعتبار نہیں)۔ اسی لئے قیامت کے دن ایسے خرقہ پوشوں کی کثیر تعداد ہو گی جن کی گردنوں میں آگ کے زنجیر ہوں گے۔

خرقہ پوش صوفیاء کے احوال و کیفیات | حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا

کہ ایک دن خواجہ داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، کہ ایک قباپوش بزرگ اُن کی زیارت وملاقات کے لئے تشریف لائے۔ سر جھکا لیا، اور بیٹھ گئے۔ جب بھی خواجہ داؤد طائی اُس بزرگ کو دیکھتے مسکرا پڑتے پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا خرقہ پوش اصحاب میں جو نعمت میں تلاش کیا کرتا تھا ان صاحب میں مجھے مل گئی۔ اس مقام پر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمانے لگے۔ جس وقت خرقہ پوش حضرات عالم سماع میں خرقہ چاک کر دیتے ہیں۔ اور دوستی ومحبت حق کے سمندر میں شناوری کرتے ہیں۔ عشق حبیب میں ایسے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ زندگی کے آثار کا ایک ذرہ اُن میں موجود نہیں ہوتا۔ محبّت کی بھٹی میں ایسے پگھل جاتے ہیں کہ اُن کا نام ونشان تک صفحہ ہستی پر باقی نہیں رہتا۔ اُس وقت رشک وغیرت کی انتہا سے یہ خرقہ پوش دوئی کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں۔ یہ صاحب حال لوگ ہوتے ہیں کہ جو محبوب حقیقی کے عشق میں محو ومستغرق ہوتے ہیں۔ یہ دو مصرعے ایک بزرگ کے مجھے یاد ہیں:

بیت: خرقہ پوشانِ محبت را دوتائی چاک زد
تامن اندر کوئے وصلت لدفِ یکتائی زدم

محبت کے خرقہ پوشوں نے دوئی کے پردے چاک کر دئے۔ تبھی تو میں تیرے وصال کی گلی میں وحدت کی باتیں کر رہا ہوں۔

فقیری ودرویشی

اُس کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے فقیری ودرویشی کے بارے میں بیان فرمایا۔ درویش اُسے کہتے ہیں جو روزانہ فتوحات کو شام تک خرچ کر دے۔ یہاں تک کہ رات کے لئے کوئی رقم باقی نہ رہے اور اگر رات ہے تو دن کے لئے کچھ باقی نہ رہے، سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ ایسے لوگ درویش کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے ہیں۔ جو لنگوٹی باندھ کر چمڑے کی تھیلی گلے میں ڈال کر گلی گلی روٹی کے دو لقموں کی خاطر پھرتے رہتے ہیں اور اپنے

بجیسے انسانوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ درویشی کا سرمایہ ناز ہیں جو اپنے مسند سے جدا نہیں ہوتے اور لطیف لباس زیب تن کرتے ہیں اور جو موجود ہو اُس سے کھانا تیار کرا کے درویشانِ خدا کی تواضع کرتے ہیں۔ اور کچھ بچا کر نہیں رکھتے۔ جو ملتا ہے اُسے آگے پہنچا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! درویشی کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اٹھارہ ہزار دُنیاؤں کا زر و سیم درویش کے ہاتھ میں تھما دیا جائے تو وہ سب کا سب اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کر دے۔ اِسے درویش کہتے ہیں۔

درویش کا مقام

فرمایا۔ درویش کے ستر ہزار مقامات ہیں۔ جب تک وہ ان میں سے نہ گزرے اور ہر مقام سے بہرہ وافر حاصل نہ کرے اُسے درویش نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کائنات کے بھی ستر ہزار عالم ہیں جب تک درویش ان میں سے ہر عالم سے واقفیت حاصل نہ کر سکے درویش نہیں کہلا سکتا وہ درویش کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ یعنی شکم پروری کے لئے لبادۂ درویشی اوڑھا ہوا ہے۔ درویش کو ان مقامات میں ہر جگہ خوف و رجا سے سامنا ہوتا ہے۔ ہر مقام پر آزمائشوں کا ایک ہجوم اُس پر نازل ہوتا ہے۔ تاکہ درویش کے استقلال و استحکام کی آزمائش کرے۔ اگر وہ ذرہ برابر حدِ استقامت سے تجاوز کر بیٹھے تو وہ مقام اُس سے لے لیا جاتا ہے۔ اور اسے نکال دیا جاتا ہے۔ مگر وہ درویش جو صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتا ہے اور ان ابتلاؤں پر خوش ہوتا ہے۔ اُس کی ترقی ہوتی ہے۔ اور اُس کا کام اٹھارہ ہزار دنیاؤں میں سے گذر کر عالم بالا کی طرف راہ پیما ہو جاتا ہے۔ پس اس قسم کے انسان کو اہل سلوک کے ہاں درویش کہتے ہیں۔ ان ستر ہزار مقامات میں سے جب درویش مقام اولین سے گزرتا ہے۔ اپنے آپ کو عرش عظیم کے گرد کھڑے دیکھتا ہے۔ عرش مکینوں کی معیت میں نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔ جب لوٹتا ہے تو خانۂ کعبہ میں ہوتا ہے۔

جب واپس اپنی دنیا میں آتا ہے تو اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ تمام کائنات کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ حال تو پہلے مقام کا ہے۔ مگر جب درویش ستر ہزار مقامات کو طے کر لیتا ہے تو اس کا حال وہم و فہم انسانی سے ماورا ہوتا ہے۔ اور اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ غیریت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور یہی مقام بندہ و مولا کے درمیان ایک راز ہے جس راز کو کوئی اور نہیں جان سکتا۔ شیخ الاسلام نے یہ فرمایا، نعرہ مارا اور یہ مثنوی ارشاد فرمائی۔

مثنوی: چو درویش را کار بالا کشید بیک لحظہ سر ور ثریا کشید
چناں غرق گردد بدریائے عشق کہ یک دم سراز عشق بالا کشید

جب درویش کے احوال ترقی پذیر ہوئے تو ایک لحظہ میں اُس کا مقابلہ ثریا سے بلند تر ہو گیا۔ پھر ایک لحظہ کے لئے سر دریائے عشق سے بلند کیا اور دوبارہ اُسی کی گہرائیوں میں کھو گیا۔

ایک دفعہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ عالم شوق و اشتیاق میں مشغول تھے اور آنکھوں سے خون جاری تھا۔ جب عالم محو میں آتے تو فرمایا۔ اُس لمحے میں نے ایک قدم اٹھایا تھا تو عرش عظیم پر پہنچ گیا۔ میں نے عرش کو آواز دی الرحمٰن علی العرش استوی (رحمٰن عرش پر جلوہ افروز ہیں)۔ اے عرش! پتہ چلا ہے کہ وہ محبوب تجھ پر جلوہ افروز ہے۔ عرش نے جواب دیا۔ اے بایزید! بات کہنے کی جا نہیں۔ اُس بے نیاز حقیقت مآب جل جلالہ کا پتہ تو تیرے دل کے عرش میں بتایا جاتا ہے۔ حیران ہوں اکثر عالم ملکوت کے لوگ زمین والوں کے ہاں اُس محبوب کا پتہ بتلاتے ہیں اور اکثر زمین والے آسمان والوں سے اُس کا نشان پوچھتے ہیں۔ اس بات سے درویش کے مقام و مرتبہ کا اظہار مقصود ہے۔ کہ مرد درویش ایک قدم میں عرش عظیم سے بلند تر مقام پر رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ میرے بھائی شیخ جلال الدین تبریزی بداؤں کے قاضی نجم الدین سنامی کے پاس

سے گزرتے ہوئے پوچھا. کہ قاضی نجم الدین کیا کر رہے ہیں. لوگوں نے کہا نماز پڑھ رہے ہیں. آپ نے پوچھا کیا وہ نماز پڑھنا جانتے ہیں. یہ بات قاضی نجم الدین نے سن لی. شیخ کے پاس آئے اور کہا آپ نے یہ کیا بات کی ہے. حضرت شیخ نے فرمایا میں نے ٹھیک کہا ہے. کیونکہ علمار کی نماز اور ہے اور فقرار کی نماز اور ہے. قاضی نے پوچھا وہ کیسے، فرمایا. علمار اگر قبلہ کو سامنے نہ رکھیں تو اُن کی نماز نہیں ہوتی. جب قبلہ نہ معلوم ہو تو اُن کا دل قبلہ کی جو سمت متعین کر دے اُس طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں. لیکن فقرار جب تک عرش الٰہی کو اپنے سامنے نہیں پاتے نماز ادا نہیں کرتے. قاضی نجم الدین واپس آگئے. رات کو قاضی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین تبریزی عرش پر جانماز بچھائے نماز ادا فرما رہے ہیں. اس منظر کی ہیبت سے قاضی صاحب بیدار ہوگئے. شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے معذرت کی. اور عرض کی میری تقصیر معاف فرمائیں. شیخ نے فرمایا. اے نجم الدین! یہ منظر جو تو نے دیکھا کہ جلال الدین بر سر عرش نماز ادا کر رہا ہے یہ درویشوں کا ادنیٰ ترین مقام ہے. درویش کامل کا مقام تو اِس سے کہیں بڑھ کر ہے. اگر ظاہر کروں تو تُو قائم نہ رہ سکے. اور شدّتِ نور سے ہلاک ہو جائے.

اسی موقع پر ایک اور حکایت زبان فیض ترجمان سے بیان فرمائی. کہ ایک دفعہ میں بغداد شریف کی طرف سفر کر رہا تھا. دجلہ کے کنارے میں نے بزرگان دین میں سے ایک کو پانی کی سطح پر مصلیٰ بچھائے نماز ادا کرتے دیکھا. جب نماز سے فارغ ہوئے تو سجدے میں سر رکھا اور مناجات شروع کی. اے اللہ! خضر (علیہ السلام) گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں انہیں توبہ کی توفیق عطا فرما. اسی دوران حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نمودار ہوئے. اور پوچھا. اے بزرگ میں نے کس گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے. مجھے بتلا تاکہ میں اُس سے توبہ کروں. بزرگ نے فرمایا. اے خضر! تُو نے جنگل میں ایک درخت لگایا ہے اور اُس کے سایہ میں آرام کرتا ہے اور دعویٰ یہ کرتا ہے کہ میں مخلوق خدا کی رہنمائی و دستگیری کرتا ہوں. حضرت خضر علیہ السلام نے

فوراً توبہ و استغفار کی۔ اُس کے بعد ترک دنیا اور حق درویش کے بارے میں بیان کیا کہ تم بھی ایسے رہو جیسے میں زندگی بسر کرتا ہوں۔ خضر علیہ السلام نے پوچھا۔ آپ کیسے زندگی بسر کر رہے ہیں فرمایا۔ میں اس طرح زندگی گذار رہا ہوں۔ کہ اگر مجھے کہا جائے کہ یہ ساری دُنیا اور اُس کے مال و زر لے لو۔ تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ اور اگر قبول نہ کروگے تو تمہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ میں دوزخ قبول کر لوں گا اور یہ دنیا لینے سے انکار کر دوں گا۔ اس لئے کہ یہ دنیا میرے خدا کی مبغوضہ ہے اور جسے خدائے عزوجل نے نظرِ غضب و عداوت سے دیکھا ہو میں اُسے قبول نہیں کروں گا۔ دوزخ کو ترجیح دوں گا۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں اُن کے قریب گیا۔ سلام عرض کیا۔ جواب دیا اور فرمایا آگے آجاؤ۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ آگے تو پانی ہے۔ میں کیسے عبور کروں۔ معاً راستہ بن گیا اور میں خشک ہی اُن کے قدموں میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا۔ اے فرید! چالیس سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں نے اُپنے پہلو کو زمین پر نہیں لگایا۔ اور نیند نہیں کی۔ مگر اے درویش! میری جو روزی مقرر ہے اگر اُسے اُپنے سامنے کسی آنے والے پر صرف نہ کر لوں۔ میرے دل کو آرام نہیں لگتا۔ کیونکہ درویشی تو یہی کہ جو تمہاری قسمت میں ہو اُسے دوسروں کو دے ڈالو۔ اُس وقت اُن کا روزینہ دو پیالے شوربہ اور چار عدد پتلی روٹیاں عالم غیب سے ظاہر ہوئے۔ ایک پیالہ میرے سامنے رکھا اور دوسرا اُپنے سامنے۔ ہم نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی ہم نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو بزرگ موصوف نے نماز نفل شروع کر دی میں نے بھی اُن کی اقتدا کی۔ انہوں نے دو رکعتوں میں چار دفعہ قرآن پاک ختم کیا۔ ایک رکعت میں دو قرآن ختم کئے۔ اُس کے بعد سلام پھیرا اور سر سجدے میں ڈالا اور رونا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے اے اللہ! میں نے تیرے شایانِ شان کوئی عبادت نہ کی۔ تا کہ مجھے پتہ چلتا کہ میں نے کچھ کام سرانجام دیا۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد مجھے الوداع کیا۔ میں نے دیکھا کہ میں دریا کے کنارے کھڑا ہوں اور وہ بزرگ

غائب ہو گئے۔ مجھے نہ پتہ چلا کہ وہ کہاں گئے۔ اس کا نام درویشی ہے۔ کہ سوائے ایک ٹوٹے ہوئے گھڑے کے ان کی کوئی متاع نہ تھی۔ جب رات ہوتی تو اُس کا پانی بھی گرا دیتے اور دن رات محاسبہ کرتے رہتے اور عالم تجرید و تفرید میں زندگی گذارتے۔ ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ جو اس طرح تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے کہ مال و جائداد کا ایک ذرہ تک اُن کے پاس نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ قیامت کو جب سوال کریں گے کہ تیری زندگی کیسے گذری تو کہوں گا تجرید کے ساتھ۔

فرمایا پُرانے زمانے میں ایک بزرگ تھے کئی سال ہوئے کہ کھانا پینا موقوف تھا۔ اُن کے جماعت خانہ کے طاقچہ میں ایک چھوارے کا دانہ رکھا ہوا تھا۔ جب بھوک کی شدت ہوتی اُسے چوس لیتے۔ اور پھر وہیں رکھ دیتے۔ پچاس سال گزر گئے مگر وہ خرما ختم نہ ہوا۔ اُن کے وصال پر بھی تھوڑا سا رہ گیا تھا۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام سے گذر رہے تھے۔ ایک کتا راستے میں بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ بایزید نے اپنی قمیض کا دامن اوپر کر لیا کہ کتے سے چھو نہ جائے۔ کتے نے زبان حال سے آواز دی کہ اے خواجہ آپ نے دامن کیوں سمیٹ لیا ہے۔ تین دفعہ پانی کے استعمال سے میرے اور آپ کے درمیان مصالحت ہو سکتی ہے۔ میری نجاست ظاہری ہے۔ جو تین دفعہ کپڑے کو دھونے سے پاک کی جا سکتی ہے۔ لیکن اے خواجہ وہ نجاست جو تیرے باطن میں ہے۔ وہ تو بدتر ہے۔ اگر اسے سات دریاؤں کے پانی سے دھونے کی کوشش کرے گا تو پھر بھی پاک نہ ہو گی۔ آئیں تمہیں بتاؤں کہ تو دعوٰے تو سلطان العارفین ہونے کا کرتا ہے، اپنے آپ کو درویش کہلاتا ہے۔ اور حال یہ ہے ایک پورا گھڑا گندم کے دانوں کا تیرے گھر بھرا ہوا پڑا ہے۔ درویشی تو یہ ہے کہ میں کتا ہو کر آج ایک ہڈی اگر مجھے ملتی ہے تو اُسے صرف کر لیتا ہوں اور کل کے لئے ذخیرہ نہیں کر چھوڑتا اور تم درویشی کے اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود غلہ کا

ذخیرہ کئے ہوتے ہو۔ تاکہ کل مصرف میں لاسکو۔ کیا یہی درویشی ہے۔ جب کتے نے یہ بات کہی تو خواجہ بایزید کی چیخ نکل گئی۔ اور فرمانے لگے کہ آج میں اس کتے کی رفاقت کا اہل بھی نہیں ہوں۔ کہ اُسے مجھ سے عار نظر آتی ہے۔ کل قیامت کو اہل سلوک کی رفاقت و دربار خداوندی کا اہل کیسے ہوں گا۔ جونہی کہ شیخ الاسلام ان کلمات طیبات تک پہنچے ظہر کی نماز کی اذان ہو گئی حضرت نماز میں مصروف ہو گئے اور ہم خدام واپس آ گئے۔ الحمد للہ علی ذالک

نویں فصل

ذکرِ گلیم وصوف

حضرت اقدس کی مجلس مبارک میں پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی شیخ برہان الدین، اور مولانا یحییٰ غریب حاضر مجلس تھے۔ بات گلیم وصوف کے موضوع پر چل رہی تھی۔ تو حضرت نے فرمایا۔ گلیم وصوف انبیاء و اولیاء کا لباس ہے۔ اس لئے اے درویش! یہ لباس اُسی کو زیب دیتا ہے جس کا ظاہر و باطن صاف ہو۔ کیونکہ صوفی وہی ہے۔ کہ جس کے اندر دنیا و مافیہا کی کوئی کدورت باقی نہ رہے۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ گلیم وصوف پہننا سنّت انبیاء ہے۔ جب کبھی اولیائے عظام میں سے کسی کو کوئی ضرورت پیش آتی۔ گلیم وصوف کے وسیلے سے دعا و مناجات کرتے۔ رب کریم گلیم وصوف کی برکت سے وہ حاجت پوری فرما دیتے۔

گلیم وصوف کی اصل

اس مقام پر ارشاد فرمایا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ، حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے صحابہ! میرے پاس یہ گلیم سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کی یادگار موجود ہے۔ جو بعینہٖ مجھ تک پہنچی ہے

مجھے یہ حکم ہے کہ یہ گلیم علی بن ابی طالب کو عنایت کروں تاکہ وہ میری امت کے لوگوں کو منتقل کر دیں۔

فرمایا۔ اے درویش! گلیم پوشی بھی سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام ہی سے شروع ہوئی۔ جیساکہ خرقہ پوشی۔ اور اس کا بیان یوں ہے کہ ایک دن سیدنا ابراہیم علیہ السلام مناجات میں مشغول تھے۔ اور عرض کر رہے تھے کہ الٰہی! اہل صفا کے ہاں جو دستور ہے اُس کے مطابق سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں سوائے گلیم کے۔ سیدنا جبریل امین علیہ السلام سیاہ گلیم لائے۔ اور کہا۔ اے ابراہیم! فرمانِ خداوندی کے مطابق میں یہ کالی گلیم بہشت سے آپ کے لئے لایا ہوں۔ اس کو لے لیجئے۔ زیب تن فرمائیے۔ اور اپنی اولاد کو یکے بعد دیگرے منتقل کرنے کا حکم کیجئے۔ حتیٰ کہ یہ گلیم سیدالانبیاء و خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ تک پہنچنے کی سعادت حاصل کر لے۔ اس طرح ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ گلیم دراصل بہشت سے آئی ہے جو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ملی۔ اور اُن سے ہم تک پہنچی۔

پس اے درویش! اہل صفا کون ہے؟ جو لباس اولیاء و انبیاء پہنے اور اُس کا حق ادا کرے۔ تاکہ کل قیامت کے دن شرمسار نہ ہو۔

گلیم پوشی کے آداب

جب حضرت خواجہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی۔ اور اپنے شیخ سے گلیم وصوف سے سرفراز ہوئے۔ اور اس کو پہننے کا شرف حاصل کیا۔ اُس کے بعد چالیس سال تک کسی نے اُن کو خندہ کرتے نہیں دیکھا۔ لوگوں نے عرض کی۔ حضور! چالیس سال ہونے کو آئے۔ مگر حضور کے لبوں پر کبھی خندہ نہیں آیا۔ فرمایا۔ جب سے میرے شیخ نے یہ گلیم وصوف مجھے پہنادی ہے۔ میں عالم حیرت میں ہوں۔ اور مجھے اپنی خبر نہیں رہی۔ میرے شیخ نے اپنا کام سرانجام دیا اب مجھے لازم ہے کہ اس گلیم وصوف کا حق بجالاؤں۔

اور اس گلیم پوشی کے بعد جو کچھ انہوں نے نہیں کیا میں بھی نہ کروں۔ وگرنہ کل قیامت کو اسی گلیم کو کالا ناگ بنائیں گے اور میری گردن میں ڈال دیں گے۔ پس اے درویش گودڑی پوش کو خندہ کیسے آسکتا ہے۔

فرمایا۔ جب انسان صوف پہن لے اُسے چاہیئے کہ عزلت گزینی کو اپنلئے۔ دنیاداروں سے اجتناب کرے۔ سرمایہ داروں کی صحبت ترک کر دے۔ پھر سمجھئے کہ واقعی درویش ہے۔ گلیم وصوف پوشی اُسی کا حق ہے۔ لیکن جب کوئی شخص یہ لباس پہنتا ہے اور پھر امراء و ملوک کی مجلسوں میں جاتا ہے۔ سرمایہ داروں سے میل جول بڑھاتا ہے۔ انبیاء و اولیاء کے لباس کو گلیوں اور بازاروں میں پھراتا اور رسوا کرتا ہے۔ اُس سے یہ متبرک لباس واپس لے لینا چاہیئے۔ اُسے اجازت نہیں دینی چاہیئے کیونکہ وہ اس مبارک لباس کا اہل نہیں ہے مریدانِ خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ درماندگی کے عالم میں اِسی لباس مبارک کے واسطے سے دربار صمدیت جل وعلا میں مناجات کیا کرتے اور اُن کی مہمات اس گلیم وصوف کی برکت سے آسان ہو جاتیں۔

اِس مقام پر بیان فرمایا۔ کہ جب سیدنا موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ کے دل میں گلیم پوشی کی خواہش پیدا ہوئی۔ دربار خداوندی جل وعلا میں مناجات کی۔ حکم ہوا۔ اے موسیٰ! ہمارے عشّاق کا لباس بے شکرانہ طلب کرتے ہو۔ پہلے اِس کا شکرانہ ادا کرو پھر لباس عرفاء زیب تن کرو۔ جونہی کہ یہ پیغام خدا کے رسول نے سنا۔ فوراً اٹھے اور گھر تشریف لے گئے جو کچھ مال و جائداد تھا سب کا سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حتیٰ کہ ذاتی کپڑے تک دے دیئے۔ جب کچھ باقی نہ رہا۔ اور اکیلے رہ گئے۔ تو محبوب حقیقی کی بارگاہ میں کھڑے ہو گئے فرمان ہوا۔ اے موسیٰ! جب دنیا کی آلائشات میں تیرے پاس کچھ بھی نہ رہا اب گلیم پہن لے۔ کیونکہ اب تو اس کا مستحق ٹھہرا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گلیم پہنی۔ دس سال تک تنہائی میں رہے۔ باہر تشریف نہ لائے۔ ذکر و فکر الٰہی میں مشغول مصروف

رہے۔ یہاں تک کہ فرعونِ سرکش سے مقابلہ کی ساعت آگئی۔ اس مقام پر حضرت شیخ الاسلام کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور یہ شعر پڑھا۔

بیت: شکرانہ دہند عاشقاں جان جہان تا صوف وگلیم عشق را خویش کنند

عشاقِ بارگاہِ صمدیت جہان کی جان تک بطور شکرانہ نذر کرکے عشق کی گودڑی زیبِ تن کرتے ہیں۔

فرمایا۔ جب کبھی سیدنا موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام فرعونِ سرکش سے تنگ ہوتے اِسی صوف وگلیم کو وسیلہ بناکر حضرتِ خداوندی میں مناجات فرماتے اور فرعون پر مصیبت نازل ہو جاتی۔

حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے میں نے سنا کہ کل قیامت کے دن جب تمام گودڑی پوشوں کو قیامت کے میدان میں حاضر کریں گے۔ ہر ایک گلیم بردوش مست ومخمور میدان قیامت میں اس طرح داخل ہو گا۔ کہ ہر ایک گلیم میں لاکھوں طنابیں ہوں گی۔ اُن کے مرید اور اولاد اُن طنابوں کو مضبوطی سے تھام لیں گے۔ خداوند کریم جل وعلا اُس دن اُن کو اتنی قوت عطا فرمائے گا۔ کہ بزرگ اُن تمام لوگوں کو گلیم سمیت اٹھائیں گے اور پلِ صراطِ دوزخ سے پار کر دیں گے۔ پھر واپس آئیں گے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں گے۔ آواز دیں گے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہم سے روگردانی نہ کی۔ بلکہ اعزاز و اکرام کے ساتھ ہماری خدمت کرتے رہے۔ وہ آجائیں اور گلیم کی طنابیں مضبوطی سے تھام لیں تاکہ وہ بھی اِس پل سے امان وسلامتی کے ساتھ پار ہو جائیں۔ اور سرکار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی نظروں کے سامنے حکم خدا سے بہشت میں پہنچ جائیں۔ اُس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ گلیم پوش حضرات دربار صمدیت میں کیا مقام ومرتبہ رکھتے ہیں۔

درویش کب بنتا ہے؟

فرمایا۔ درویش کے دل کی اصلاح تب ہوتی ہے

جب وہ اپنے باطن کو دنیا کی تمام آلودگیوں اور نجاستوں سے صاف کر لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے وَهِيَ الْغِلُّ وَالْحِقْدُ وَالْحَسَدُ وَالْحِرْصُ وَالْكِبْرُ وَالْبُغْضُ وَالْغَضَبُ وَالرِّيَاءُ۔ (اور یہ دھوکا، کینہ، حسد، حرص، تکبر، بغض، غضب اور نمود ہیں)۔ گویا جب تک صوفی کا دل ان تمام برائیوں سے پاک نہیں ہوتا وہ درویش نہیں بنتا اور جامہ درویشی گلیم و صوف پہننے کا اہل نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم خواص نے مذہب تصوف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ مذہب صوفیاء و فقراء میں کینہ، حسد روا نہیں۔ تنگدستی فقیر کو بخیل نہیں بناتی اس کا اثر فقیر پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقیر تو وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

فقر و تصوف کے مقامات بے شمار ہیں۔ لیکن ان تمام مقامات کو ملیا میٹ کرنے والا عیب ریاکاری و مکر و فریب ہے۔ اور یہ ریاکاری و مکر اُس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ صوفی حُبِ جاہ میں گرفتار نہ ہو جائے، مقام و مرتبہ دنیا والوں میں بلند کرنے کا متمنی نہ بنے۔ جب فقیرِ گلیم پوش اپنا مطمح نظر لوگوں کی توجہ اور اپنا اقتدار ٹھہرا لیتا ہے۔ تو اہل سلوک کے ہاں اُسے مدعی کاذب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ اقدس میں صوفیاء کے تمام مسالک میں امراء سے میل جول اور شاہانِ وقت کے ہاں آمد و رفت حرام تھی۔ حدیث شریف میں مذہب صوفیاء کے بارے میں یوں ارشاد ہے کہ جب انسان صفا پاتا ہے تو اُس میں غل و غش اور حسد باقی نہیں رہتا یعنی کینہ، مکر و ریا سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کریم جل و علا نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا۔ اور بھائیوں کے ساتھ مکر و فریب ہم نے ان کے سینوں سے نکال دیا۔

صاحب گلیم کو اہل دنیا اور ان کے معائب سے اجتناب برتنا ہو گا۔ یہ مقصد اہل دنیا سے ترک تعلق اور اہل تصوف و صاحبان گلیم و صوف کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل

ہوتا ہے۔ درویش لوگ ہی اہل کرامت ہیں جن کا ذکر آیہ مقدسہ ولقد کرمنا بنی آدم میں ارشاد کیا ہے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیہ کریمہ صوفیار کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ ان حضرات ہی کو تاج شرف انسانی کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

درویش کی عظمتِ شان

فرمایا۔ اے درویش! سیدنا آدم علیہ السلام کو صفی کے لقب سے اس لئے ملقب فرمایا گیا۔ کہ انہوں نے عالم بالا میں مسلک تصوف اختیار فرمایا تھا۔ لقمہ حرام و مشتبہ سے پرہیز اور ملوک و امرار کی صحبت سے احتراز نہ کرنے والا گلیم و صوف کے اوڑھنے کا روادار ہرگز نہیں۔ اس مبارک لباس کی عظمت شان و رفعت مقام کی قدر سوائے موسیٰ کلیم اللہ۔ ابراہیم خلیل اللہ آدم صفی اللہ اور مشائخ کرام و علمائے عظام کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا۔ اہل گلیم و صوف کو مرغن شیریں غذاؤں سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ کہ اس طرح وہ بادشاہوں اور دنیا داروں سے مل جائیں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو سالکین و انبیار کرام کے لباس مبارک میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ اور اُس کا حق ادا نہ کر سکیں گے پشم صوف و گلیم کے رنگ میں حضرات صوفیار کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سرخ سبز رنگ کا لباس نہیں پہننا چاہئیے کیونکہ یہ شیطان کا پسندیدہ لباس ہے۔

خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلقین اور بعض دیگر مشائخ کے نزدیک گلیم سے پاجامہ، قمیض اور رومال وغیرہ بنانے کا رواج تھا۔ لیکن شلوار یا پاجامے میں اختلاف ہے بعض اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے پہنی ہے۔ فرمایا اس لباس کو ذلیل و خوار نہ کرنا چاہیئے۔ یہ لباس پہن کر شریعت مطہرہ کی حدود سے تجاوز کر کے حریصوں کی مانند ذخیرہ اندوزی کی طرف مائل نہ ہو۔ کیونکہ یہ لباس صابر و متوکل درویشوں کا لباس ہے۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! ایک دفعہ یہ دعاگو دمشق کی جانب سفر کر رہا تھا۔ ایک

خانقاہ میں ایک نہایت عظیم بزرگ صاحب ولایت کا پتہ چلا۔ جن کا نام شیخ شہاب الدین زندویس تھا اور جو خواجہ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ جب میں خانقاہ کے اندر گیا سلام عرض کیا۔ حکم ہوا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ صوفیاء میں سے چند حضرات اور بھی موجود تھے۔ موضوع گفتگو گلیم وصوف اور دنیا داروں کے اس لباس کو پہننے کے بارے میں ہی تھا۔ ایک صاحب باہر سے آئے اور آداب بجالانے کے بعد عرض کیا کہ فلاں صاحب جو آپ کے مریدوں میں سے ہیں دنیاداروں کی مجلسوں میں زیادہ تر وقت گذارتے ہیں۔ بزرگ موصوف نے جب یہ سنا تو فرمایا۔ فوراً اُسے میرے پاس بلالائیں۔ جب وہ مرید حاضر ہوئے۔ حکم دیا۔ اس کا لباس گلیم وصوف وغیرہ اس سے لے کر آگ میں ڈال دو۔ جب جل گیا۔ تو غصے سے آنکھیں سرخ کرتے ہوئے اُس مرید کی جانب دیکھا۔ فرمایا اِسے باہر نکال دو کہ ابھی تک یہ صوف پہننے کے اہل نہیں ہوا۔ یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کا لباس مبارک ہے اور جو اس لباس میں خیانت کرتا ہے قیامت کے دن یہی لباس اُس کی گردن میں ڈالکر قیامت کے میدان میں پھرایا جائے گا۔ اور آواز آئے گی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صوف کا گلیم کا لباس پہنا اور اُس کا حق ادا نہیں کیا۔

فرمایا۔ مذہب تصوف وراہ طریقت کی اصل خاموش عالمِ حیرت میں مخمور رہنا ہے تصوف کے معنی علوم ورسوم نہیں بلکہ اخلاق ہے۔ تَخَلَّقُوْ بِاَخْلَاقِ اللہ تعالیٰ (اللہ کے اخلاق کا پیکر بن جاؤ) کی حدیث کریمہ اسی لئے فرمائی گئی۔ اہل تصوف دنیا کے دشمن اور اپنے مولا کے دوست ہوتے ہیں۔ یہ انسانوں کا ایسا گروہ ہیں کہ ذات حق میں یوں ڈوب جاتے ہیں کہ ان کو مخلوق کی خبر تک نہیں ہوتی۔ گفتگو کا تو کیا مقام اِن کی زندگی حق کی خاطر ہوتی ہے۔ پھر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا۔ تصوف کی اصل یہ ہے کہ تیری اپنی کوئی چیز نہ ہو اور نہ تو کسی چیز میں محو ہو۔ سوائے ذات حق کے۔ اُس وقت تُو گلیم وصوف پہننے کا حقدار ہوگا۔ تصوف صفاء سے ہے جو دوستی مولا کا

نام ہے۔ اہل صفا سوائے دوستیٔ مولا کے دنیا و آخرت کی کسی شے کو در خور توجہ نہیں گردانتے۔

اے درویش! ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ اہل عشق و تصوف کے ہاں کمال کہاں حاصل ہوتا ہے۔ جواب دیا جب یہ لوگ ہر روز اپنے آپ کو بالائے عرش پاتے ہیں اور وہاں نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ کاملیت کا مقام یہ ہوتا ہے۔ صوفی وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل کی صفائی یوں ہوگئی ہو کہ دنیا کی کوئی شے اُس سے پوشیدہ نہ رہے (دل جام جہان نما بن گیا ہو) اہل صفا کے ستر مقام ہیں۔ یہ دنیا اور اسکے مضمرات تو ان میں سے ایک مقام ہے۔

عشق کی حقیقت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے عشق کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے کہا کہ عشق کی تحریک مشاہدۂ معشوق سے ہوتی ہے۔ جب لوگ مجاہدہ میں مبالغہ کرتے ہیں تو وہ مجاہدہ مکاشفہ بن جاتا ہے۔ اور جب مکاشفہ مشاہدہ بنتا ہے تو عاشق اپنے آپ کو معشوق کی بارگاہ میں حاضر پاتا ہے۔ اس کا جذبۂ عشق ترقی پذیر ہوتا ہے۔ بتدریج منازلِ عرفان طے کرتا جاتا ہے۔ حجابات درمیان سے اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر پہنچتا ہے تو اُسے قرار آجاتا ہے۔ گویا وہ عالم تحیر میں پڑ گیا۔ اس مقام پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے روتے ہوئے فرمایا۔ میں نے شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی انار اللہ برہانہ کو بارہا یہ رباعی پڑھتے ہوئے سنا۔

رباعی: اصلِ ہمہ عاشقی ز دیدار آید چوں دیدہ باید آنکہ در کار آید
در دامِ بلا نہ مرغ بسیار آید پروانہ بطمع نور در نار آید

"عاشقی کی بنیاد مشاہدہ پر ہے۔ اُن نظروں کی ضرورت ہے جو یہ کام سرانجام دے سکیں مصیبت کے جال میں پرندے بکثرت نہیں پھنستے بلکہ پروانہ آگ میں نور کی چاہ ہی میں آتا ہے۔"

معشوقِ ازل اگر دن میں ہر لحظہ و ہر ساعت ہزار بار انوار و اسرار عشق کی جلوہ ریزی بھی کرے۔ تو پھر بھی اس عاشقِ زار کی سیری نہیں ہوتی۔ بلکہ ھَلْ مِنْ مَزِیْد

دکوئی اور ہے) کی آواز لگاتا ہے۔ اور یہ آواز اُس وقت تک کم نہیں ہوتی۔ جب تک مرادات مشاہدہ اُس کے دامن میں ڈال نہیں دیتے۔ تو یہ گروہِ عشاق ہر لحظہ مشاہدۂ دوست میں مستغرق رہتے ہیں۔

قاضی حمید الدین ناگوری سے میں نے ایک مثنوی سنی جس کا ایک بیت یہ ہے

بیت: ازانجا کہ جمالِ دوست از دلبر ماست ما در خورِ او نیم نہ او در خورِ ماست

جہاں تک ہمارے دلبر محبوب کے حسن و جمال کا تعلق ہے ہمیں اُس کے نیازمند ہیں اُسے ہم سے کوئی غرض نہیں۔

عاشق کے لئے معشوق کا ہر حکم واجب التعمیل ہوتا ہے۔ خواہ اسے اپنی گلی میں داخلے ہی سے روک دے۔ یہ کمالِ اطاعت کمالِ اشتیاق ہی کی وجہ سے ہے۔ ایک دفعہ مجنوں (قیس عامری) کئی دنوں سے بھوکا تھا۔ ایک ہرن اس کے جال میں آگیا۔ مجنوں نے اُس کا اکرام کیا چھوڑ دیا۔ اور کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اس ہرن کو ایذا دوں جبکہ اس کی آنکھیں لیلیٰ کی طرح ہیں۔

اے درویش! کامل عاشقِ حق وہ ہے کہ ابتدائے مشاہدۂ محبوب میں کیف و جذب و مستی میں بے خود ہوجائے۔ اُس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ جمالِ یار میں محو ہوجاتا ہے تو لازماً بے خود ہوجاتا ہے۔ چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ عشق میں ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے۔ کہ مجنوں کے قبیلہ والوں نے ایک دفعہ لیلیٰ کے قبیلے والوں سے درخواست کی۔ کہ یہ (مجنوں) عشق کی شدت سے مرجائے گا۔ اس میں کیا حرج ہے کہ اگر وہ اجازت دیں۔ تو ایک دفعہ لیلیٰ کے چہرے کو دیکھ لے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ امر مجنوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ جب اہل قبیلہ کا اصرار بڑھا۔ تو مجنوں کو لے آئے اور لیلیٰ کے حرم میں لے گئے۔ پردہ اٹھایا ابھی لیلیٰ کا سایہ بھی ظاہر نہ ہوا تھا کہ مجنوں بے ہوش ہوکر زمین پر تڑپنے لگ گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہ کہتے تھے کہ وہ شدتِ عشق سے

تاب دیدار نہ لاسکے گا۔ اس موقع پر حضرت نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے زبان مبارک پر یہ شعر جاری تھا۔

؎ گرمی ندہد، ہجر تو وصلت یارم — باخاکِ سر کوئے تو کارے وارم

اے محبوب اگرچہ تیرے فراق میں وصل کی امید نہیں پھر بھی تیری گلی کی خاک سے میرا رابطہ برقرار رہے۔

اِس مقام پر حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا۔ میرے بھائی مولانا بہاؤالدین زکریا ملتانی ایک دفعہ دریائے شوق و مستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہر دفعہ عشق کی ایک نئی حالت اور عجیب حیرت پیدا ہو رہی تھی۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ دل روتا تھا۔ یہ شعر زبان مبارک پر جاری تھے اور بے ہوش ہو ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سات دن رات دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر ان دو شعروں کی کیفیات ہی میں ڈوبے رہے۔

ابیات: بادرد بساز چوں دوائے تو منم — درکس منگر چو آشنائے تو منم

گر بر سر کوئے عشقِ من کشتہ شوی — شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم

"اے عاشق درد سے طرحِ موافقت ڈال کیونکہ تیری دوا میں ہوں۔ کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھ کیونکہ تیرا محبوب تو میں ہوں۔ اگر میری محبت میں تُو مارا گیا ہے تو شکرانہ ادا کر اس لئے کہ تیرا خوں بہا بھی تو میں ہوں"

اے درویش! تمہیں کیا پتہ کہ کیا کیا اسرار و انوارِ عشق اُن کے دل پر نازل ہو رہے تھے کہ وہ بار بار از خود رفتہ ہو کر اُن میں مستغرق ہوئے جا رہے تھے۔ یہ اشعار وردِ زبان تھے۔ اس کیفیت کو عاشق ہی جانتا ہے یا معشوق کہ اُن کے درمیان کیا معاملہ ہو رہا ہے حضرت نے فرمایا۔ میں نے اسرار العارفین میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ ایک بزرگ چالیس سال تک دنیا والوں سے کنارہ کش رہے۔ تنہائی کی زندگی اختیار کی۔ مخلوق میں سے بہت کم لوگوں نے اُن سے ملاقات کی۔ چنانچہ ایک دن اُن سے پوچھا گیا کہ حضرت

آپ کی اتنی طویل کنارہ کشی وعزلت نشینی کا سبب کیا ہے۔ فرمایا۔ عزیزو! جب اہل تصوف خلق میں مشغول ہو جائیں تو خالق سے ان کا قرب کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے چالیس سال سے عزلت گزینی کی ہے۔ اور دنیا کی خواہشات ولذات سے اجتناب کر رہا ہوں۔

جب تقریر مبارک اس مقام پر پہنچی تو اذان ہو گئی۔ حضرت اقدس اٹھ کر دولت کدہ عالیہ میں تشریف لے گئے اور ہم نیازمند خدام واپس گھروں میں آگئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

دسویں فصل

ذکر محبّت

خدمتِ اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ برہان الدین۔ شیخ جمال الدین ہانسوی۔ شیخ بدرالدین غزنوی اور دیگر نیازمند موجود تھے۔ حضرت نے زبان حق ترجمان سے ارشاد فرمایا۔ اے درویش! محبت میں سات سو مقام ہیں مگر پہلا مقام یہ ہے کہ جو آزمائش محبوب کی طرف سے اُس عاشق زار پر نازل ہو اسے چاہیئے کہ وہ اس پر صبر کرے میں نے کتاب محبت میں لکھا دیکھا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کرتے ہیں۔ کہ محبت حق ایک ایسا بادشاہ ہے جو ہر دل میں جلوہ افروز نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے دل میں متمکن ہوتا ہے جو اُس کے شایانِ شان ہو۔ یہ تو نوشتہ تقدیر ہے کہ عشق الٰہی دانا دل ہی میں قرار گیر ہوتا ہے۔ یہ بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ عشقِ خدا ایسی بساط ہے کہ جس میں کوئی ایسا شخص قدم رکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا جس نے اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو لات نہ مار دی ہو اور محبّتِ دوست کے سوا اُس کی نظر میں کوئی شے نہ جچتی ہو۔ پھر وہ اپنی محبّت میں منفرد ہو گا۔

خمیر عشق

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روائیت ہے۔ کہ روز ازل جب اعضائے انسانی کی تخلیق وتخمیر کی گئی۔ بنی نوع انسان میں سے گروہ عشاق کا خمیر عشق ومحبت الٰہی سے اٹھایا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ازل سے لیکر آج تک ان لوگوں کی زبان پر رَبِّ اَرِنِی اَنْظُرْ اِلَیْکَ ہی کا کلمہ ہے۔ پس اے درویش! جس آنکھ میں عشق کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک کوئی چیز اُس کی نظر میں غیب نہیں۔

محبت الٰہی کا تقاضہ یہ ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پورا کیا۔ کہ اللہ کریم کی دوستی کے لئے اُپنے بیٹے کو قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔ جب دیکھا کہ محبت میں کامل ہے۔ حکم ہوا کہ بیٹے کو قربان نہ کریں ہم اس کے بدلے میں بہشت سے قربانی بھیجے دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کے عشق کا امتحان

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام نے جب عشق الٰہی کا دم بھرا۔ حضرت جبریل امین نے خدائے قدوس کی بارگاہ میں عرض کی مجھے اجازت عطا ہو کہ سیدنا ابراہیم کی آزمائش کروں۔ فرمان ہوا۔ اچھی بات ہے جاؤ اور میرے بندے ابراہیم کا امتحان لو۔ حضرت جبریل امین کوہِ صفا پر تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام عمارت خانہ کعبہ کے اندر تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بلند آواز سے "یا اللہ" کہا۔ جونہی یہ آواز سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سنی خانہ کعبہ سے فوراً باہر تشریف لائے اور کہنے لگے۔ اے خواجہ! ایک دفعہ پھر اللہ پاک کا نام اسی طرح لو۔ جبریل امین نے کہا۔ اس نام پاک کے سننے کا شکرانہ ادا کرو تو پھر یہ نام لوں۔ اِس مقام پر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ مثنوی ارشاد فرمائی۔

صلعم علیہ السلام

مثنوی: شکرانہ دہم ہر آنچہ در ملک من است   از بہر خدائے بگوے اللہ تو باز

جاں نیز دہم وآنچہ در قلب من است   یکبار اگر بگوئی اللہ تو باز

"جو کچھ میرے اختیار میں ہے سارے کا سارا دیدوں گا اگر خدا کے لئے ایک "اللہ" پھر کہے۔ جان بھی دیدوں گا اور جو کچھ دل کے اندر ہے۔ ایک دفعہ پھر اگر اللہ کا نام لے لے"

غرضیکہ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا۔ میرے اتنے ہزار اونٹ ہیں۔ سب کے سب محبوب کی رضاو محبّت میں قربان کرتا ہوں۔ اب کہو۔ حضرت جبریل امین نے کلمہ "یا اللہ" پھر کہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے اپنا مال ومتاع جو کچھ پاس تھا اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جبریل امین نے پھر پوچھا اب کیا فرمائش ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ایک دفعہ پھر کہو میرے جسم میں جان ہے وہ بھی راہِ دوست میں فدا کروں۔ جبریل امین نے پھر "یا اللہ" کہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے نعرہ مارا۔ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو جبریل امین نے اُن کے خلوصِ عشق پر آفرین کہی۔ اور کہا کہ ابراہیم خلیل محبّتِ حق میں صادق ہیں۔ جبریل امین واپس اپنے مقام پر پہنچ کر بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوکر عرض کرنے لگے۔ الٰہی! میں نے ابراہیم خلیل کو تیری محبّت میں ویسا ہی پایا جیسا کہ سنا تھا۔

محبّت حق میں صادق و مخلص وہی ہے جو ہر وقت یاد دوست میں مشغول رہے۔ ایک لحظہ ذکرِ حق سے غافل نہ رہے۔

ذکرِ یار کا تقاضا

اہل سلوک کے ہاں معروف ہے۔ کہ لوگ جس سے محبّت کرتے ہیں اُس کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ اس لئے محبّتِ خدا کا ادعا کرنے والوں کو لازم ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یاد خدا سے غافل نہ ہوں۔ چنانچہ حجۃ العارفین میں موجود ہے۔ مَن اَحَبَّ شَیئاً اَکثَرَ ذِکرہ (جو شخص جس چیز سے محبّت کرتا ہے کثرت سے اُس کا ذکر کرتا ہے)

فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ محبتِ حق کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ نہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں مرد ہوں۔ اور نہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو خیال گذرا کہ وہ عورت ہیں۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب میں رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس سے اٹھا تو میں نے دیکھا کہ سرمایۂ عشقِ الٰہی سے میرا دامن تہی ہے اور اخلاصِ عشق سے رابعہ کی جھولی مالا مال ہے۔

حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے فرمایا۔ اے درویش! اگر دنیا کا تمام مال و اسباب طالبانِ حق کو حلال و طیب صورت میں بے حساب کتاب عطا فرمایا جائے۔ تو وہ اُس کے لینے میں عار محسوس کریں گے جیسے کہ عام لوگ مردار و حرام کے لینے میں کرتے ہیں۔ ایک دفعہ بغداد میں ایک بزرگ کی صحبت میں چند دن گذارنے کا موقع ملا۔ ہر بار جب وہ بزرگ سر بسجدہ ہوتے تو خدائے کریم کی بارگاہ میں نہایت عجز و الحاح سے مناجات پڑھتے۔ "اے اللہ! اگر تُو نے مجھے قیامت کے دن دوزخ میں بھیج دیا۔ تو اسرارِ عشق میں سے ایک بھید ایسا ظاہر کروں گا کہ دوزخ مجھ سے ہزار سال کی راہ دور بھاگ جائے گی۔ اِس لئے کہ محبت کی آگ کے سامنے کوئی آگ سر اٹھانے کے قابل نہیں۔ اور اگر سر اٹھائے تو تباہ ہو جائے گی۔"

ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سر بسجود ہوتیں پھر کھڑی ہو جاتیں۔ کئی دفعہ ایسا کرنے کے بعد آخر میں کہتیں۔ اے اللہ! اگر میں دوزخ کے ڈر سے تیری پرستش کرتی ہوں تو پھر بھی میرا ٹھکانہ دوزخ میں کرنا اور بہشت مجھ پہ حرام ٹھہرانا اور اگر تیرے لئے تیری پرستش میں وقت گذارتی ہوں تو میرے خدا اپنے لازوال حسنِ ازل سے مجھے بہرہ اندوز فرما۔

فرمایا۔ اہلِ محبت کی وفا کا تقاضا یہ ہے۔ کہ خدائے قدوس کی سلطنت عظیمہ کا سب

کچھ اپنی پوری زیب و زینت کے ساتھ اُن کے سامنے پیش کیا جاوے تو وہ منظور نہ کریں۔ سوائے دیدارِ حق کے اُن کی نظر میں کائنات و مافیہا نہ جچے بلکہ اُسے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔

محبت والوں کی باتیں

خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جب عالمِ شوق و محبتِ حق میں مشغول ہوتے تو تین تین چار چار دن رات عالمِ سرخوشی میں بلند آواز سے یہی کہتے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ۔ جب اِس زمین کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا اور دوسری زمین کے فرش کو بچھا دیا جائے گا یعنی قیامت کا دن آئے گا۔

حضرت خواجہ ابراہیم بلخی ادھمی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ حضرت! آپ نے بلخ کی بادشاہی کو کیوں ترک کر دیا۔ فرمایا۔ ایک دن بیٹھا ہوا تھا۔ محبت کا آئینہ میرے سامنے کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میری منزل قبر ہے۔ ایک طویل سفر میرے سامنے ہے۔ اور کوئی مونس و دلجو نصیب نہیں۔ نہ میرے پاس سامانِ سفر ہے نہ زادِ راہ۔ انصاف کرنے والے قاضی کے سامنے کھڑا۔ اور اپنے کردار کے لئے کوئی معذرت کی دلیل موجود نہیں۔ بادشاہی سے دل بیزار ہو گیا۔ اپنے ملک کو ترک کر کے دوسرے ملک میں آ گیا۔ یعنی ملک ظاہری سے ملک باطنی کی جانب ملتفت ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا۔ اے درویش! خدائے کریم کی محبت ایسی بادشاہی ہے کہ جسے یہ نصیب ہو جائے تو وہ اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ بھی اُس کے پاس کچھ رہے۔ ایک دفعہ غزنی میں میری ملاقات ایک ایسے درویش سے ہوئی جو اہلِ محبت میں سے تھا۔ میں نے سوال کیا کہ اے درویش! عشقِ الٰہی کی انتہا ہے یا نہیں۔ فوراً چیخ پڑے اور مجھے کہا اے جھوٹے! عشقِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ محبتِ خدا کی آگ وہ تلوار ہے جو جس جسم سے گزرتی ہے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

میں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کی زبان مبارک سے سنا، کہ اس انسان کے تمام اعضاء میں محبتِ الٰہی کا خمیر ڈالا گیا ہے۔ گویا اس کا خمیر ہی محبت سے اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے آنکھیں ہیں تو محبتِ دوست میں مستغرق۔ کان ہیں تو ذکر محبوب کے سوا کچھ سننے کے لئے آمادہ نہیں۔ ہاتھ اور پاؤں سب کے سب اسی کی محبت میں مست و محو ہیں۔ پس اے درویش آدمی زادہ کے جسم کا ایک ذرہ ذرہ اس کی محبت سے خالی نہیں۔

عاشق کا دل انوارِ الٰہی کا گھر ہوتا ہے

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔ عشاق الٰہی کا دل ایسا چراغ ہے جسے قندیلِ انوار میں آویزاں کیا گیا ہے۔ اور اُس کی روشنی سے سارا عالمِ ملکوت جگمگاتا ہے۔ پس اُن کو اندھیروں سے کیا خوف؟ اپنی ذات کو بھول جانا یادِ حق کی دلیل ہے۔ جسے یادِ حق کی نعمت میسر ہو گئی اُس کا دل کبھی نہیں مرتا۔ میں نے کتابِ عشق میں لکھا پایا کہ بھوک ایسا بادل ہے جس سے رحمت کی بارش برستی ہے۔

ایک دفعہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ محبتِ حق کس چیز کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا محبتِ حق یہ ہے دنیا اور آخرت اور جو کچھ اُن کے اندر ہے سب کی محبت دل سے نکل جائے اور صرف محبوبِ حقیقی ہی کا عشق باقی رہ جاوے۔

اے درویش ملکِ عشق کی فرماں روا محبتِ الٰہی ہے۔ اُس ملک میں فرشتوں نے ایک تخت بچھایا ہوا ہے جس پر وہ محبتِ الٰہی جلوہ گزیں ہے۔ اس حال میں کہ اُس کے ایک ہاتھ میں تیغِ فراق ہے اور دوسرے ہاتھ میں نرگسِ وصالِ ابد کی ایک شاخ ہے۔ ایک ہی سانس میں ہزار ہا عشاق کے سر نذرِ تیغِ ناز ہوتے ہیں۔ پس جو شخص درویش عاشقِ خدا ہے اگر ہزار بار اُس کا سر تن سے جُدا کیا جاوے دوبارہ اُس کے سر و تن کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ ہزار بار اُسے شہیدِ ناز بنایا جائے تو وہ افسوس نہیں کرتا

بلکہ اُسے راحت نصیب ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام نے یہ رباعی ارشاد فرمائی:

رباعی: دریادِ تو ہر روز چناں مدہوشم   صد تیغ اگر زنند زان نخروشم
آہے کہ زیادِ تو زنم وقتِ سحر   گر ہر دو جہاں دہند آں نفروشم

" تیری یاد میں ہر روز اتنا بے خود رہتا ہوں کہ اگر سینکڑوں تلواروں سے مجھے زخمی کریں آواز نہ نکالوں گا۔ صبح کے وقت تیری یاد میں جو آہ بھرتا ہوں دونوں جہان کے عوض نہ دوں گا۔"

ایک عاشق جان دیتے وقت آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے تھے۔ عزیزوں نے قریب ہو کر سنا۔ محبوب کی بارگاہ میں عرض کر رہے تھے۔ اے اللہ! میں جب تک زندہ رہا تیرے نام کی یاد سے زندہ رہا اب مر رہا ہوں تو تیرے نام کی یاد کو سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔ اور جب قیامت کے دن اٹھوں گا تو تیرے نام کا ورد کرتے ہوئے اٹھوں گا۔ یہ فرمایا۔ اونچی آواز میں لفظ "اللہ" زبان سے نکلا اور وصال ہو گیا۔ شیخ الاسلام نے جب یہ فرمایا تو اُن کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا۔ عاشقوں کا وصال ایسے ہوتا ہے۔ پھر یہ دو بیت ارشاد فرمائے۔

بیت: آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں   تا جاں بدہم نام تو گویاں گویاں
رخسارہ زآبِ دیدہ شویاں شویاں   ہنجار وصالِ یار جویاں جویاں

" میں تیری گلی میں دوڑتا دوڑتا آیا ہوں تاکہ تیرے نام کی تکرار کرتے ہوئے جان دے دوں۔ آنکھوں کے پانی (آنسوؤں) سے رخساروں کو دھوتے دھوتے وصالِ محبوب کے راستے تلاش کر رہا ہوں۔"

فرمایا۔ دہلی میں ایک بہت بزرگ صاحب نعمت اور عشق کے زخم خوردہ درویش سے میری ملاقات حوضِ شمسی پر ایک سماع کی مجلس میں ہوئی۔ یہ دو بیت میں نے اُن سے سُنے اور اس قدر محظوظ ہوا کہ آج تک ایسا حظ کبھی نہیں اٹھایا۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

بیت: عشق تو بہم جانِ مرا رسوا کرد — واندر طلبِ جمال تو شیدا کرد
دردے کہ زعشق تو بدل پنہاں بود — آں جملہ زشوق تو رخم پیدا کرد

"اے محبوب! تیرے عشق نے میری جان کو رسوا کر دیا۔ تیرے حسن کی طلب میں اُسے وارفتہ بنا دیا۔ وہ درد جو تیرے عشق کی وجہ سے دل میں پوشیدہ تھا، تیرے اشتیاقِ دید سے اب میرے چہرے کی زینت بن گیا۔"

عاشق کی زندگی وقفِ محبوب ہوتی ہے

فرمایا۔ مَیں نے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا۔ جب میں بغداد سے واپس آیا۔ بخارا پہنچا۔ ایک بزرگ صاحب نعمت عشقِ الٰہی میں والہ و شیدا سے ملاقات ہوئی۔ مَیں نے انہیں سلام عرض کیا تو اس حالت میں پایا کہ وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ یادِ حق میں ایسے ڈوبے ہوئے کہ اُپنے جسم و جان تک سے بے خبر۔ مَیں کئی دن اُن کی خدمت میں حاضر رہا۔ ہر بار جب سجدہ کرتے تو رو پڑتے اَور یہ رباعی بڑی الحاح و زاری سے زبان پر جاری ہوتی۔ حتّٰی کہ بے ہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے تو فرماتے۔ اے اللہ! ایک سجدہ بھی تیری شانِ بے پایاں کے لائق ادا نہ کر سکا۔ رباعی یہ ہے:

رباعی: در خوردنِ نعمت تو دندانم سود — یک سجدہ چناں نشد کہ فرمانم بود
ہم بودی و ہم باشی و ہم خواہی بود — نے بودم و نے باشم و نے خواہم بود

"اے اللہ! تیری نعمتیں کھاتے کھاتے میرے دانت گھِس گئے۔ ایک سجدہ بھی تیرے فرمان کے مطابق ادا نہ ہو سکا۔ تو ازل میں بھی تھا۔ اب بھی ہے اور ابدالآباد تک رہے گا۔ مَیں تو نہ کبھی تھا، نہ اب ہوں، نہ آئندہ ہوں گا۔"

اے درویش! زندگی معرفتِ خدا کا نام ہے۔ راحتِ عاشق راہِ سلوک میں ہے شوقِ دیدار کی تڑپ محبّت سے ملتی ہے۔ اور نشۂ ذوق ذکرِ یار میں ہے۔ ایک دفعہ

میں شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز اور شیخ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور موجود تھا۔ سلوک کے موضوع پر گفتگو جاری تھی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی فرمانے لگے۔ کہ اصلی علم ذاتِ خداوندی کا ادراک ہے اور معرفت اُس کی تدبیر ہے۔ محبت مشاہدہ سے بڑھتی ہے اور مشاہدہ کے لئے مجاہدہ لازم ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ جس شخص نے لذاتِ وخواہشاتِ دنیا سے اپنے دل کو مردہ بنالیا قضاوقدر کے کارکن اُسے لعنت کے کفن میں لپیٹ کر ندامت کی سرزمین میں دفنا دیتے ہیں۔ محبتِ حق کے متوالے مشاہدہ ذات کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں ہوتے۔ حضوریٔ حق کی نعمت دنیا سے کنارہ گیر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ خلوت نشینی عزلت گزینی ہی سے یہ سعادت میسر ہوتی ہے حتیٰ کہ اسی خیال میں دوستوں کو دشمن اور بیوی بچوں کو یتیم ویسیر تصور کرنے لگ جائے۔ حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور یہ رباعی زبانِ مبارک پر جاری ہوئی۔

رباعی گر عاشقِ دوستی بہ تنہاش طلب در خلوتِ عشق آئے و پیداش طلب
گر میخواہی حضورِ نعمت ہر روز آنجا کہ کسے نباشد آنجاش طلب

"اگر تو محبوب پر فریفتہ ہے تو اُسے اکیلے تلاش کر عشق کی خلوتوں میں آجا اور ظاہر اجستجو کر۔ اگر محبوب کی زیارت سے ہر روز بہرہ ور ہونا چاہتا ہے تو اُسے وہاں تلاش کر جہاں کوئی اور نہ ہو۔"

فرمایا۔ ایک دفعہ دورانِ سفر ایک مجذوب بزرگ سے ملاقات ہوگئی۔ اکٹھے سفر کر رہے تھے کہ ایک صحرا میں سے ہمارا گذر ہوا۔ پانی کی قلت تھی۔ مجھے پیاس محسوس ہوئی۔ لیکن اُسی بزرگ کی وجہ سے میں نے پیاس کا اظہار نہ کیا۔ وہ بزرگ روشن ضمیر تھے۔ کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم پیاسے ہو۔ میں نے عرض کیا حضور درست ہے۔ فوراً اپنے مبارک پاؤں کو زمین پہ مارا۔ پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ فرمایا۔ جتنا پانی چاہو

پی لو۔ میں نے اُس چشمہ سے پانی پیا۔ اُس چشمہ کے پانی کی لذت زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ آج تک اُس پانی کی لذت جیسی لذت مجھے نصیب نہیں ہوئی۔ جب اُس منزل سے آگے بڑھے۔ ہم نے نماز شام ادا کی۔ وہ بزرگ اُپنے شغل میں لگ گئے۔ کچھ وقت کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا بیٹے! قیامت کے دن جب اہل محبت اپنی قبروں سے اٹھیں گے اُپنے خیمے دوزخ کے دروازے پر نصب کر کے بیٹھ جائیں گے۔ جونہی اُن کی نظر دوزخ پر پڑے گی۔ دوزخ کی آگ نیچی اور دھیمی ہو جائے گی۔ اُس کو یہ مجال نہ ہوگی کہ سر اٹھا سکے۔ جب دوزخ کی آگ دھیمی ہو جائے گی تو خلق کے لئے دلیل راحت ہوگی اور عذاب سے نجات کا سبب بنے گی۔ اہل محبّت کا دوزخ کے سامنے خیمہ زن ہونے کا مقصد بھی یہی ہوگا۔ کہ خلقِ خدا اس کے عذاب سے بچ جائے۔

اہل سلوک کے فرض و سنّت

اے درویش! ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور میں ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ کسی نے یہ سوال کیا کہ اہل سلوک کے ہاں فرض اور سنّت کیا ہیں۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جواب دیا۔ فرض صحبتِ پیر ہے اور سنّت ترک دُنیا و مافیہا۔ پھر فرمایا۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا کہ درویش وہ ہے جو دل کے خزانے کے اندر غوطہ زن ہو جائے پس وہ موتی جس کا نام محبت ہے اگر حاصل کرے تو درویش کامل ہو جائے گا۔ فرمایا محبّت میں درجہ کمال تب حاصل ہوتا ہے جب انسان عشق میں عیب جو نہیں رہتا اور ماسوئے سے ترک محبّت کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے مقام قرب پر فائز کرتا ہے۔ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! خدا تک پہنچنے کی کیا سبیل ہے۔ فرمایا۔ گونگا۔ بہرہ۔ اندھا بن جانے سے۔ جب یہ تینوں دشمن چشم و گوش و زبان بند ہو جاتے ہیں تو بندہ خداوند کریم کے حضور رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اہل محبّت کے دل کو سوائے مقامات کے کہیں سکون نہیں ملتا۔ اوّل: گھر کے کونے میں جہاں کوئی اور شخص ذکر و شغل

میں حائل نہ ہو۔ دوم: مسجد میں کیونکہ وہ عشاقِ بارگاہ کی محبوب جگہ ہے۔ سوم: قبرستان جو عبرت کا مقام ہے۔ چہارم: کنجِ تنہائی۔ کہ جہاں یا محبّ ہو یا محبوب دوسرا کوئی نہ ہو۔ حضرت قطب الاقطاب نے یہ فرمایا اور زار زار رونے لگے۔ یہ رباعی آپ کی زبانِ مبارک پر جاری تھی

رباعی: گر عاشقِ دوستی بہ تنہاش طلب در خلوتِ عشق آئے و پیداش طلب
گر میخواہی حضور نعمت ہر روز آنجا کہ کسے نباشد آنجاش طلب

فرمایا۔ اے عزیز! میرے نزدیک عشقِ الٰہی میں حرمل کے دانے کی مانند چند لمحوں کے لئے تڑپ تڑپ کر جان دے دینا ستر سال کی بے عشق و محبت عبادت سے بہتر ہے ہمارا معاملہ تو عورتوں سے بھی گیا گزرا ہے۔ وہ ایک ماہ میں تو غسل طہر کرتی ہیں۔ ہم ساری عمر میں ایسا غسل نہ کر سکے کہ پاک و صاف بن سکتے۔

عاشق کا دل عرشِ الٰہی کا طواف کرتا ہے

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ شوق و اشتیاق کی ایک واردات کا ذکر یوں فرمایا۔ کہ ایک دفعہ جذب و کیف کی حالت میں اکیلے بارگاہ محبوب میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔ تمام عالمِ ملکوت کی سیر کی۔ پھر فرمان ہوا۔ اے بایزید! ہمارے حضور کیا تحفہ لائے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ بار خدایا۔ تیری خدمت اقدس میں تیری محبت و رضا کا ہدیہ پیش کرنے کو لایا ہوں۔ آواز آئی۔ بایزید تو اچھی چیز لایا ہے۔ یہ ہمارے شایانِ شان نذرانہ ہے۔ ہم اسے قبول کرتے ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک ذاکر و شاغل اور عالی مقام بزرگ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ چند روز اُن کی خدمت اقدس میں حاضر رہا۔ نمازِ فرض کے بعد ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ اور اتنا شدت سے ذکر فرماتے کہ اُن کے روں روں سے پسینہ پھوٹ پڑتا۔ سینکڑوں دفعہ ذکر کرتے کرتے گر پڑتے اور پھر اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ ایک دن ذکر کے بعد فرمانے لگے کتابِ عشق میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں۔ جب میرا ذکر بندۂ مومن پر غالب ہو جاتا ہے۔ میں اللہ جو اُس کا پروردگار ہوں اُس کا عاشق ہو جاتا ہوں۔ اور وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ عشق سے مراد محبت ہے۔ پھر اِنسان کو اس سعادت عُظمیٰ سے کیوں محروم رہنا چاہیئے اور ذکرِ خدا سے کیوں غافل ہونا چاہیئے۔ اے عزیز! اُس خالقِ کائنات نے دل کو اس لئے پیدا فرمایا کہ عرش الٰہی کا طواف کرے۔ دل کی تین قسمیں ہیں ایک دل پہاڑ کی مانند ہوتے ہیں جو اپنی جگہ سے ذرہ برابر حرکت نہیں کرتے۔ یہ دل محبانِ صادق کے دل ہوتے ہیں۔ کچھ دل درخت کی مانند ہوتے ہیں کہ جڑ تو اُن کی قائم ہے مگر شاخیں ہوا سے ہلنے لگتی ہیں اور کچھ دل ایسے ہوتے ہیں جو درخت کے پتوں کی طرح ہوا کے ایک جھونکے سے ادھر سے ادھر ہو جاتے ہیں۔ مگر محبت میں پختہ اور سچا وہ شخص ہے جو یادِ محبوب کے سوا کسی چیز کو پسند نہ کرتا ہو۔

ذاتِ حق کی شانِ رحمت

پھر فرمایا۔ جب سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا۔ کہ فرعونِ سرکش کو اسلام کی دعوت دو۔ تو کہا گیا کہ اُسے دعوتِ اسلام نرمی و آہستگی سے دینا۔ تاکہ وہ ناراض نہ ہو۔ حضرت نے اس مقام پر روتے ہوئے فرمایا۔ کہ وہ شخص جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگاتا تھا۔ اُس پر خدائے کریم کے لطف و کرم کا یہ حال ہے تو اے عزیز! اُس انسان کو جو پانچ وقت سبحان ربی الاعلیٰ کی پکار کرتا ہے اور اس کی محبت کا دم بھرتا ہے اُس کے لطف و کرم کا بدرجۂ اولیٰ مستحق ہونا چاہیئے۔ اُسے ہرگز ہرگز رحمت خداوندی سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ اُس کی رحمت کا یہ عالم ہے وہ تیرے معاملے میں کیوں فیاضی نہ کرے گا۔ جو آج اُس کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ اور اُس کی یاد میں مشغول رہتا ہے وہ قیامت کے عذاب کی شدت سے بے غم ہو جاتا ہے۔

جب قارون زمین کے چوتھے طبق میں اپنے مال و متاع کے ساتھ دھنستا ہوا چلا گیا۔ اس طبقے کے رہنے والوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اور تُو نے کیا گناہ کیا ہے کہ تجھے اس

طرح زمین میں دھنسایا جا رہا ہے۔ قارون نے جواب دیا۔ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ہوں میرا گناہ یہ ہے کہ میں نے خدا کے ایک رسول کی برابری کی اور زکوٰۃ نہ دینے کے جرم کا مرتکب ہوا تو یہ دن مجھے دیکھنا پڑا۔ جونہی قارون کی زبان سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا نام نامی اسم گرامی نکلا۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ قارون کو اب اسی مقام پہ رکھو نیچے نہ لے جاؤ۔ کیونکہ جو شخص ہمارے دوست کا نام بھی زبان پر لاتا ہے اس کو عذاب نہ دینا ہماری ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام رو پڑے اور فرمایا۔ اے درویش! وہ شخص جو کہ ہمیشہ اپنے محبوب کے نام اور یاد میں مستغرق رہتا ہے قیامت کے دن اس کا مقصد اس کے دامن میں ہوگا۔ گویا وہ کامیاب و کامران ہوگا اور انوار تجلی سے جھولیاں بھرے گا۔

ایک دن لوگوں نے حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! محبت والے لوگ کون ہوتے ہیں؟۔ فرمایا۔ وہ لوگ جو سوائے اپنے محبوب کے کسی اور میں مشغول نہ ہوں کیونکہ جو شخص محبوب کے سوا کسی اور چیز سے خوش ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ غم اندوہ کے قریب ہو جاتا ہے اور جو شخص محبوب کی خدمت میں راحت پاتا ہے وہ تمام وحشتوں سے دور ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ جس کی روح محبوب کی چوکھٹ پر معلق نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں اس کے محبت کے سارے دعوے نادرست ہیں۔

فرمایا۔ جو شخص محبت کی خواہش سے اپنی منزل کا آغاز کرتا ہے جلد ہی خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور جو دنیا کی خواہش لے کر چلتا ہے دوزخ کے قریب ہی پہنچتا ہے۔ صرف دعویٰ کر لینے سے مملکت محبت تک رسائی ناممکن ہے۔

یہاں پہنچ کر حضرت والا جلدی سے اٹھے دولت کدہ میں تشریف لے گئے ہم لوگ بھی واپس اپنے گھروں میں آ گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

گیارھویں فصل

موضوع ـ خوف و توکّل

حاضر خدمت اقدس ہوا۔ تو مولانا برہان الدین ہانسوی، شیخ بدر الدین غزنوی اور دیگر ارادت مند موجود تھے۔ حضرت خوف و توکّل کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے۔

فرمایا۔ درویشو! خوفِ حق بے اَدب بندوں کے لیئے تازیانۂ عبرت ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے نافرمانیوں سے باز آجائیں۔ اور راہِ راست پر پختہ گام ہو جائیں۔ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے الم یاْن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم۔ فرمایا۔ اے بندو۔ وقت آگیا ہے کہ تمہارے دل ہمارے خوف سے نرم ہو جائیں۔ تم میں سے کوئی ہے جو ہمارے ساتھ صلح کرکے توبہ کرے اور ہم اُس کی توبہ منظور فرمائیں۔

خوف کا سرچشمہ

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا۔ خوف عدلِ خداوندی سے ہے اور رجا (امیدِ کرم) اُس کے فضل سے ہے خداوندکریم کے ہاں عزیز ترین انسان وہ ہیں جن کا مقام خوف و رجا کے درمیان ہے (بمطابق حدیث شریف الایمان بین الخوف والرجا)۔ ایک بزرگ تھے جو چالیس سال تک خوف خداوندی سے روتے رہے۔ اور جب موت کے ہولناک منظر کو یاد کرتے برگ بید کی طرح لرزہ براندام ہو جاتے۔ حتّٰی کہ بے ہوش ہو جاتے جب ہوش میں آتے یہ آیہ کریمہ پڑھتے ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم (نیک لوگ بہشتِ نعیم میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ جحیم میں)۔ پھر نعرہ مارتے اور گر پڑتے۔ فرماتے مجھے خبر نہیں ان دو گروہوں میں میرا تعلق کس سے ہوگا۔ اور مجھے کون سی صف میں کھڑا کریں گے۔ بعدازاں جب اُس بزرگ نے وصال فرمایا۔ ارادت مندوں میں سے بعض نے اُن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا حضرت!

بارگاہ خداوندی میں آپ سے کیا سلوک کیا گیا؟ فرمایا۔ وہی سلوک جو دوستوں سے کیا جاتا ہے۔ مگر جب مجھے عرش کے نیچے لے جایا گیا۔ حضرتِ باری عزّ اِسمہٗ سے فرمان ہوا۔ اے درویش! تم اتنا گریہ کیوں کیا کرتے تھے۔ کیا تم نہ جانتے تھے کہ ہم غفار ہیں۔ میں نے عرض کی مولا! تیری شانِ قہاری کے خوف سے روتا تھا۔ جب میں نے یہ عرض کی۔ خطاب ہوا۔ فرشتو! اس کے نامۂ اعمال میں جتنی عبادتیں ہیں قلم زن کر دو۔ اور فرمایا۔ جاؤ! ہم نے تمہیں اِس خوف کے صدقے بخش دیا۔

حضرت اقدس نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا۔ کہ جب سیدنا یحیٰی علیہ السلام بچپن ہی میں بہت زیادہ رویا کرتے تھے۔ ایک دن ایک پہاڑ کی چوٹی پر سر سجدہ میں رکھے ہوئے گریہ وزاری فرما رہے تھے۔ اُن کی والدہ ماجدہ تلاش کرتی ہوئیں وہاں پہنچ گئیں دیکھا کہ رو رہے ہیں، شفقت سے اُن کا سر اپنی گود میں رکھا، سیدنا یحیٰی علیہ السلام نے سمجھا کہ موت کا فرشتہ آ گیا۔ فرمایا۔ تھوڑی دیر توقف کرو میں اپنی والدہ کی زیارت کر آؤں۔ جونہی سیدنا یحیٰی علیہ السلام نے یہ کہا۔ اُن کی والدہ زور سے بول اٹھیں۔ اے ماں کی جان! میں موت کا فرشتہ نہیں ہوں۔ تیری ماں ہوں۔ آؤ۔ میری آغوش میں آ جاؤ۔ یہ تھوڑا سا کھانا تمہارے لئے لائی ہوں اٹھو۔ اسے کھا لو۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام والدہ ماجدہ کے حکم سے سرتابی نہ کر سکے۔ والدہ کے ساتھ گھر آ گئے۔ گھر آ کر انہوں نے پوچھا۔ یحیٰی بیٹے! تُو ابھی بچہ ہے۔ گناہوں کی آلودگیوں سے تیرا وجود پاک و صاف ہے۔ پھر تُو کس لئے اتنا گریہ کرتا رہتا ہے۔ اتنا رویا نہ کر۔ جب والدہ نے یہ بات کہی سیدنا یحیٰی علیہ السلام نے جواب دیا۔ امّی جان! یہ صحیح ہے جو آپ فرما رہی ہیں۔ مگر قیامت کے دن اگر مجھے دوزخ کے شعلوں میں ڈالنے لگیں اور آپ دیکھ رہی ہوں۔ تو کیا آپ مجھے اُس عذاب سے نجات دِلا سکیں گی؟ والدہ نے جواب دیا۔ نہیں۔ فرمایا۔ تو پھر امّی جان آپ مجھے رونے اور خوفِ الٰہی سے نہ روکیں کہ آج مجھے اس کا چارہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ کل قیامت

کو دوزخ کے شعلوں سے رہائی مل جائے۔

انبیاء و اولیاء خوفِ الٰہی سے لرزاں تھے

فرمایا۔ اے درویش! انبیائے علیہم السلام و اولیائے کرام خدا کے خوف سے یوں نرم ہو جاتے جیسے سونا کٹھالی میں پگھلتا ہے۔ کیونکہ عاقبت کار کی فکر ہر ایک کو رہتی ہے۔ بزرگان دین میں سے ایک بزرگ بنام عبداللہ خفیف چالیس سال تک رات کو نہ سوئے۔ اور پہلوئے مبارک تک زمین پر نہ لگایا۔ خدا کے خوف سے اتنا روتے کہ آنسوؤں کے بکثرت بہنے کی وجہ سے رخساروں پر گوشت پوست نام کو باقی رہ گیا تھا محویت اس قدر ہوتی کہ لوگ کہتے کہ ان کے رخساروں کے درمیان چڑیوں نے اپنا بسیرا کر لیا ہے۔ خدا کے خوف میں اس طرح حیران رہتے کہ ان کے آنے جانے کی خبر تک نہ ہوتی وہ بزرگ جب قیامت اور قبر کے بارے میں گفتگو فرماتے تو بید کے پتے کی مانند لرزتے اور بے ہوش ہو کر ماہی بے آب کی مانند تڑپا کرتے۔ جب اپنے آپ کو سنبھال لیتے تو یہ آیۂ کریمہ پڑھتے۔ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ۔ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ کا مقام دوزخ ہو گا۔ پھر روتے اور کہتے معلوم نہیں میرا مقام کون سے گروہ کے ساتھ ہو گا۔ آخری وقت تک اسی طرح زندگی گذاری۔ یہاں تک کہ انہوں نے وصال فرمایا۔

اسی طرح حضرتِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تیس سال تک خوابِ استراحت سے کنارہ کش رہے۔ جب کبھی نیند کا غلبہ ہوتا تو حضرت بے ہوش ہو جاتے۔ جب سنبھلتے تو اپنے نفس سے فرماتے۔ اے نفس! تو نے حضرتِ باری جل و علا کے شایان شان کوئی اطاعت نہ کی کہ قیامت کے دن نجات پا جاتا اور خدا کے پہچاننے کا حق ادا کرتا جیسا کہ چاہیئے تھا۔ اے نفس! تو تو دنیا و آخرت میں ناکارہ رہا۔ اس طرح موصوف زندگی گذارنے پر افسوس کرتے اور روتے رہتے۔ قرآن کریم پڑھتے ہوئے جب آیاتِ عذاب

پر پہنچتے تو مدتوں عالم تحیر میں یوں رہتے کہ مخلوق سے بے خبر۔ جب ہوش میں آتے تو فرماتے۔ قیامت کو اگر ابوحنیفہ رہا ہو گیا تو حیرانی والی بات ہو گی۔

فرمایا۔ ایک نیک و پارسا نوجوان خوف الٰہی سے اتنا ضعیف و نزار ہو گیا تھا۔ کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آتا تھا۔ جب رات پڑتی اپنے گلے میں رسی ڈال لیتا اور گھر کی چھت سے باندھ لیتا۔ تمام شب گریہ و زاری میں گذار دیتا۔ جب سجدے میں سر رکھتا تو کہتا کہ میں نے بے اندازہ و بے حد گناہ کئے ہیں۔ اے اللہ! قیامت کے دن میرے گناہوں کو اگر خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے گا میں اپنا سیاہ منہ کس طرح ظاہر کر سکوں گا۔ ساری عمر اسی حال میں رہا۔ راتوں کو گریہ و زاری کرتے کرتے بے ہوش ہو جاتا اور جب ہوش میں آتا تو پھر ذکر شروع کر دیتا۔ اُسے اپنے جسم و جان کی خبر تک نہ رہتی۔ اُس بزرگ نوجوان نے اپنے آپ کو اس شدید محنت میں ڈال رکھا تھا۔ اینٹ کا تکیہ بنائے ہوئے تھا۔ جب اُس کی رحلت کا وقت قریب آیا۔ اپنی بوڑھی والدہ کو پاس بلایا۔ اور کہا امی جان! جس وقت میری روح و جسم کا تعلق ختم ہو۔ ایک رسی لے کر میری گردن میں ڈالنا۔ اور گھر کے چاروں طرف پھرانا اور کہنا۔ کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے خدا کے حضور سے بھاگتا تھا۔ ایسے شخص کی یہی سزا ہوتی ہے۔ دوسرا میرا جنازہ رات کے وقت باہر نکالنے دینا۔ کیونکہ جو شخص دیکھے گا میرے گناہوں پر افسوس کرے گا۔ تیسرا یہ کہ جب قبر میں رکھا جاؤں تو میرے پاس ٹھہرنا اور میری قبر کو تنہا نہ چھوڑنا کہ مبادا مجھے عذاب دینا شروع کر دیں۔ ممکن ہے آپ کے قدموں کی برکت اور سینے کی دردمند آہوں سے میری بخشش کا سامان ہو جائے۔ یہ وصیت کی اور وصال پا گیا۔ اُس کی ماں حسب وصیت گردن میں رسی ڈالنے لگی۔ گھر کے کونے سے آواز آئی۔ اے خاتون! عاشق اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔ اس جوان سے ہاتھ روک لے۔ اس کی گردن میں رسی ڈالنے کی بے ادبی نہ کرنا۔ کہ وہ تو ہمارے عاشقوں میں سے تھا۔ اور خدا کے

اولیاء کے ساتھ وصال کے بعد ایسا سلوک کون کرسکتا ہے ؟ اس کو چھوڑ دے کہ یہ ہمارا ولی ہے ہم نے اِس کی مغفرت فرمادی۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی خوف خدا سے بہت گریہ کیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ پانی کی ندیاں آنکھوں سے بہہ رہی ہیں۔ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا گزر اُن کے بالاخانہ کے نیچے سے ہوا۔ رونے کی آواز سُنی تو اُوپر گیئں اور پوچھا حسن! کیا بات ہے آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا۔ خداوند تعالیٰ کے خوف سے رو رہا ہوں، معلوم نہیں قیامت کو کس گروہ میں حشر فرمائیں گے۔

خوف خدا شرط ایمان ہے

اے درویش: رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ مسلمان نہیں۔ کیونکہ مسلمان وہ ہے جس کے دل میں خدا کا خوف غالب ہو۔

فرمایا۔ ایک دفعہ خواجہ منصور عماد ایک محلہ میں سے گزر رہے تھے۔ ایک گھر سے گریہ کی آواز آرہی تھی۔ کوئی شخص کہہ رہا تھا۔ اے اللہ! میں نے بہت گناہ کئے نہ جانے کل قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا۔ منصور عماد نے جب یہ سنا دروازے کے قریب ہو گئے اپنا منہ دروازے کے شگاف کے قریب کرتے ہوئے رو کر یہ آیہ مبارکہ پڑھی اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم وقودھا الناس والحجارہ۔ علیھا ملائکۃٌ غلیظٌ شِدَادٌ لَا یَعْصُونَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ۔ ویفعلون مایُؤمَرُون۔ یعنی دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اُس پر سخت دل شدید قسم کے فرشتے نگران ہوں گے۔ جو اللہ کے امر کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ جو انہیں حکم دیا جائے گا اُس کی تعمیل کریں گے۔ خواجہ منصور فرماتے ہیں جونہی مَیں نے یہ آیت پڑھی مَیں نے شگاف در پر کان لگا دیئے۔ تھوڑی دیر تک کوئی آواز نہ آئی۔ پھر ایک چیخ کی آواز آئی اور اندر کسی نے تڑپنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد خاموشی طاری ہوگئی اور میں وہاں سے آگے گذر گیا۔ جب دن ہوا۔ پھر

میں اُس گھر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جنازہ پڑا ہوا ہے۔ آگے بڑھا تاکہ معلوم کروں یہ گھر کس کا ہے۔ ایک بوڑھی عورت روتی ہوئی باہر نکلی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ متوفی اس خاتون کا کیا لگتا تھا۔ انہوں نے کہا۔ اِس کا بیٹا تھا۔ بڑا پرہیزگار تھا۔ رات کو نماز پڑھتا تھا اور دن کو روزے رکھتا تھا۔ سید زادہ تھا۔ وقتِ سحر اپنے رب کے حضور مناجات کر رہا تھا اور رو رہا تھا۔ ایک آدمی دروازے کے سامنے سے گزرا۔ اُس نے قرآن کی ایک آیت اِس کے دروازے کے سامنے پڑھی۔ جونہی قرآن کی آواز اِس کے کان میں پڑی زمین پر اس طرح گرا کہ جان دیدی۔ خواجہ منصور عماد نے افسوس کیا اور کہا کہ اِسے میں نے مار ڈالا۔ اُس کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت پر حالت گریہ طاری ہوگئی اور بے خبری کے عالم میں ایک شبانہ روز یونہی گزر گئے۔ پھر حالت سنبھلی۔ حضرت اقدس ہوش میں آئے تو فرمایا:

اے درویش! خواجہ عبداللہ تستری اللہ تعالیٰ کے خوف سے چالیس سال تک گریہ کناں رہے۔ اس عرصے میں لوگوں نے کبھی انہیں حالت گریہ کے بغیر نہ دیکھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے سوال کیا۔ کہ خواجہ! آپ کسی وقت بھی حالت گریہ سے خالی نہیں ہوتے اِس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا۔ عزیزو! جب قیامت کا ہولناک اور پریشان کن سماں نظروں کے سامنے آتا ہے۔ کہ اُس دن ماں باپ بیٹوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گے اور فرزند ماں باپ کی پروا نہ کریں گے۔ باپ بیٹے سے گریزاں ہوگا اور بیٹا باپ سے۔ بھائی بھائی سے نفور اور مسلمان ایک دوسرے سے بے نیاز ہوں گے۔ جس شخص کو ایسے دن کا سامنا ہو اور اُسے یہ علم نہ ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا اُسے نیند اور چین آ سکتا ہے۔ بڑا سنگ دل ہے وہ انسان جو اُس دن کے خوف سے لرزتا نہیں۔ اِس بات کی فکر نہیں کرتا۔ کہ اُس کے ساتھ کیا بیتے گی۔

قیامت کے دن اولیاء اللہ بے خوف و بے غم ہوں گے

رسول کریم صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن تمام لوگ ڈرتے روتے ہوئے اٹھیں گے۔ سوائے اولیاء اللہ کے۔ کیونکہ وہ دُنیا میں خوفِ خداوندی سے گریہ وزاری کرتے رہے ہیں۔ عقبیٰ میں ہنستے مسکراتے ہوئے قبروں سے تشریف لائیں گے۔

حضرت کی زبان حق نشان سے پھر ارشاد ہوا۔ خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حق تعالیٰ نے اپنا حبیب کہا۔ اِس عظمتِ شان کے باوجود جب خوفِ حق کا جذبہ غالب آتا اتنے محو ہو جاتے کہ نہ دن کو دن سمجھتے اور نہ رات کو رات۔ راتوں کو نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کرتے کہ قدم مبارک پھٹ جاتے اور خون جاری ہو جاتا۔ صحابۂ کرام نے اِس بارے میں سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ اے صحابہ! اگر قیامت کے دن مجھے اور میرے بھائی حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السّلام کو دوزخ میں ڈال دیں تو یہ عدل ہوگا۔ ظلم نہ ہوگا۔ کیونکہ تمام کائنات کا مالک وہی مالک الملک ہے پس جو ہستی اپنے مِلک میں تصرّف کرتی ہے اُسے ظالم نہیں کہا جاتا۔ ظلم تو یہ ہوتا ہے کہ کسی غیر کی مِلک میں تصرّف کیا جائے۔

فرمایا۔ میرے بھائی شیخ نجیب الدین متوکّل بڑے شاغل و ذاکر بزرگ ہیں۔ مَیں نے اپنے سیر وسفر میں اتنا عابد و شاغل انسان نہیں دیکھا۔ اُن پر جب غلبۂ خوفِ الٰہی ہوتا ہے تو انہیں یہ بھول جاتا ہے کہ آج کون سا دن، مہینہ اور سال ہے۔ ایک عجیب عالم حیرت طاری ہو جاتا ہے۔

خوف کے درجے

اے درویش! جذبۂ خوفِ خدا کے تین درجے ہیں۔ اوّل: کم کھانا یعنی روزہ رکھنا۔ دوم: کم بولنا یعنی زیادہ تر نماز پڑھنا۔ سوم: کم سونا یعنی زیادہ وقت ذکرِ الٰہی میں گزارنا ــ پس جس شخص کو یہ صفات میسّر نہیں اُسے خائف نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح ایمان کے لئے بھی تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل: خوف۔ دوم: رجاء۔ سوم: محبّت۔ دل میں خوفِ خدا کا ہونا

انسان کو گناہ کے ترک کر دینے پر مجبور کر دیتا ہے تاکہ دوزخ کے عذاب سے نجات پا جائے۔ انسان کے دل میں رجاء (امیدِ رحمت) کا موجود ہونا اُسے اطاعت خداوندی کی راہ دکھاتا ہے تاکہ وہ بہشت میں مقام حاصل کرے۔ خدائے کریم کے ہاں قدر و منزلت پائے اور درجاتِ علیہ پر سرفراز ہو۔ اور محبت انسان کو منہیات اور مکروہات سے پرہیز دلاتی ہے تاکہ اُس محبوب کی رضا و خوشنودی کی دولت بے پایاں سے بہرہ ور ہو۔

توکّل

فرمایا۔ عزیزو! عقلمند انسان وہ ہے کہ تمام کاموں میں اُس کا توکّل خداوند تعالیٰ پر ہی ہو۔ اور کسی سے اُس کے سوا کچھ توقع نہ رکھے۔ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا عازم سفرِ حج تھیں۔ اُن کے پاس سواری کے لئے ایک گدھا تھا۔ دورانِ سفر ایک جنگل میں وہ گدھا اس طرح گرا کہ پھر اٹھ نہ سکا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا سامان زمین پر پڑا ہوا تھا۔ لوگوں نے آکر درخواست کی کہ ہمیں خدمت کی سعادت عنایت فرمایئے۔ ہم آپ کا سامان اٹھا کرلے جاتے ہیں۔ حضرت رابعہ نے سختی سے انکار کیا اور کہا۔ میں تمہارے توکّل پر یہ سفر نہیں کر رہی۔ میرا توکّل تو اُس ذات پر ہے جو میرے سامان کے لے جانے کا خود انتظام فرمائے گا۔ مجبوراً قافلہ والے چلے گئے اور آپ تنہا رہ گئیں۔ اُسی وقت آسمان کی طرف رخ کر کے عرض کی۔ الٰہی! ایک ضعیف عورت کے ساتھ تُو نے یہ کیا سلوک کیا۔ کہ جنگل بیابان میں میرے گدھے کو مار دیا اور میں یہاں حیران و پریشان رہ گئی ہوں۔ ابھی یہ بات پُوری نہ ہوئی تھی کہ گدھا دوبارہ زندہ ہو گیا۔ سامان اُس پر لادا اور حج کے لئے روانہ ہو گئیں۔

حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے توکّل کا یہ عالم تھا کہ تیس سال تک خلقِ خدا سے عزلت اختیار کئے رکھی اور کبھی کسی کے پاس نہ گئے۔ اس دوران میں ایک دفعہ حج کا ارادہ کیا تو نیت یہ کی کہ لوگ خانہ کعبہ قدموں سے چل کر جاتے ہیں میں آنکھوں کے بل چل کر درِ محبوب پہ پہنچوں گا۔ غرضیکہ جب روانہ ہوئے تو ہر قدم پر نمازِ دوگانہ ادا کرکے

بڑھتے۔ چنانچہ اِس شان سے سفرِ حج کر رہے تھے کہ ایک جنگل میں پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ستر نقاب پوش آدمیوں کے سر کٹے ہوئے ہیں اور خون آلود نعشیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں اُن میں سے ایک آدمی میں ابھی زندگی کے چند سانس باقی تھے۔ اس نے آواز دی۔ اے ابراہیم ہم لوگوں کا حال سُن! ہم ستر افراد صوفی کہلاتے تھے۔ توکّل کے اس عہد کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ راہ میں کسی سے بات تک نہ کریں گے۔ جب ہم اس جنگل میں پہنچے خواجہ خضر ظاہر ہوئے۔ ہم نے اُن سے ملاقات کی اور محوِ گفتگو رہے۔ معاً آواز آئی کہ اے بد عہد مدّعیو! کیا تمہارا قول ہم سے یہی تھا۔ افسوس تم اپنے عہد کو فراموش کر بیٹھے اور ہمارے سوا مصروفِ کلام ہو گئے۔ ایک تلوار ہوا میں نمودار ہوئی۔ سب کے سر کاٹ دیئے اور ہلاک کر دیا۔ اے ابراہیم جو شخص راہِ توکّل کا مسافر بنتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ جادۂ توکّل سے سرِ مو تجاوز نہ کرے۔ تاکہ اُس کا انجام ہماری طرح عبرت ناک نہ ہو۔ جونہی کہ مردِ نقاب پوش نے یہ بات ختم کی اور جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی۔ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا تعجب ہوا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تشریف فرما ہیں اور خانہ کعبہ اُن کے گرد طواف کر رہا ہے۔ خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حیرت بڑھ گئی۔ اونچی آواز میں رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو فرمایا۔ اے رابعہ! تُو نے دُنیا میں یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے؟ رابعہ نے فرمایا۔ ابراہیم یہ شور و ہنگامہ تو آپ نے قائم کیا ہوا ہے۔ دُنیا میں مشہور ہے کہ ابراہیم چودہ سال سے آنکھوں کو قدم بنا کر زیارتِ کعبہ کے لئے عازمِ سفر ہے۔ اور ابھی تک زیارتِ کعبہ سے سرفراز نہیں ہوا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے۔ فرمایا۔ آپ کو کعبہ دیکھنے کی آرزو ہے اور مجھے خانہ کعبہ کے مالک کو دیکھنے کی خواہش ہے۔ اس لئے جس شخص کو مالک دیکھنے کی آرزو ہو تو وہ گھر بھی دیکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ گھر تو اپنے مالک کے پاس ہی ہوتا ہے۔

اہلِ توکّل کی شان

فرمایا۔ خواجہ قطب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بیس سال عالمِ توکّل میں رہے۔ خلقِ خدا سے مکمل کنارہ کش۔ باورچی خانے کا مہتمم ضروریاتِ روزانہ کے لئے حاضر ہوتا اور آداب بجالاکر عرض کرتا حضرت! خانقاہ کے درویشوں اور خادموں کے کھانے کے لئے سامان چاہیئے۔ حضرت اُپنے سامنے ایک جگہ کا اشارہ فرماتے اور لانگری اپنی ضروریات از قسم اجناس و نقود وہاں سے اٹھا لیتا اور درویشوں کی ضروریات پوری کرتا۔

حضرتِ اقدس نے ارشاد فرمایا اے درویش! صاحب سجادہ وہی شخص بن سکتا ہے جو صاحب توکل ہو۔ اور مخلوق میں سے کسی سے اپنی روزی اور فائدے کی توقع نہ رکھے۔ اگر ایسی نہیں تو وہ شخص مسند درویشی پر جاگزیں ہونے کے قابل نہیں۔ وہ اہلِ تصوف کے مدعی کاذب ہے۔ توکل تو یہ ہے کہ میں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی کسی سے فتوح قبول کرتے نہیں دیکھا۔ نہ ہی انہوں نے اِس کی کسی سے توقع کی۔ جب کبھی خادم مطبخ کو صوفیوں کی خوراک کے لئے روپے کی ضرورت ہوتی۔ حاضر ہوتا اور عرض کرتا حضرت مصلیٰ مقدس کے نیچے سے اشرفیوں کی مٹھی اٹھاتے اور اُسے تھما دیتے۔ صبح سے شام تک لنگر جاری رہتا۔ مسافرین و نازلین بھی آتے رہتے اور کبھی خالی ہاتھ نہ جاتے اور پھر بھی کھانا دستر خوان پر موجود رہتا کم نہ ہوتا۔

عالم حقیقت میں اہل توکّل کے خاص اوقات ہوتے ہیں۔ شوق کے ان لمحات میں اگر اُن کو آگ میں ڈال دیں یا زخمی بھی کریں تو انہیں خبر نہیں ہوتی۔

فرمایا۔ ایک دفعہ خواجہ حبیب شام کی جانب سفر کر رہے تھے۔ وہ عالمِ توکّل میں تھے۔ سفر کے دوران آبادی سے دُور ویرانے میں شام کو قیام فرماتے۔ عالمِ غیب سے اُن کی افطاری کا اہتمام ہوتا۔ جب دن ہوتا اپنی منزل (شام) کی طرف روانہ ہوجاتے چنانچہ ملک شام میں جب پہنچے تو ایک قائم اللیل وصائم النہار بزرگ کی خدمت

میں جانے کا موقع ملا۔ قریب گئے۔ سلام کیا۔ حکم ہوا۔ بیٹھ جائیے۔ آپ بیٹھ گئے۔ دل میں خیال گذرا کہ یہ بزرگ اس ویرانے میں مقیم ہیں۔ یہاں سامان خورد و نوش کا انتظام کیسے ہوتا ہوگا۔ جونہی کہ خواجہ حبیب کے دل میں یہ خیال آیا۔ اُس بزرگ نے بات شروع کر دی۔ اے خواجہ! ستر سال سے میں اس غار میں سکونت پذیر ہوں۔ میرا وظیفہ عالم غیب سے فراہم ہوتا ہے۔ اگر آج کی شب میرے مہمان بنیں تو آپ کو میرے ذوقِ توکل کا پتہ چل جائے۔ کہ میرا کھانا پینا کہاں سے ہوتا ہے۔ عرضیکہ جب نمازِ مغرب ادا کر چکے۔ ایک آدمی شیر پر سوار دستر خوان میں کھانا لے آگیا۔ شیر سے اترا۔ آداب بجالایا۔ اور کھانا بزرگ کے سامنے پیش کیا۔ اس دوران چھ آدمی صوفی اور بھی آموجود ہوئے۔ آپ نے ان کو بھی تناولِ ماحضر کی دعوت دی۔ مختصر یہ کہ خواجہ حبیب۔ بزرگ موصوف اور چھ صوفیوں نے مل کر وہ کھانا کھایا۔ اُس کے بعد اُس بزرگ نے ہاتھ زمین پر مارا ایک چشمہ پانی کا پھوٹ پڑا۔ ہر ایک نے اس چشمۂ صافی سے سیر ہو کر پانی پیا۔ خدا کا شکر بجالائے۔ تکبیر و تہلیل کی گونج ہوئی اور ذکر و فکر میں مراقب ہو گئے۔ بعد ازاں اُس بزرگ نے خواجہ حبیب کو فرمایا اے خواجہ! آپ تعجب فرماتے تھے کہ اس کا سامان خورد و نوش کا اہتمام کہاں سے ہوتا ہوگا۔ تو وہ اس طرح سے ہوتا ہے۔ اور فرمایا جو شخص عالم توکل میں ہوتا ہے۔ اور خدائے کریم کے کرم پر اعتماد کرتا ہے۔ اس کے لئے انتظام عالم غیب سے ہوتا ہے۔

جب حضرت شیخ الاسلام یہاں پہنچے تو مجلس برخاست کی۔ اور ہم نیاز مند اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

بارھویں فصل

ذکرِ طاقیہ

حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو مجلس معلّیٰ میں بغداد کے چند صوفیوں کے علاوہ شیخ برہان الدین ہانسوی اور شیخ بدر الدین غزنوی موجود تھے اور گفتگو طاقیہ کے بارے میں ہو رہی تھی

طاقیہ کی تعریف

طاقیہ کلاہ صوفیا کو کہتے ہیں. فرمایا. اے درویش! طاقیہ کی دو قسمیں ہیں. قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ایک طاقیہ لاطیہ کے نام سے موسوم ہے اور دوسری کو طاقیہ ناشزہ کہا جاتا ہے. طاقیہ لاطیہ اُس ٹوپی کو کہتے ہیں جو سر سے متصل ہو. اور یہ وہ کلاہ ہے جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے زیب سر اقدس فرمائی ہے. اہل صفہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے بھی اُسے پہنا ہے. طاقیہ ناشزہ سر پر متصل نہیں ہوتی بلکہ اونچی ہوتی ہے. اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے. بعض مشائخ کرام نے اسے سر پر پہنا ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک اس کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے.

ایک دفعہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھیوں کو درس حدیث املا کرا رہے تھے کلاہ صوفیا اُن کے سر پر تھی لیکن وہ کلاہ سفید نہ تھی یعنی کلاہ ناشزہ تھی. اسی دوران ایک آدمی مجلس میں آیا اور قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ رنگ کی کلاہ پہنی ہے یا سفید رنگ کی. آپ نے جواب دیا سفید رنگ کی. پھر سائل نے پوچھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کلاہ لاطیہ کو شرف پوشیدن بخشا ہے یا کلاہ ناشزہ کو قاضی صاحب نے فرمایا. کلاہ لاطیہ پہنتے رہے ہیں. تو سائل نے قاضی صاحب کو کہا آپ نے کلاہِ ناشزہ پہن رکھی ہے کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

حدیث کا درس اسی طرح اطلاکراتے ہو. کہ اِس ایک فعل میں دو خلافِ سنّت اعمال کے مرتکب ہو رہے ہو. قاضی صاحب سرچ میں پڑ گئے. پھر سائل سے کہا. آپ نے یہ باتیں جو مجھ سے کہی ہیں دو حال سے خالی نہیں. یا برائے اظہارِ حق یا میری ایذا کے لیے. اگر اظہارِ حق کے لئے کہاہے تو مجھے منظور ہے اگر مجھے ایذا پہنچانا مقصود ہے تو تم پر ہلاکت آئے. سائل نے کہا میں نے اظہار کلمہ حق کے طور پر آپ سے کہاہے. کیونکہ آپ دینِ اسلام کے امام ہیں آپ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّت کے خلاف عمل نہ کرنا چاہیئے.

کلاہِ صوفیاء (طاقیہ) کی اصل

اے درویش! صوفیاء کی کلاہ کی اصل پروردگار عالم ہی سے ہے. سیدنا جبریل علیہ السّلام ایک چہار کونہ کلاہ بہشت سے لائے. اور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پیش کر کے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) آپ کے پروردگار کا فرمان ہے کہ یہ چہار گوشہ کلاہ قبول فرمایئے. اور سر مبارک کی زینت بنایئے. اور اپنے بعد اصحاب میں جسے اہل جانیئے اِس کلاہ چہار گوشہ کو عنائت فرمایئے. اور اپنا نائب مناب بنایئے. سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے وہ کلاہ مبارک لی اور سر پر رکھ لی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سامنے تھے اُن کو ارشاد فرمایا. اے صدیق! ایک گوشہ کلاہ آپ کے لئے ہے. یہ کلاہ پہنتے رہیں اور اپنے بعد جسے اہل سمجھیں دے دیں. دوسری کلاہ دو گوشہ تھی دستِ مبارک سے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھی اور فرمایا. یہ کلاہ آپ کی ہے جسے چاہیں اپنے بعد عطا کریں. پھر تیسری ٹوپی جو سہ گوشہ تھی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی اور موزوں شخص کو عنایت فرمانے کی ہدائت کی. چوتھی ٹوپی جو چہار گوشہ تھی اور متصل بر سر تھی اپنے مبارک و مقدس ہاتھوں سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے سر پر رکھ کر فرمایا. اے علی! یہ کلاہ چہار بر کی آپ کے لئے مخصوص ہے اہلِ صفہ میں سے جسے اس کا اہل و مستحق سمجھے مرحمت فرما دیجئے. اس لئے کہ مجھے خاص

ارشاد ہوا ہے کہ کلاہ چہار برگی علی (کرم اللہ وجہہ) کو دینا۔

طاقیہ کے حقوق

فرمایا۔ اے درویش! یہ صوفیوں کی ٹوپی جسے طاقیہ کہتے ہیں۔ وہی سر پر رکھنے کا اہل ہے جو دنیا کو تج دے۔ سرمایہ داروں اور بادشاہوں کی مجلسوں سے کلی اجتناب کرے۔ اور جو اس کلاہ مقدس کے تقاضے بکمال و تمام پورا کرے۔ تاکہ قیامت کے دن رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، خلفائے راشدین اور مشائخ سلسلہ کے روبرو شرمسار نہ ہو۔ کلاہ صوفیاء کا سر پر رکھ لینا تو آسان ہے۔ لیکن اس کے حقوق کا ادا کرنا شرائط آداب بجالانا اور اس کے اوامر کی اطاعت اور مناہی سے روگردانی بڑی مشکل ہے۔ ان شرائط میں اگر ذرہ برابر پوری نہ کر سکے تو جھوٹا مدعی کہلائے گا اہل تصوف کے نزدیک وہ صدیق کہلانے کا روادار ہرگز نہ ہوگا۔

حضرت خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا۔ کہ جب کوئی صوفی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ پورا ایک سال اُپنے پاس رکھتے۔ پھر جب دیکھتے کہ کلاہ پوشی کا اہل ہو گیا ہے۔ تو عنایت فرما کر تنبیہ کرتے کہ اگر اس کلاہ کے حقوق بجالاتے تو تم نجات پا جاؤ گے۔ اور اگر بجا نہ لائے اور تجاوز کیا یہ کلاہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تجھ سے نپٹ لے گی۔ چنانچہ بدخشاں کا ایک بزرگ زادہ خواجہ مودود کی بارگاہ سیادت پناہ میں حاضر ہوا۔ اور کلاہ نوازی کی درخواست کی۔ خواجہ نے جب عارفانہ نظر سے اُس کے احوال دروں کا جائزہ لیا تو کلاہ صوفیاء کے لئے نااہل پایا۔ اُس کی درخواست مسترد فرما دی اور قبول نہ فرمانے پر اصرار کیا۔ جب معاملہ کسی طور پذیرا نہ ہوا۔ تو علاقے کے بزرگوں کو بطور سفارش لے آیا۔ خواجہ موصوف نے کلاہ اسے دے دی۔ لیکن فرمایا۔ مہمان بزرگ زادے۔ ٹوپی تو تم نے لے لی۔ لیکن تمہیں اسی ٹوپی کی قدر و اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ جن کو اس کلاہ مقدس کی شان کا علم ہے وہ دنیا کے دھوکے میں نہیں آتے۔ وہ بھلا ان باتوں کو کیا جانتا۔ ٹوپی لی اور بدخشاں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے معمولات کے مطابق فسادِ اعمال میں مبتلا ہو گیا اور

کلاہِ مبارک کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا دیا۔ حضرت کو پتہ چلا تو فرمایا۔ میں نے تو کہا تھا کہ یہ میری ٹوپی اُس کا کام سیدھا نہ کرے گی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا۔ کہ وہ بزرگ زادہ ایک الزام میں پکڑا گیا۔ اُس کی دونوں آنکھوں کو نکال دیا گیا۔ جس کی تکلیف کو برداشت نہ کرتے ہوئے ہلاک ہوگیا۔ حضرت رو پڑے اور حاضرین کو متوجہ کر کے فرمایا۔

درویشو! آج کا زمانہ تو کلاہ بازی کا زمانہ ہے۔ جو شخص چاہتا ہے اس کو سر پر رکھ لیتا ہے۔ لیکن ذرہ برابر اِس کا حق ادا نہیں کرتا۔ اِسی لئے تو اِس زمانے میں خیر و برکت اور سکون مفقود ہے۔ چونکہ طاقیہ، کلاہ، خرقہ ذلیل و رسوا کئے جا رہے ہیں۔ زیادہ تر اہلِ خرقہ و طاقیہ شراب خانوں میں بھٹک رہے ہیں۔ بعض اُن میں سے بادشاہوں اور سرمایہ داروں کی محبت میں سرگرداں ہیں اور کچھ اپنی گھریلو الجھنوں کا شکار ہیں۔ جب اس زمانہ میں اہلِ خرقہ و طاقیہ کا حال یہ ہے تو خیر و برکت اور سکون کہاں میسّر ہوگا۔ اللہ کا ہزار شکر ہے کہ ان اعمال و افعال کی سزا کے طور پر کوئی بلا نازل نہیں ہو رہی۔ ورنہ قدرت پہلے انہیں بلا میں پھنساتی اور پھر بیچاری مخلوق کی باری آتی۔

بدنصیب ہے وہ انسان جو کلاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سر پر سجاتا ہے اور اہل اُس کے حقوق پورے نہیں کرتا۔ کلاہ پہن کر اغنیاء و ملوک کی ہمنشینی اختیار کرتا ہے اور اس پاکیزہ لباس کے ساتھ اہلِ فساد کا دوست کہلاتا ہے۔ یہ عجب نہیں کہ اُس کا چہرہ مسخ ہو جائے اور خلقِ خدا میں بدنام۔ ذلیل و رسوا ہو جائے۔

طاقیہ پوش کے اہل

عزیزو! پیرِ طریقت کو چاہیئے کہ طاقیہ پوشی کی نوازش اُس شخص پر کرے۔ جس کا ظاہر و باطن روشن ہو۔ جب کلاہ پوشی کے لئے کوئی درخواست کرے تو پہلے نورِ معرفت کی نظر سے مرید کے دل کے زنگار کو دنیا کی تمام آلائشات سے پاک و صاف بنا دے۔ تاکہ اُس کا ظاہر و باطن پاکیزہ ہو جائے۔ اور کوئی نجاست باقی نہ رہے۔ پھر اُسے کلاہِ خلافت سے سرفراز کرے۔ وگرنہ

خود بھی گمراہ ہوگا اور جو شخص اُس کی خدمت میں حسنِ ارادت سے کر آئے گا اُس کا بھی برباد ہو گا۔ یہ اتنے سارے اہل کلاہ جن کو تم پریشان حال، خراب و برباد، نانِ شبینہ کے محتاج دربدر دریوزہ گر دیکھ رہے ہو اسی وجہ سے تو ہے۔ کہ یہ لوگ بددیانتی سے کلاہ سر پر رکھ لیتے ہیں اور اُس کا حق ادا نہیں کرتے۔ اور کلاہ و خرقۂ صوفیاء کو گلی گلی رسوا کرتے پھر رہے ہیں ان کا تباہ حال ہونا لازمی امر ہے۔

فرمایا۔ اہلِ طاقیہ وہ گروہ ہے جو سوائے خدائے عزّ وجل کے کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ اگر آپ کلاہ پوش لوگوں میں سے کسی کو بادشاہانِ وقت کے سامنے دست بستہ سر جھکائے دیکھیں تو اُس کی کلاہ چھین لیں۔ کیونکہ وہ اس عظیم الشان کلاہِ خلافتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ جسے زیبِ سر کر کے پھر امراء کے درباروں میں اُسے رسوا کر رہا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ خواجہ اجل سرزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کا ایک مرید تھا جو ہمیشہ امراء و ملوک کی صحبت میں رہتا۔ اور شیخ سے اپنا یہ وطیرہ چھپائے رکھتا۔ چنانچہ ایک دن لوگوں نے شیخ اجل سرزی رحمۃ اللہ علیہ کو خبر دی کہ آپ کا فلاں مرید صحبتِ اغنیاء اختیار کئے ہوئے ہے۔ حضرت کی زبان سے نکل گیا۔ ہمارے مشائخ کا طاقیہ اُس کی گردن شکنی کیوں نہیں کرتا۔ ابھی یہ بات حضرت کی زبان سے نکلی ہی تھی کہ وہ مرید چھت سے گرا اور اُس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔

حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار اوشی قدس سرہ العزیز اگر ہزار آدمی بھی اُن کی خدمتِ عالی میں حسنِ ارادت سے کر آتے تو کلاہِ صوفیاء سے نواز دیتے اور ساتھ ہی کہہ دیتے۔ اگر آپ لوگوں نے ہمارے مشائخ عظام کی اس کلاہِ مبارک کے تقاضے پورے نہ کئے اور اس کے شایانِ شان کردار نہ اپنایا۔ یہ کلاہ خود ہی آپ سے محاسبہ کر لے گی لیکن اے درویش! اُن کی شان کرامت تھی کہ جس شخص کو طاقیہ مرحمت فرماتے وہ ایک قدم

... آداب سے تجاوز نہ کرتا۔ یہ محض اُن کی نظر کی برکت تھی

اہلِ طاقیہ کو سزا تو ملتی ہے لیکن انہیں خبر نہیں ہوتی کہ یہ مار کس وجہ سے پڑ رہی ہے اگر انسان طاقیہ پوشی کے حقوق بجالائے تو دولتِ عظمیٰ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اور کبھی کسی ابتلا کا شکار نہیں ہوتا۔ وگرنہ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔

اوصافِ طاقیہ

فرمایا۔ اے درویش! طاقیہ کے چار خانے ہوتے ہیں۔ پہلا خانہ شریعت کا ہوتا ہے۔ دوسرا خانہ طریقت کا۔ تیسرا خانہ معرفت کا۔ چوتھا خانہ حقیقت کا۔ جو شخص ان چار خانوں کے اوصاف پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے وہی اس بات کا اہل ہے کہ یہ کلاہ چہار گوشہ زیبِ سر کرے۔

ایک دفعہ لوگوں نے پیرِ طریقت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ کہ طاقیہ کون لوگ پہننے کے اہل نہیں۔ فرمایا۔ وہ شخص جو اٹھارہ ہزار دنیاؤں اور جو کچھ ان میں ہے سب سے کنارہ گیر نہ ہو جائے۔

اے درویش! جب تک آپ ان چار حالتوں میں اپنی نگہداشت نہ کرو گے کلاہ درویشاں پہننے کے قابل نہ ہوں گے۔ اوّل: اپنی نظروں کو تمام اُن چیزوں سے جن کا دیکھنا ممنوع ہے روک لیں۔ دوم: اپنے کانوں کو تمام اُن باتوں سے جن کا سننا ممنوع ہے بند رکھیں۔ سوم: اپنی زبان کو تمام اُن اقوال سے جن کا کہنا ممنوع ہے باز رکھیں۔ چہارم: اُپنے ہاتھ اور پاؤں کو اُن تمام امور سے جن کا کرنا ممنوع ہے نگہداشت کریں۔ ایسی صورت میں جبکہ یہ چار حالتیں میسر آجائیں انسان کلاہ پوشی کا اہل ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ طاقیہ پہننا اُس شخص کے لئے جائز ہے جو دنیا و مافیہا کو طلاق ثلاثہ دے کر فارغ ہو جائے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سچا طاقیہ پوش وہ ہے۔ جو اپنا سب کچھ راہِ خدا میں صرف کر دے۔ اور اپنے پاس ایک تنکا تک نہ رہنے دے۔

حضرت خواجہ عبداللہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ طاقیہ کلاہ چار خانہ ہے۔ جس میں پہلا خانہ اسرار و انوارِ خداوندی کے لئے مخصوص ہے۔ دوسرا خانہ محبت ہے تیسرا خانہ عشق و اشتیاق کے لئے اور چوتھا رضا و ہم آہنگی کا ہے۔ جب انسان اس کلاہ کو سر پر رکھتا ہے۔ تو اُس کے دماغ میں یہ چار باتیں قرار گزین ہوتی ہیں۔ جب یہ نعمات عالیہ انسان کو عطا ہوں تو اُسے ان نعمتوں کی قدر کرنی چاہیئے اور کلاہ صوفیاء کا پورا حق ادا کرنا چاہیئے۔

ایک دفعہ قاضی حمیدالدین ناگوری اور میں ایک مجلس میں موجود تھے۔ کسی شخص نے طاقیہ کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری نے فرمایا۔ طاقیہ انسان کی مونس و غمخوار دوست ہے۔ عشق و محبت حق سے مرکب ہوتی ہے۔ راہ سلوک میں عاشقِ حقیقت وہی ہے۔ جو اس کی قدر جانتا ہے۔ یہ رباعی آپ نے پڑھی۔

رباعی: در طاقیہ فقر و زہد عشق است ہمہ اسرار جمال دوست ذوق است ہمہ

چوں بر سر خود نہادی آں مونسِ دوست می سوز ز عشقِ او کہ شوق است ہمہ

طاقیہ پوشی میں فقر و زہد کا اختیار کرنا سب شوق و محبت ہی کا سبب ہے۔ محبوب کے اسرار جمال کی جلوہ ریزیاں ذوق دیدار ہی کا نتیجہ ہیں۔ جب تو نے (اس کلاہ کو) اس مونس دوست کو سر پر سجا لیا۔ تو اُس کے عشق میں جلتا رہ کہ یہی محبت ہے۔

طاقیہ خدا کی رحمت کا سائبان ہے

اے درویش! میں نے اولیاء اللہ کی کتابوں میں لکھا دیکھا ہے۔ کہ صاحب طاقیہ جو اطاعت و عبادت اور مجاہدہ کرتا ہے یہ کلاہ پہن کر کرتا ہے۔ اتنی مقدار میں رحمتِ خداوندی کا سایہ اُس پر چھا جاتا ہے کیونکہ یہ مقدس نعمت خداوند کریم کی رحمت کا سائبان ہوتی ہے۔ اور قیامت کے دن جب صاحب طاقیہ اٹھے گا تو یہ نعمت آگ اور اس کے درمیان حائل ہو کر ایسی حد فاصل قائم کر دے گی جس کا فاصلہ پانچ سو سال

کی مسافت ہوگا۔

فرمایا۔ ایک دفعہ میں نے ایک عارف باللہ سے سنا کہ انسان عرفانِ خداوندی سے متاع اندوز اس وقت ہوتا ہے جب ایک رہبر کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر مجاہدہ و ریاض کر کے طاقیہ پوشی کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے مریدین نے سوال کیا۔ حضرت! دین و دنیا کی سعادت کس بات میں ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ دین و دنیا کی سعادت طاقیہ کے نیچے ہے۔ جو اس کو پہنتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے وہ سعادت دین و دنیا سے فیضیاب ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص جو صاحب طاقیہ تھا۔ ایسے کام میں مشغول ہوگیا کہ جو خلاف رضائے الٰہی تھا۔ جب اس کام سے فارغ ہوا۔ ہاتف نے آواز دی۔ اے جھوٹے دعویدار! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کلاہِ مبارک سر پر رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اور ایسے فعل قبیح کا مرتکب ہوتا ہے۔ یا تو اس کارِ بد سے توبہ کر۔ وگرنہ کلاہِ درویشاں واپس کر دے۔ تاکہ وہ اس کا احترام ملحوظ رکھیں اور اس کی بے ادبی نہ ہو۔ چونکہ منشائے خداوندی اس درویش کو راہ راست پر لانا تھا اس لئے یہ آواز اپنا کام کر گئی۔ اس نے اپنے فعل شنیع سے توبہ کی اور خانہ کعبہ میں چلا گیا۔ چالیس سال تک کعبہ شریف میں معتکف رہا۔ جب انتقال کیا تو دفن بھی حرم کی خاک معلیٰ میں ہی

حضرت نے فرمایا۔ میں نے اپنے شیخ خواجہ قطب الاقطاب بختیار اوشی قدس سرہ العزیز سے سنا۔ کہ درویش اس وقت کلاہ نوازی کا اہل ہوتا ہے۔ جب اس میں رضائے الٰہی سے چار چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اول: یہ کہ اپنے مسند سوائے قضائے حاجات کے نہ اٹھے۔ اور اپنی خانقاہ کا دروازہ کسی شخص کے لئے نہ کھولے جب تک کہ عالم غیب سے اس کا اظہار نہ ہو۔ دوم: یہ کہ اگر کوئی شخص نیت ارادت نے کر اس کی خدمت

میں حاضر ہو اور کلاہِ تصوف کی درخواست کرے۔ جب تک اس کے ظاہر و باطن کو نورِ معرفت سے صاف نہ دیکھ لے۔ کلاہ اس کے حوالے نہ کرے۔ سوم: یہ کہ ان کے جماعت خانہ میں علم دین کی اشاعت ہو۔ جب مسائل شرعیہ کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے۔ فوراً جواب دے حوالہ کتاب کی اسے ضرورت نہ پڑے۔ چہارم: یہ کہ اس کے پاس ولایت کا وہ درجہ ہو کہ جس مرید کا ہاتھ پکڑ لے اسے خدا تک پہنچا کر چھوڑے۔ ایسے شخص کو اپنا سجادہ نشین بنالے یا کم از کم سجادہ نشین نہ بنالے تو اپنے برابر اسے لے جائے۔

حضرت کی گفتگو جب اس مقام پر پہنچی تو ظہر کی اذان آگئی۔ آپ دولت سرائے میں تشریف لے گئے۔ اور ہم غلام واپس اپنے گھروں کو آگئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

تیرھویں فصل

ذکر درویشی

دولت پابوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا محمد صوفی، خواجہ عزیز درویش، مولانا یحییٰ غریب، شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ جمال الدین غریب، شیخ علاؤالدین درویش، اور دیگر مریدین شریک مجلس تھے۔ درویشی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔

سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ فقر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اصل درویشی تو وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمائی۔ باوجودیکہ وہ مالک و

مختارِ کائنات تھے لیکن آپ نے یہی فرمایا۔ فقیری میں مجھے فخر ہے۔ گلیم درویشی زیبِ تن کی۔ اور فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی۔ جب آپ نے گلیم درویشی کو اختیار فرمایا۔ تو حجابِ عظمت سے لیکر آسمان اوّل تک تمام عالمِ ملکوت کو حکم ہوا۔ کہ تم سب گلیم درویشی زیبِ تن کرو۔ جب سب نے اسے پہن لیا۔ تو بیک بار سر بسجود ہو کر عرض کیا۔ بارِ خدایا! وہ کون عظیم ہستی ہے جس کے اتباع میں ہمیں گلیم پوشی کا فرمان دیا گیا۔ حکم ہوا۔ وہ ہمارے حبیب اور سید المرسل محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہیں۔ آج انہوں نے گلیم پہنی اور درویشی کو قبول کیا۔ ہم نے ملکوتِ اعلیٰ کی ساری دنیا کو اُن کی تقلید و اتباع کا حکم دے دیا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم درویشی قبول نہ فرماتے اور اُن کی درویشی کی برکت اس کائنات کو محیط نہ ہوتی تو یہ کائنات اب تک تباہ و برباد ہو چکی ہوتی۔

درویش کا مقام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کے وقت پروردگارِ عالم سے سوال کیا۔ الٰہی! اس دنیا و مافیہا کا قیام و ثبات کس چیز میں ہے۔ فرمان ہوا۔ درویشوں کے قدوم سعادت لزوم سے۔ اے عیسیٰ! اگر اس دُنیا میں درویش موجود نہ ہوتے۔ یا فرشِ زمین ان حضرات کو قبول کرنے میں تامّل کرتا۔ تو اغنیاء کو میں زمین میں دھنسا کر تباہ و برباد کر دیتا۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! دنیا میں اگر کسی انسان کی ہمنشینی باعثِ سعادت و فلاح دارین ہے تو انہی بوریہ نشین حضرات ہی کی ہے۔ کیونکہ جس دن عارفِ سہروردی خواجہ شہاب کی خانقاہِ معلیٰ میں کوئی درویش وارد نہ ہوتا۔ فرماتے۔ آج ہمیں نعمتِ عظمیٰ سے محروم رکھا گیا کیونکہ کوئی درویش آج ہمارے ہاں مہمان نہیں ہوا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دفعہ تشریف فرما تھے۔ کہ جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کی۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم آپ کا پروردگار یہ فرماتا ہے کہ اے میرے حبیب! فقیروں سے محبت کیا کریں اور اپنے قریب کیا کریں اور اُن

سے دوستی بنائیں اور ان کے قریب رہا کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ ایک صابر درویش کی دو رکعت نماز کا درجہ شاکر مالدار کی ستر رکعتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور شاکر مالدار بھی وہ جو اپنا سب کچھ راہ خدا میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا معمول یہ تھا۔ کہ جب افطاری کا وقت ہوتا تو مسجدوں میں گشت لگاتے۔ جہاں کہیں کوئی بھوکا آدمی بیٹھا ہوتا۔ اُس کے ساتھ روزہ افطار کرتے۔ اور واپس آجاتے۔

قیامت کے دن جب کہ اغنیاء سے اُن کے مال و متاع کا حساب لیا جائے گا۔ درویشوں سے معذرت کی جائے گی۔ شیخ اوحد الدین کرمانی نے فرمایا۔ قیامت کے دن درویش حضرات سے کہا جائے گا۔ آپ لوگ میزانِ عدالت کے پاس چلے جائیں۔ اور دیکھیں جس شخص نے دنیا میں ذرہ بھر آپ کی خدمت کی ہے۔ ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں۔ انہیں میزان حساب سے واپس کریں اور اپنے ساتھ بہشت میں لے جائیں۔

قیامت کے دن ایک شخص کو پیش کیا جائے گا۔ اُس سے نماز و روزہ و حج کے بارے میں پرسش کی جائے گی اور جب پوچھ گچھ مکمل ہو چکے گی۔ تو فرشتگانِ عذاب کو حکم ہوگا کہ جاؤ اِسے دوزخ میں لے جاؤ۔ وہ شخص عرض کرے گا۔ الٰہی! میں نے دنیا میں کافی نیک کام کئے ہیں۔ میرے کون سے جرم پر مجھے دوزخ میں ڈالا جا رہا ہے۔ حکم ہوگا۔ تم دنیا میں درویشانِ خدا سے روگردانی کرتے تھے۔ آج ہم تم سے روگردانی کرتے ہیں۔ اور تیری ساری طاعت و عبادت کو تیرے منہ پر مارتے ہیں۔ یعنی مسترد کرتے ہیں۔ اُس کے بعد ایک اور آدمی کو لایا جائے گا۔ فرمان ہوگا۔ اسے بہشت میں لے جاؤ۔ وہ آدمی حیران ہو کر عرض کرے گا۔ الٰہی! یہ عنایت کس لئے ہے۔ جواب آئے گا۔ اے فلاں، ہم جانتے ہیں کہ تم نے دنیا میں بڑے گناہ کئے۔ لیکن

تیرا یہ وصف بھی تھا۔ کہ اگر ایک روپیہ بھی تیرے ہاتھ میں آتا تو میرے بندوں کی خدمت کے لئے صرف کر دیتا۔ اور ان سے پیار کرتا۔ انہیں درویشوں کی دعا کی برکت سے آج تو نے عذاب نار سے رہائی پائی۔

نعمت درویشی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ لیکن اس کا حصول بڑا مشکل ہے۔

شب فاقہ درویش کی معراج ہے

فرمایا شب فاقہ درویش کے لئے معراج ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے معراج الفقراء لیلتہ الفاقتہ یعنی فقراء کی معراج شب فاقہ ہے اور لوگوں کی نظروں سے پنہاں ہو جاتا ہے۔ اگر شہروں اور قصبوں میں درویشوں کی برکت نہ ہوتی تو یہ شہر و مقامات اب تک کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔ دنیا میں آبادی ان مقدس لوگوں کے مبارک قدموں کی بدولت ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ اے موسیٰ! علیک السلام۔ اگر یہ درویشوں کی دعائیں سد راہ نہ ہوتیں تو اہل دنیا اور گناہگاروں کے جرائم کے سبب اب تک ہم اس دنیا کو تہ و بالا کر چکے ہوتے۔ یہ ان نفوس قدسیہ کے قدموں کی برکت ہے کہ دنیا اب تک قائم ہے۔

درویشوں سے عناد کی سزا

کوئی درویش کسی شہر سے دلگیر و مغموم ہو کر نہ جانا چاہیے۔ ورنہ اس شہر کی تباہی لازمی ہے۔ فرمایا شیر خان والی ملتان میرے بارے میں اچھا خیال نہ رکھتا تھا۔ میں نے کئی دفعہ اچھے طریقے سے اُسے سمجھایا۔ کہ درویشوں سے کینہ رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ کہ اس میں تیری حکومت کا نقصان ہے۔ اُس نے میری بات پر توجہ نہ دی۔ چنانچہ جب مضافات اچہ میں لشکر مغول کا حملہ ہوا۔ تو سوائے شیر خان مذکور کے کوئی اور فرد قتل نہ ہوا۔

بیت؎ درویش ز شہر بنود سے اگر مقام گشتے سراسر ایں ہمہ عالم خراب حال

درویش شہروں میں اگر سکونت پذیر نہ ہوں تو بڑے بڑے شہر کھنڈرات ہو جائیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے فرمایا اے درویش! خداوند تعالےٰ جل شانہ جب کسی مقام کو ویران کرنا چاہتے ہیں۔ یا قحط و وبا کی آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں یا وہاں کی آبادی کو پریشان حال اور خراب وخستہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ پہلے ہی اُس مقام کے مشائخ و علمار کو واپس بلا لیتے ہیں۔ لاہور شہر کی ویرانی کا بھی یہی سبب ہوا۔ اس شہر میں ایک درویش تھے۔ بدّمن ان کا نام تھا۔ بڑے تارک شاغل ذاکر۔ جب مغلوں کا حملہ ہونے والا تھا۔ تو اُس سے قبل ایک جمعہ کو جامع مسجد میں تشریف لائے۔ نماز ادا کی۔ اور اہل شہر کو فرمایا۔ شہریو! ہم آپ کے شہر سے کوچ کرنے والے ہیں۔ شہریوں میں سے کسی نے انہیں نہ کہا۔ کہ حضرت! آپ کیوں جاتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے خیال کیا اچھا ہے چلے جائیں۔ جب وہ بزرگ اس شہر لاہور سے رخصت ہوئے۔ مغلوں نے چند روز بعد ہی حملہ کر دیا۔ اس شہر کے تمام لوگ قیدی بنائے گئے۔ اور لاہور تباہ و برباد ہوگیا۔

اے درویش! تمہیں معلوم ہے کہ جس شہر میں مشائخ و علمار میں سے کوئی انتقال کرتا ہے۔ تو فرشتے اُس کی موت پر روتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جس مقام پر درویش کا بسیرا نہیں وہ مقام خیر و عافیت کا مسکن نہیں۔

ترکِ دُنیا سب سے بڑی عبادت ہے

فرمایا۔ ایک دفعہ سیدنا عیسےٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کا گزر ایک درویش کے پاس سے ہوا۔ وہ سوئے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو جگایا اور فرمایا اٹھو خدا کی عبادت کرو۔ اُس درویش نے جواب دیا۔ میں نے خدا کی وہ عبادت کی ہے جو تمام عبادتوں سے اچھی ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا۔ وہ کون سی عبادت ہے کہا۔ ترک الدنیا و اھلھا۔ دُنیا اور دُنیا والوں کو چھوڑ دیا۔ نص قرآنی میں قلیل من عمل کا ذکر وارد ہے۔

اے درویش! جو شخص اس دُنیا سے یوں رخصت ہو کہ اُس کی مسکینی ایسی صورت دکھلائے کہ لا درھما: ولا دینارا حدیث نبوی میں اُس کے بارے میں ارشاد ہے ھو فی الجنتہ اعتق من النار۔ وہ جنت میں ہوگا۔ نارِ دوزخ سے آزاد ہو گیا۔

حضرت رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ قدسیہ میں ایک سائل حاضر ہُوا۔ اُس وقت آپ کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ سائل محروم لوٹا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک میں خیال گذرا۔ کہ دنیا بھی ایک چیز ہے۔ کاش ایسا ہوتا کہ کوئی سائل اِس سے بھی محروم ہمارے دروازے سے نہ جاتا۔ جونہی کہ یہ خیال آیا سیدنا جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ دنیا بھر کے خزانوں کی چابیاں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ قدسیہ میں پیش کر دیں۔ اور عرض کیا۔ حضور! آپ کے پروردگار کا فرمان ہے۔ کہ ان کو خرچ کرو آپ سے کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکرائے اور فرمایا۔ میرے بھائی جبریل! جس نے اپنے اختیار و رضا سے درویشی قبول کی ہو اب سے دنیا کو کیا کرنا ہے۔

سیدِ کائنات فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو یہ حدیث مبارک بیان فرمائی ہے الدنیا مزرعتہ الاخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ سخاوت کا بیج زمین میں بوئیے۔ یعنی صدقہ و خیرات کیجئے کیونکہ قیامت کو جو کچھ تم بوؤ گے وہی کاٹ لوگے۔ کہاوت بھی تو یہ ہے۔ "جو بوؤ گے سو کاٹو گے"۔

احوالِ درویشاں

شیخ الاسلام نے فرمایا۔ عزیزو! درویشی تو کر گئے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ: حال یہ تھا۔ کہ صبح سے لے کر شام تک خانقاہِ معلّی میں ہر آنے جانے والے کو جب تک کچھ کھلا پلا نہ لیتے جانے کی اجازت نہ دیتے۔

ایک درویش تھے جن کا نام شیخ سعید تبریزی جلال الدین تبریزی قدس سرّہ العزیز

کی نسبت سے تھا۔ زیادہ تر فاقہ کشی کے عالم میں زندگی بسر کرتے۔ اور کسی سے کوئی چیز قبول نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ تین روز سے فاقہ ہو رہا تھا۔ خورد و نوش کی اشیاء میں سے کچھ بھی پاس نہ تھا۔ شیخ اور ان کے متوسلین ہندی خربوزے سے افطار فرماتے۔ اور اس طرح دن بسر کر رہے تھے۔ چنانچہ شہر کے حاکم کو اُن کے حال کی اطلاع ہوئی۔ اُس نے کچھ نقد رقم روانہ کی کہ شیخ کے خادم کو دیدیں۔ تھوڑا تھوڑا خرچ کرتا رہے۔ تاکہ شیخ کو معلوم نہ ہو کہ حاکم شہر کی طرف سے نذر آئی ہے۔ دربانِ حاکم نے خادم شیخ کو خاص طور پر نصیحت کی کہ اسے مصلحت کے مطابق صرف کرے، تاکہ راز فاش نہ ہو اور شیخ کو علم نہ ہو سکے۔ وہ دربان چلا گیا۔ خادم شیخ (جلالِ درویشی) کے سامنے اس راز کا اخفار نہ کر سکا۔ چنانچہ شیخ کو اس نذرانے کا علم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص جو یہ رقم لایا میری خانقاہ میں کہاں تک آیا۔ خادم نے نشاندہی کی۔ آپ نے وہاں تک کی زمین کھدوائی اور مٹی باہر پھینکوا دی۔ خادم کو اُن روپوں کے ساتھ خانقاہ سے باہر نکال دیا۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، چھ دن تک کھانے سے محروم رہے، اُن کے پورے گھر میں فاقہ کی نوبت تھی۔ چھ دن کے بعد تھوڑا سا کھانا فراہم ہوا۔ تناول فرمانا چاہتے تھے کہ سائل نے دروازے پر آواز دی۔ آج سات دن ہوئے ہیں کہ میں نے کچھ نہیں کھایا خدا کے لئے کوئی چیز دیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فوراً کھانا صاحبزادوں کے سامنے سے اٹھایا اور سائل کو دیدیا۔ اور فرمایا۔ کہ تم زیادہ مستحق ہو کیونکہ تم سات دن کے بھوکے ہو۔ آپ نے کھانا نہ کھایا۔ اے درویش! درویشی تو اسی کا نام ہے۔

درویش جب سر مراقبہ میں جھکاتا ہے، تو اٹھارہ ہزار عالم اُس کے سامنے ہوتے ہیں۔ اور جب قدم رکھتا ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک گذر جاتا ہے۔ اور یہ درویشی کی منزلِ اوّل ہے۔ پھر حضرت نے یہ دو مصرعے ارشاد فرمائے۔

؎ چو درویش در عشق گردد فرود　　بیکدم سر از عرشش بالا کند

جب درویش عشق کے دریا میں غوطہ لگاتا ہے تو عرش سے اوپر جا کر سر نکالتا ہے۔

اے عزیزو! عاشقوں کے دل ہر وقت حجاب عظمت کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے درویش عاشق اس نعمت سے خالی ہو جائے تو فنا ہو جائے۔ کیونکہ انوارِ تجلی اور اسرارِ الٰہی ہمیشہ ان کے دلوں پر جلوہ ریز رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ان احوال میں مستغرق ہوتے ہیں۔

یہ فوائد نافعہ بیان فرمانے کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ حضرت اندرون خانہ تشریف لے گئے اور ہم خدام بارگاہ بھی واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

چودھویں فصل

ذکر محبت و عداوت دنیا

پابوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجلس میں مولانا بہاؤ الدین بخاری، مولانا شہاب الدین غزنوی، شیخ برہان الدین ہانسوی اور چند دیگر صوفیا تشریف فرما تھے۔ بات محبت و عداوت کے ضمن میں ہو رہی تھی، حضرت نے فرمایا۔ اے درویش! مخلوق تین قسم کی ہے اوّل وہ لوگ جو دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور ہمہ تن اسی کی یاد میں مستغرق ہیں اور اس کے حصول میں معروف و مشغول۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو دنیا کو دشمن سمجھتے ہیں۔ اُس کا ذکر محبت سے نہیں کرتے بلکہ یکسر عداوت کا سلوک کرتے ہیں۔ تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے کہ وہ دنیا کو نہ دوست رکھتے ہیں نہ عداوت کرتے ہیں۔ اُس کا ذکر نہ محبت سے کرتے ہیں نہ عداوت سے۔ یہ تیسری قسم پہلی دو قسموں سے بہتر ہے۔

انسان اپنے محبوب کا ذکر سب سے زیادہ کرتا ہے

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ایک آدمی آیا۔ آداب بجا لاکر بیٹھ گیا۔ اور دُنیا کی بُرائی شروع کر دی۔ جب کر چکا تو رابعہ نے فرمایا۔ آپ چلے جائیے اور میرے پاس پھر کبھی نہ آئیے۔ کیونکہ آپ دنیا کے محبت کرنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ دنیا کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔

پھر بیان فرمایا۔ کہرام کے علاقے میں شیخ بدفی ایک درویش تھے۔ عظیم تارک دنیا جب تک حیات رہے۔ نیا لباس زیب تن نہ فرمایا۔ اگر کوئی شخص دُنیا واہل دُنیا کی بات اُن کے سامنے کرتا تو اُٹھا دیتے اور پھر کبھی مجلس میں نہ آنے دیتے۔ اور فرماتے کہ یہ شخص دُنیا کا عاشق ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے معشوق کو دوسرے کے پاس دیکھتا ہے ضرورت کی وجہ سے اُس کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ موصوف نماز کثرت سے پڑھا کرتے اور فرماتے کہ بہشت کیسی جگہ ہے جہاں نماز نہیں۔ اُن کے ایک مریدنے عرض کی کہ پیر دنیا دار آدمی ہونا چاہیئے۔ جو کہ مریدوں کو دنیا کے مضرات بتلاکر اُس سے دُور رہنے کی تلقین کرے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر منع بھی کرے تو مریدوں کو ترک دنیا کی دولت میسر نہ آسکے گی۔ کیونکہ کہنا (قال) آسان ہے اور کرنا (حال) مشکل ہے۔ وعظ و نصیحت زبانِ قال سے اثر نہیں کرتی۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے پوچھا۔ کہ بعض لوگ اہل دنیا کا ذکر کثرت سے کرتے رہیں اُن کا کیا حال ہے۔ فرمایا۔ وہ دُنیا سے محبت رکھنے والے لوگ ہیں۔ جب اپنے محبوب کو غیر کے پاس دیکھتے ہیں تو اس دکھ میں بکثرت اُن کا ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ شب و روز اسی یاد میں محو و معروف رہتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا۔ کہ دنیا کیا ہے اور کن لوگوں کا مقام ہے۔ فرمایا۔ دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے۔ اور دنیا کا طلبگار منافق

ہوتا ہے۔ یہ دُنیا منافقوں کا مقام ہے۔ فرمایا۔ جب درویش کو حبِ دنیا۔ جاہ طلبی۔ منزلت خواہی کی کوشش میں دیکھو تو جان لو کہ ابھی گمراہی کے صحرا میں بھٹک رہا ہے۔

دُنیا خدا اور بندے کے درمیان حجاب ہے

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مقام و مرتبہ کہاں سے حاصل کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے دُنیا کو طلاق ثلاثہ دے دی۔ جتنا انسان دُنیا سے محبت کرتا ہے فکرِ آخرت سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے پس بندہ و مولا کے درمیان پردہ یہی دنیا بنتی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں الدنیا اصل کل فتنتہ و حجاب بین اللہ تعالیٰ و بین عبدہ کمال قال علیہ السلام طالب الدنیا لا یکون لنا یعنی دُنیا تمام فتنوں کی جڑ ہے اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دنیا کا طالب ہمارے لئے نہیں ہے۔

اے درویش! جس چیز کو اللہ کریم نے دشمن جانا آپ کو بھی اُس سے دشمنی کرنا ضروری ہے۔ اور اُس کے قریب نہ پھٹکیں۔ اُس کی عداوت و محبت کا ذکر کسی کے پاس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ جل وعلا نے جب سے دُنیا تخلیق فرمائی ازراہِ عتاب اُسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ پس وہ انسان بڑا نادان ہے جو معتوب و مغضوبِ خدا تعالیٰ کو دوستی کی نظر سے دیکھتا ہے۔

جو شخص اطاعتِ خداوندی اختیار کرتا ہے۔ دُنیا اُس کی خدمت گذار بن جاتی ہے۔ اور جو شخص دُنیا کی خدمت میں مگن ہو جاتا ہے۔ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں گرفتار رہتا ہے۔ جتنا کوئی خداوند کریم سے غافل ہوتا ہے اتنا ہی وہ دُنیا میں مشغول رہتا ہے میں نے خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا۔ دنیا میں تمام کاموں سے بہتر یہ کام ہے۔ اوّل: دنیا کی پہچان پھر اپنے آپ کو اُس سے روک رکھنا۔ دوم: حق تعالیٰ کی خدمت میں کمربستہ رہنا اور ادب ملحوظ خاطر رکھنا۔ سوم: آخرت کی

آرزومندی اور اُس کی طلب۔ تصوّف کے راستے میں جواں ہمّت انسان وہی ہے، جو ان تین شرائط پر عمل کرتا ہے۔ اوّل دنیا سے ہاتھ روک لیتا ہے۔ دوم قبر کی تیاری کرتا ہے۔ اُس میں جانے سے پہلے۔ سوم رضائے مولا کا طالب ہوتا ہے، دیدار مولا سے پہلے

خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن دنیا کو دوزخ میں ڈالیں گے۔ اس سبب سے نہیں کہ اُسے عذاب ہو۔ کیونکہ اُس کا تو کوئی گناہ نہیں اس لئے آگ میں پھینکی جائے گی۔ تاکہ دُنیا والے اِس کی ذلّت و خواری کو بچشم خود دیکھیں۔ اور افسوس کریں۔

فرمایا۔ ایک دفعہ میں نے غزنی شہر میں ایک بزرگ سے ملاقات کی۔ بڑے شاغل و ذاکر۔ چھ مہینے اُن کی صحبت میں رہا۔ اِس دوران اُن کی زبانِ مبارک سے دنیا کے بارے میں ایک لفظ تک نہ سُنا۔ صبح و شام گریہ وزاری میں معروف دیکھتا۔ میں نے اُن کی گریہ و زاری کے بارے میں سوال کیا۔ تو فرمایا۔ آج کم و بیش تیس سال ہوا چاہتے ہیں کہ ایک دن ایک درویش میرے پاس آیا۔ دُنیا کی باتیں اُس نے میرے ساتھ کرنا شروع کردیں مَیں بھی اُس کے ساتھ موافقت کرنے لگا۔ غیب سے آواز آئی۔ اے فقیر! یا تو دنیا کی بات چلے گی یا ہماری۔ اُس دن سے اِسی شرمندگی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ کہ قیامت کے دن اُس کریم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

موت کا ذکر کثرت سے کرو

اہلِ سلوک کے ہاں معروف ہے اکثروا الذکر ھادم النفس و ھادم اللذات۔ لذات کو ختم کرنے والی موت کا ذکر کثرت سے کرو۔ جو موت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتا ہے، اور کثرت سے یاد کرتا ہے ہمیشہ خدائے کریم کی رضا میں ہوتا ہے۔ جتنا کوئی شخص موت سے غافل ہوتا ہے، دنیا کی دوستی اور اُس کا ذکر اُس کے دل میں محکم ہوتا ہے۔ اطاعتِ خدائے کریم اُسے اتنی ہی گراں گذرتی ہے اور نافرمانی اُس کے لئے اتنی ہی زیادہ

آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت خواجہ مودود چشتی قدس اللہ روحہ نے فرمایا۔ اگر تمام برائیوں کو ایک خانہ میں جمع کر دیا جائے تو وہ خانہ دنیا ہے۔ قدرت نے دُنیا کی چادر جس پر بچھادی دُنیا کی محبّت اُس کے دل میں راسخ کر دی اور اپنے آپ سے دُور کر دیا۔ جس انسان کے لئے خدائے کریم نے دنیا کا دائرہ تنگ کر دیا، وہ اُس کے قریب ہو گیا۔ دُنیا کو ہر روز پانچ دفعہ ندا ہوتی ہے۔ اے دُنیا! ہمارے دوستوں کے لئے تلخ بن جا۔ تاکہ وہ تیری طرف اچھی نگاہ نہ ڈال سکیں۔ اور اپنے چاہنے والوں کے لئے میٹھی بن جا۔ کہ تیرا ذکر کثرت سے کریں۔ اور اُن کو مٹھاس دے تاکہ وہ فتنہ و بلا میں گرفتار ہو جائیں۔

خواجہ عبداللہ مبارک عالم تجرید میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جو اُن کی خدمت میں آتا۔ محروم نہ جاتا۔ اُن کا معمول تھا۔ نماز مغرب کے بعد خدام کے حجروں میں گشت فرماتے اگر اُن کے پاس کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ ہوتا فرماتے کہ یہ محتاجوں کو دے دو۔ پانی تک گروا دیتے۔ کیونکہ کل کے لئے چیز کو ذخیرہ کرنا درویشی نہیں ہے۔ مریدوں میں کسی کو ذکر دنیا میں مصروف پاتے تو خانقاہ معلّی سے نکلوا دیتے۔ ہر گز نہ ٹھہرنے دیتے۔

ایک دفعہ سلطان شمس الدین نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں خدمت کے طور پر سونے کی اشرفیوں کی چند تھیلیاں بھیجیں۔ آپ نے فرمایا۔ فوراً اسے واپس لے جاؤ۔ اور اپنے بادشاہ سے کہو کہ ہم تمہیں اپنا دوست سمجھتے تھے لیکن تم تو دشمن نکلے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جس چیز سے دشمنی روا رکھی۔ تم اُس کو خدا کے دوستوں کے پاس بھیجتے ہو یہ تمہاری کیسی دوستی ہے۔ اس دُنیا کے طالب بہتیرے ہیں۔ اُن کے پاس لے جاؤ۔ اور انہیں دیدو۔

خواجہ شریف زندانی رحمتہ اللہ علیہ جو کہ خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے۔ چالیس سال تک خلقِ خدا سے کنارہ کش ہو کر خراسان میں خانہ نشین رہے۔ اُن

خوراک ان چالیس سالوں گھاس رہی۔ کبھی کوئی شخص ملاقات و زیارت کے لئے حاضر ہوتا تو خادم اُسے تنبیہ کر دیتے کہ حضرت کے سامنے ہرگز دنیا کا ذکر نہ کرنا۔ کہ پھر زیارت سے محروم ہو جاؤ گے۔ غرضیکہ اُس ملک کا والی ایک دفعہ خدام خانقاہ کی خدمت کے لئے کچھ زرِ نقد لے کر بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آداب بجالایا۔ اپنی خدمت کا اظہار کیا۔ حضرت خواجہ مسکرائے۔ اور فرمایا۔ اے دشمنِ خدا تجھے میرے ساتھ کیا دشمنی تھی۔ کہ خدا کا دشمن (دنیا) میرے پاس لایا۔ یہ تو ازراہِ دوستی نہیں لایا۔ اسے واپس لے جا اور اس کے چاہنے والوں کو دے۔ یہ فرمایا۔ اور جس چٹائی پر تشریف فرما تھے اُسے اٹھایا اور کہا دیکھو۔ والئ ملک اور اُس کے آدمیوں نے دیکھا۔ کہ چٹائی کے نیچے زرِ خالص کے دیناروں کی ایک نہر رواں ہے۔ سب اٹھے اور حضرت کے پاؤں پر گر پڑے۔ بہت معذرت کی۔ خواجہ نے فرمایا۔ کتنا افسوس اُن کم ہمت صوفیاء پر ہے کہ دوست کے اتنے کثیر خزانے اُن کے قدموں میں ہوں اور پھر بھی وہ دنیا کے مردار مال کی طرف توجہ کریں۔

اہل اللہ نے زر و مالِ دُنیا سے نفرت کی ہے

ایک دفعہ خواجہ قطب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور ایک شخص اس نیت سے حاضر ہوا۔ کہ حضرت ایک ڈھیر دینار سرخ کا پیدا فرماویں اور اپنے قدموں کے نیچے سے دودھ کی ندی جاری کر دیں۔ ابھی وہ شخص آکر بیٹھا بھی نہ تھا کہ حضرت نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ خدا کے دوست دشمنِ خدا (دُنیا) کو ساتھ لئے ہوئے اُس کی طلب میں نکلتے ہیں۔ جو کچھ تیرے دل میں ہے۔ وہ تو اُسی اینٹ کے نیچے ہے جس پر تو بیٹھا ہوا ہے۔ جب اس نے اینٹ اٹھائی دینار سرخ کا ایک ڈھیر نیچے سے برآمد ہوا۔ فرمایا۔ یہ لے تو تمہارا ہی حصہ ہے۔ جب وہ لے چکا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا چاول دودھ بھی تمہارے قریب ہی ہیں۔ انہیں بھی کھا۔ اس شخص نے جب نظر اٹھائی تو اپنے سامنے شیر و برنج کی ایک نہر جاری پائی۔

خواجہ قطب الدین چشتی کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا۔ ایک دفعہ راستے سے گذر رہے تھے۔ جہاں ایک مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی۔ لوگ چھت پر لکڑیاں ڈال رہے تھے۔ اُن میں ایک دو گز چھوٹی رہ گئی تھی۔ لوگ پریشان تھے۔ خواجہ اُن کے پاس پہنچے۔ فرمایا۔ جب اسے اوپر لے جاؤ تو بتلانا۔ جب اوپر لے گئے۔ خواجہ دیوار پر تشریف لے گئے اُس لکڑی کو کھینچا اور دیواروں میں سے گزار دیا۔ وہ لکڑی دوسری دیوار سے پار ہو گئی۔

خواجہ محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ خواجہ یوسف چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے۔ زیادہ تر عالم تحیر میں بسر کرتے تھے۔ تیس سال سے اُن کے پہلو فرش زمین پر آرام فرما نہ ہوئے تھے۔ یہ مجاہدہ بھی اُن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جو اس کے اہل ہوتے ہیں چنانچہ ایک ایک سال دو دو سال تک کچھ نہ کھاتے پیتے تھے۔ راتوں کو نماز معکوس ادا فرماتے۔ گھر ہی میں ایک کنواں تھا۔ کنوئیں میں الٹے لٹک کر نماز ادا کرتے۔ ایک دن دجلہ کے کنارے اپنے خرقہ شریفہ کو پیوند لگا رہے تھے کہ ایک شاہزادہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ گذرا۔ خواجہ موصوف کو دیکھ کر گھوڑے سے اترا۔ آداب بجالایا اور بیٹھ گیا۔ خواجہ نے فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر کوئی بڑھیا سلطنت کے کسی شہر میں فاقہ سے سو گئی قیامت کے دن اُس ملک کے والی کی دامنگیر ہو گی تاکہ اُس کا انصاف ہو۔ اور وہ بڑھیا اُسے ہرگز نہ چھوڑے گی۔ شاہزادہ نے حضرت کی خدمت میں ہدیتاً زرِ نقد پیش کیا۔ خواجہ نے تبسم فرمایا اور کہا یہ ہمارے خواجگان کی روائت نہیں ہے۔ تم خدا کا دشمن (دنیا) ہمارے پاس لاؤ اور ہم اسے قبول کرلیں۔ یہ آگے لے جاؤ اور جن لوگوں کو ان کی ضرورت ہے انہیں دو۔ اُس میں سے ایک درم اٹھایا اور دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ الٰہی۔ تو جو کچھ اپنے بندوں کو دکھاتا ہے۔ اسے بھی دکھا دے۔ اور میرا درم واپس دے دے۔ دریا کی مچھلیوں کو حکم ہوا۔ سونے کے دینار منہ میں لیکر حضرت خواجہ کے حضور حاضر ہو گئیں

شاہزادہ یہ دیکھ کر حیران ہوگیا۔ اور قدموں میں گر پڑا۔ اور کہا واہ وا۔ اللہ کے بندوں کی طاقت یہ ہوتی ہے۔ اٹھا کہ واپس چلا جائے۔ حضرت نے فرمایا، دیکھو۔ مچھلیوں کو خطاب کیا کہ مجھے وہی درم چاہیئے جو میں نے دریا میں پھینکا تھا۔ ایک مچھلی وہی درم لے کر بارگاہِ خواجہ میں پیش ہوگئی۔ خواجہ نے کہا اے عزیز! جس کے لئے خدا کے گھر میں اس قدر زر و سیم ہو وہ لوگوں کے روپے پیسے کا محتاج نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز یہاں پہنچے تو سلسلہ کلام ختم فرما کر درونِ خانہ تشریف لے گئے اور ہم خدام نے بھی اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

پندرھویں فصل

ذکرِ حسنِ عقیدۂ مریداں

جب حاضرِ خدمت ہوئے تو شیخ جمال الدین ہانسوی، مولانا نظام الدین بدایونی، شمس دبیر، مولانا شمس الدین بخاری، شیخ بدر الدین غزنوی، شیخ نجم الدین سامی اور چند دیگر حضرات اہلِ چشت تشریف فرما تھے۔ بات مریدوں کے عقیدے کے بارے میں ہو رہی تھی۔

بارگاہِ رسالت سے طلبی پر حاضری نماز سے افضل ہے

حضرت نے فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ نماز ادا کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام کے مشورے کے لئے انہیں آواز دی۔ چونکہ وہ حالتِ نماز میں تھے۔ جواب نہ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوئے۔ سرکار

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے آپ لوگوں کو آواز دی۔ آپ نے نہیں سنی۔ عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم حالتِ نماز میں تھے اس لیے جواب عرض نہ کر سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں رسول اللہ جس وقت تمہیں آواز دوں اگر نماز (نفل) میں بھی تم ہو تو چھوڑ دو اور میرے بلانے کا جواب دو۔ یہ جواب تمہاری نماز سے افضل ہے۔

ایک دفعہ میں حضرت قطب الاقطاب بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں شرف حضوری رکھتا تھا۔ ایک درویش بنام شیخ علی سنجری حضرت کا ارادت مند نماز ادا کر رہا تھا۔ قطب الاقطاب نے اُسے آواز دی۔ اس نے نماز ترک کر کے شیخ کا جواب دیا شیخ نے فرمایا۔ تم نے نماز ترک کر کے میرے بلانے کا جواب کیوں دیا۔ نماز کے بعد دے لیتے۔ اس طرح تو تم نے نماز کی نیت توڑ دی۔ اُس نے عرض کی۔ اے مخدوم! آپ کے بلانے کا جواب نماز نفل سے زیادہ فضیلت والا تھا۔ کیونکہ اہل تصوف کے ہاں جب پیر مرید کو آواز دے مرید پر لازم ہے کہ فوراً جواب دے۔ اُس جواب سے ہی ایک سال کی عبادت مرید کے نام لکھی جاتی ہے۔ اے مخدوم پھر جواب عرض نہ کرتے ہیں کیوں اتنے بڑے اجر سے محروم ہو جاتا۔

مرشدِ کامل مرید کے حسنِ نیت سے واقف ہوتا ہے

فرمایا۔ پیر کامل کے اندر اتنی استعداد ذاتی ہونی چاہیے۔ جب کوئی شخص ارادت کی غرض سے اُس کے پاس آئے تو پیر اُس کے حسن عقیدہ کو دیکھ لے۔ اگر معلوم ہو کہ وہ سب امور میں فرمان باری پر پختگی نہیں رکھتا اُسے نرمی سے کہے کہ ابھی آپ کا وقت نہیں آیا۔ آپ ٹھہر جائیے۔

فرمایا۔ مرید جب پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ تو زینِ خدمت کو چومتے ہیں۔ اس صورت میں یہ آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ آنے والے جو خدمتِ پیر میں لگ

جاتے ہیں۔ اُن کی ارادت وبیعت سے مراد مرشد سے عشق ومحبت ہی تو ہوتا ہے۔ اور عشق و محبت میں سر کو محبوب کے قدموں میں ہی تو رکھا جاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ اے درویش! جب تک شیخ میں قوّت ذات موجود نہ ہو اس کو شیخ نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ خواجہ قطب الاقطاب قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جب تک شیخ مرید کے ظاہر و باطن کو نظر بصیرت سے دیکھ نہ لے اُسے مرید کرنا اور کلاہ عطا کرنا مناسب نہیں۔

رائے پتھورا کے پیش کاروں میں سے ایک آدمی خلوصِ دل سے خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہِ اقدس میں مرید ہونے کی نیّت سے حاضر ہوا۔ خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے اُسے حلقہ ارادت میں داخل نہ فرمایا۔ اُس آدمی نے واپس جاکر راجہ کے دربار میں شکایت کی۔ راجہ پتھورا نے آدمی بھیجے کہ حضرت خواجہ نے میرے ایک پیش کار کو مرید کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا۔ اس شخص میں تین چیزیں موجود ہیں۔ اور وہ تینوں چیزیں جانے والی نہیں ہیں۔ ازل ہی میں اس کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں۔ اوّل یہ کہ اِس کی نافرمانیاں بہت سی ابھی باقی ہیں۔ دوم یہ کہ یہ تیرا پیش کار اور مطیع ہے۔ ہم اپنی کلاہِ سلوک ایسے شخص کو نہیں دیتے کہ وہ ماسوائے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہو۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ مَیں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھ لیا ہے کہ یہ شخص اس جہان سے بے ایمان جائے گا۔ نعوذ باللہ منہا۔

جب رائے پتھورا نے یہ بات سنی بڑا گرم ہوا۔ اور کہا۔ کہ یہ فقیر بڑی غیب کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ اس کو کہہ دو کہ میرے شہر سے نکل جائے۔

جب یہ پیغام خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ مسکرائے۔ اور فرمایا۔ اُسے کہہ دو۔ تمہارے اور ہمارے درمیان تین دن کی مہلت ہے۔ یا تم جاؤ گے یا ہم۔ غرضیکہ اسی دوران سلطان محمد کا لشکر اجمیر میں داخل ہو گیا۔ پتھورا کو زندہ گرفتار کر لیا

گیا۔ اور وہ آدمی جو مرید ہونے کے لئے آیا تھا پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

اللہ والوں کی ناراضگی دونوں جہان کی بدبختی

اس واقعہ کو میرے شیخ حضرتِ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا۔ کہ خدا نہ کرے۔ پیر یا شیخ کسی شخص کو بد دعا کرے اور وہ دونوں جہان سے راندۂ درگاہ ہو جائے۔

میں نے خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ العزیز کی زبان مبارک سے سنا فرماتے تھے کہ بیس سال تک میں شیخ المشائخ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی خدمتِ اقدس میں رہا۔ جلوت و خلوت کی مجلسیں نصیب ہوئیں۔ میں نے اُن کو کبھی غصّے کے عالم میں نہیں دیکھا۔ سوائے ایک دن کے۔ جبکہ وہ ایک محلے سے گزر رہے تھے۔ اُن کے ایک مرید شیخ علی کو ایک شخص نے پکڑ رکھا تھا۔ اور کہتا تھا کہ تم نے جو میرا ادھار دینا ہے۔ دو۔ حضرت شیخ المشائخ رحمتہ اللہ علیہ وہاں پہنچے۔ ہر چند اُس شخص کو منع کیا لیکن اُس نے شیخ کی ایک نہ سنی۔ شیخ رحمتہ اللہ علیہ غصّے میں آ گئے۔ مبارک کندھوں پر پڑی ہوئی چادر کو زمین پر دے مارا۔ اٹھائی تو خالص سونے کے دیناروں سے بھری ہوئی تھی فرمایا۔ اے شخص جتنا تیرا حق ہے اٹھا لے۔ اُس شخص نے اُپنے حق سے زیادہ اٹھانا چاہا۔ اُس کے ہاتھ وہیں سوکھ گئے۔ چلّانے لگا۔ میں نے توبہ کی۔ شیخ نے سر اٹھایا اور دعا کی۔ اے اللہ! اس کے ہاتھ اسے واپس دے دے۔ فوراً اُس کے ہاتھ درست ہو گئے۔

ایک دفعہ شیخ معین الدین سنجری قدس اللہ سرہ العزیز اپنے ساتھیوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونیکی درخواست کرنے لگا۔ مگر وہ شخص حضرتِ خواجہ کو شہید کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ حضرت کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ آپ اُس کی طرف نظر فرماتے اور مسکراتے۔ پھر فرمایا۔ درویش

درویشوں کے پاس دو ہی ارادوں سے آتے ہیں یا صفا کے لئے یا جفا کے لئے۔ تم بھی ان دونوں میں سے ایک اختیار کرو۔ اور حسنِ عقیدہ اس پر استوار کرلو۔ جب خواجہ غریب نواز نے یہ فرمایا۔ وہ اٹھا۔ اقرار کیا۔ چھری جو قتل کرنے کی نیت سے لایا تھا نکال کر باہر پھینک دی اور حلقہ غلامی میں شامل ہوگیا۔ پھر اس قدر راسخ ہوا۔ کہ مشکلات دین و مہمات امور پر شیخ کی جانب سے اُسے ہی مقرر کیا جاتا اور وہ بطیب خاطر اُنہیں سرانجام دیتا۔ حتیٰ کہ پینتالیس حج ادا کئے۔ اور آخر کار وہیں حرم پاک میں وصال پایا۔ اور مجاوران وخدام کعبہ کے ساتھ مدفن پایا۔

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایمان ہے

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔ اے عزیز! جس کے لئے سعادتِ ازلی مقسوم ہے۔ اس کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ آدمی (واقعہ مذکورہ میں) شیخ کی خدمت میں عقیدہ وحسنِ نیت یکر نہ آیا تھا۔ لیکن شیخ اُس دن حسنِ صفا کے مظہر تھے۔ اُس کے قلب کی گہرائیوں میں نظرِ صفا سے دیکھا۔ اُس کے دل کی تمام کثافتوں کو صاف کر کے اُسے حلقہ بگوش بنالیا۔ وہ شخص بیعت کے شرف سے مشرف ہوکر مقربانِ بارگاہ کی منزلِ سعید تک پہنچ گیا۔ رسوخِ عقیدہ نے اُسے درجہ کمال تک پہنچایا۔

حضرت نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک مہمان میرے پاس آیا۔ میں نے اُس سے سنا۔ کہ مرید کو تمام امورِ سلوک میں راسخ الاعتقاد ہونا لازم ہے۔ تاکہ قیامت کے دن اپنے شیخ کے حضور شرمسار نہ ہو۔

حسنِ اعتقادِ پادشاہاں

اے درویش! خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ نہایت راسخ العقیدہ، پوری صلاحیتوں کا مالک اور صاحب کشف وحسن عقیدہ تھا۔

ایک دن اُس نے بالا خانہ میں بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔ اُس کے پہلو میں اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ چنانچہ وہاں سے اُس کی نظر اپنے اصطبل میں پڑی۔ اصطبل میں دربار کے ایک حبشی ملازم کو دیکھا۔ پھر آسمان کی طرف نظر کی۔ دیر تک ادھر ہی دیکھتا رہا۔ پھر اصطبل کو دیکھا اور پھر اپنی بیوی کو دیکھ کر رونے لگا۔ جب اُس کی بیوی نے یہ حال دیکھا تو سبب پوچھا کہ تو نے اصطبل کی طرف نظر کی اور پھر آسمان کو دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر رونے لگ گئے ہو۔ اِس کی وجہ کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ یہ نہ پوچھ۔ بات کہنے کے لائق نہیں۔ اُس کی بیوی نے بہت اصرار کیا۔ بادشاہ نے کہا اچھا بتلاتا ہوں۔ سنو! جب میری نظر لوح محفوظ پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ میرا نام زندہ لوگوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ میرا انتقال کا وقت قریب آگیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرا جانشین کون ہوگا۔ میں نے دیکھا کہ اصطبل کا حبشی ملازم تخت نشین ہوگا۔ اور تم اُس کے نکاح میں آؤ گی۔ بیوی نے جب یہ بات سنی تو بادشاہ سے پوچھا پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔ آپ کیا کریں گے۔ اُس نے جواب دیا ارادہ کیا ہونا ہے جو خدائے کریم کی مرضی ہے وہی ہماری رضا ہے۔ اُسی وقت حبشی کو بلایا۔ اپنا لباس اُس کو عطا کر کے ولی عہد بنایا۔ فوج کا سپہ سالار بنا کر امراء و وزراء کو اس کے ماتحت کر کے ایک مہم پر روانہ کیا۔ حبشی بادشاہ کے حکم کے مطابق چلا گیا۔ اور مہم میں کامیابی حاصل کی باغی سلطنت کو قتل کر دیا اور اُس کے مال و متاع کو لوٹ کر مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹا۔ جس رات اُسے بادشاہ کی خدمت میں واپس آکر حاضر ہونا تھا بادشاہ نے وفات پائی۔ حبشی نے مہم کے دوران فوجوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا تمام لوگ اس کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔ اور حبشی کو بادشاہِ وقت تسلیم کر لیا گیا۔ اور ملکہ بھی اُس کے عقد میں آگئی۔

پھر فرمایا۔ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال فرمایا۔

کئی ہزار مسلمان زکوٰۃ کے مسئلے پر اسلام سے پھر گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر زکوٰۃ کا حکم ہم لوگوں سے اٹھا لیا جائے تو ہم اسلام پر قائم رہتے ہیں ورنہ نہیں۔ حضرت صدیق نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ طلب فرمایا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ خلیفۃ المسلمین ان لوگوں سے چشم پوشی فرماتے ہوئے حکم زکوٰۃ واپس لے لیں تاکہ اسلام سے برگشتہ نہ ہوں۔ یہ بات قرینِ مصلحت ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی۔ اور فرمایا۔ جو کچھ خداوند تعالیٰ کا حق ہے۔ اگر ایک اونٹ کی رسّی تک بھی اُس میں سے کمتر دیں گے۔ میں اس تلوار سے اُن کے ساتھ لڑائی کروں گا۔ یہ خبر جب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ، تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ خلیفۃ المسلمین نے ٹھیک حکم دیا۔ اگر حکم زکوٰۃ واپس لینے پر راضی ہو جاتے تو شریعتِ حقہ کے تمام احکام کی قدر و منزلت ختم ہو جاتی۔

سُلطان الاولیاء، پیر و مرشد کی نظر میں

حضرت نے مولانا نظام الدین بدایونی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میرے پاس بے شمار درویش آئے۔ لیکن بہت کم اُس قاعدہ و قرار پر استقامت پذیر ہوئے ہیں۔ مگر مولانا نظام الدین وہ مرید ہیں جو بیعت کے وقت سے اسی مزاج و ارادت کے ساتھ اُپنے اصول سے روگردانی کرنے نہیں پائے۔ اور جب تک زندہ رہیں میری محبت میں ایک ذرہ بھی کم نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ ہر روز اس میں اضافہ کریں گے۔ جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے یہ الفاظ شفقت فرماتے، مولانا نظام الدین قدموں میں گر پڑے۔ حضرت نے اُسی وقت خرقۂ خاص اور گلیم سیاہ عطا فرمائی۔ اور یہ ارشاد فرمایا۔ کہ میرے مریدوں میں مولانا نظام الدین کی شخصیت عالمگیر ہے اور ان کے مریدوں کا سلسلہ قیام قیامت تک منقطع نہ ہوگا۔ تمام جہان کو تابع کریں گے۔

حضرت نے یہ الفاظ مبارک ادا کیے اور مجلس برخاست کی۔ درون خانہ تشریف لے گئے۔ اور ہم خدام بھی واپس آ گئے۔ مولانا نظام الدین بھی جماعت خانہ میں رہے۔

الحمد للہ علیٰ ذالک۔

سولہویں فصل

ذکر بوسیدن دست بزرگاں

جب دولتِ پابوسی نصیب ہوئی۔ تو مجلس اقدس میں مولانا نظام الدین بدایونی۔ مولانا یحییٰ غریب، شیخ برہان الدین ہانسوی، شیخ بدرالدین غزنوی اور دیگر حضرات اہل سلوک حاضر خدمت تھے۔ حضرتِ اقدس نے ارشاد فرمایا- اے درویش! ایک دوسرے کے ہاتھ چومنا سنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے۔ اور سنّتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہے۔ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ معمول تھا۔ کہ سلام کہنے اور مصافحہ کرنے میں سبقت فرماتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کتنی ہی دفعہ میں نے یہ کوشش کہ سلام و مصافحہ میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پہل کروں۔ لیکن یہ سعادت نصیب نہ ہوئی۔

میرے شیخ خواجۂ خواجگان قطب الاقطاب بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کا بھی معمول تھا۔ گلی محلّہ میں لوگوں کی جماعت پر گذر فرماتے تو سب کے ہاتھ چومتے سلام کہتے اور اُن سے دعائے خیر طلب فرماتے۔

لوگ جب نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے ہیں اور ملاتے ہیں تو گویا اپنے گناہ جھاڑتے ہیں۔ جیسا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

بزرگوں کی دست بوسی سامان مغفرت ہے

مشائخ و بزرگانِ دین کی دست بوسی دین و دنیا کی خیر و برکت کا باعث

بنتی ہے۔ ایک دفعہ لوگوں نے سلطانِ سنجر کو خواب میں دیکھا۔ اُن سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا۔ کہا۔ دنیا کا ہر معاملہ اچھا اور بُرا میرے آگے رکھ دیا۔ اور بات یہاں پہنچ گئی کہ حکم دیدیا گیا۔ کہ سنجر کو دوزخ میں لے جاؤ۔ اس حکم پر عمل ہونے والا تھا۔ کہ فرمان ہوا۔ ٹھہرو! اِس نے ایک دفعہ جامع دمشق حاجی شریف خواجہ کے دست مبارک کو چوما تھا۔ اس دست بوسی کی برکت سے ہم نے اِسے معاف کیا۔

قیامت کے دن کتنے ہی گناہگار دست بوسیٔ بزرگاں کی برکت سے بخشے جائیں گے اور دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل کریں گے۔

لوگوں نے حجاج بن یوسف کو اُس کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا اے ابن یوسف! تمہارا کیا حال ہے۔ اُس نے کہا کہ میں ہلاکت کے مقام پر ہوں۔ لیکن امید ہے کہ سامانِ مغفرت پیدا ہو جائے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ کس نیکی کی بدولت۔ کہا۔ کہ فلاں روز میں نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ چوما تھا۔ مجھے ڈھارس دی گئی ہے۔ کہ تجھے اس کام کی جزا میں معاف کر دیا جائے گا۔

حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ العزیز نمازِ جمعہ کے بعد مسجد سے باہر تشریف لاتے تو خلق خدا کے ہجوم سے آپ کے خدام آپ کے گرد حلقہ بنا لیتے۔ لوگ کثرت سے آپ کی دست بوسی کا شرف حاصل کرتے۔ اور تب واپس اپنے گھروں کو جاتے اور فرمایا۔ میں نے اولیائے کرام علیہم الرحمۃ کے آثار میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ایک بزرگ نے قسم اٹھائی۔ جو شخص دنیا میں کسی بزرگ یا شیخ کا ہاتھ چومنے کی سعادت حاصل کرلے حقیقتاً وہ دنیا سے بخشا ہوا جائے گا۔ کیونکہ مشائخ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ ہے۔ جو مشائخ کے ہاتھ کو پکڑتا ہے اسی طرح ہے جیسے اُس نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک تک رسائی حاصل کرلی۔

حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمایا۔ کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا۔ کہ جب اُن کی مجلس میں کوئی حاضر ہوتا تو اٹھ کر اُس سے مصافحہ کرتے اور جب وہ اٹھ کر جاتا تو یہی سلوک اس وقت بھی کرتے۔

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام جب تخت شاہی پر جلوہ افروز ہو کر فریاد خواہوں کی دادرسی فرماتے۔ اور مظلوموں کو حق و انصاف دلواتے تو اُس وقت معززین بنی اسرائیل میں سے اگر کوئی ملاقات کو حاضر ہوتا تو اپنے مسند سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور اُن کا ہاتھ چومتے جب وہ بیٹھ جاتا تو آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کرتے۔ اے خدا بنی اسرائیل کے اِس بزرگ کے دستِ مبارک کی برکت سے میری عصمت کی حفاظت فرما۔ اے درویش! اگرچہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں لیکن دعائے خیر کی برکت کے طالب ضرور ہوتے ہیں۔

جس دن سیدنا یعقوب علیہ السلام کی ملاقات اپنے فرزندِ دلبند حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ راستے میں کھڑے ہو گئے۔ اور آنے جانے والوں کے ہاتھ چومتے۔ اور فرماتے یہ بزرگوں کی دست بوسی کی سعادت ہے کہ خدائے کریم نے مجھے یوسف سے دوبارہ ملا دیا۔

سید کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا۔ کہ ایک بڑھیا کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے۔ اے خاتون! محمد کے لئے دعائے خیر کیا کرو۔ اے درویش! موجوداتِ کائنات میں کوئی ہستی اُس محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برگزیدہ و محبوب تر نہیں ہے۔ اس شرف و کرم کے باوجود وہ اپنے لئے دعائے خیر کے طالب تھے۔ ما و شما کے لئے تو کہیں موزوں تر ہے کہ بزرگوں کی دست بوسی سے برکت و خیر کی طلب خدائے کریم سے کرتے رہیں۔

سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول شریف یہ بھی تھا۔ کہ راستہ چلتے کسی

عمر رسیدہ انسان سے اُس کے سفید بالوں کا لحاظ کرتے ہوئے آگے نہ بڑھتے۔ اور اگر وہ دست بوسی کا شرف حاصل کرنے کے لئے پیش قدمی کرتا تو آپ اُس سے فوراً مصافحہ فرماتے

ایک دفعہ ایک مخمور جوان گلی میں سے گذر رہا تھا کہ سامنے سے امام التارکین حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ آتے دکھائی دیئے۔ وہ جوان فوراً حضرت خواجہ کے قدموں میں گر پڑا پھر نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ موصوف سے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اور گھر چلا گیا۔ اُسی رات خواب میں دیکھا کہ بہشت کی روشوں پر خراماں خراماں سیر کر رہا ہے۔ عجیب درد اُس کے دل میں پیدا ہوا۔ کہ میں تو گنہگار ہوں۔ یہ دولت بے پایاں مجھے کیسے نصیب ہو گئی۔ آواز آئی۔ تم جو کہتے ہو ٹھیک ہے لیکن کل تم نے ہمارے ایک دوست کے ہاتھ کو چومنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ہماری رضا کے لئے تم نے اُسے اعزاز دیا۔ ہم نے تمہیں اسی بات پر بخش دیا۔ وہ جوان خواب سے بیدار ہوا۔ خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہوا۔ توبہ کی اور بیعت سے مشرف ہوا۔ حقیقت میں جب خدا کی عنایت ہو جاتی ہے تو لاکھوں گناہوں کی ایک ذرۂ رحمت سے تلافی کر دی جاتی ہے۔ دوزخ کی آگ سے بچا لیا جاتا ہے۔

فرمایا۔ جب صوفیاء ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے ہیں۔ اللہ کریم کی ہزاروں نعمتیں نزول فرماتی ہیں۔ جب وہ اس کار خیر سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ رحمتیں اُن پر نثار کر دی جاتی ہیں۔

اہل حاجت کی بات سننا اوراد و وظائف کے شغل سے بہتر ہے

عزیزو! اہل سلوک کی کتابوں میں درج ہے کہ درویش لوگ اپنے جماعت خانہ میں منتظر بیٹھے رہیں۔ تاکہ کوئی شخص آئے اور وہ اُس کی دست بوسی کی سعادت حاصل کریں۔ خواہ تلاوت کلام مجید ہی میں مشغول کیوں نہ ہوں۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز اپنے

مصلّٰی پر مصروف تلاوت ہوتے تھے۔ جب کوئی شخص آتا۔ ترک تلاوت فرماتے۔ اُس کا ہاتھ چومتے۔ اور اُس سے محو کلام ہوتے۔ اُس کی ضرورت پوری کرتے۔ جب وہ واپس چلا جاتا تو پھر تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو جاتے۔ ہمارے سجادہ نشین اور مشائخ کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ آنے والے لوگوں کے لئے ترک شغل کریں۔ اور واردین کی احوال پرسی کریں۔ کیونکہ اہل سلوک کے ہاں ضرورت مندوں کی بات سننا اور ان کی ضرورت پوری کرنا۔ اوراد و وظائف سے زیادہ فضیلت کی حامل بات ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ رؤسائے مکہ مکرمہ میں سے کسی کے پاس ایک ضرورت لیکر گئے۔ وہ بزرگ اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید کو بغیر ملاقات اور ضرورت بتائے لوٹنا پڑا۔ دل شکستہ اور مغموم حالت میں نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ شکستہ نواز میں حاضر ہوئے۔ حضور نے نورِ رسالت کی روشنی میں حضرت ابو سعید کے احوال دل کو پڑھ لیا۔ پوچھا۔ ابو سعید کیوں پریشان ہو۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ! مجھے ایک ضرورت تھی۔ فلاں بزرگ کے پاس گیا۔ وہ مشغول اوراد تھے۔ میں بے غرض کیے لوٹ آیا۔ سرکارِ مدینہ نے فرمایا۔ اُس کے لئے ضروری امر تو یہ تھا کہ ترک اوراد کرکے تمہاری بات سنتا۔ اور تمہاری ضرورت پوری کرنے کے بعد اوراد شروع کرتا اُس نے اچھا نہ کیا۔

خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا۔ کہ آپ تلاوت قرآن حکیم میں بھی مشغول ہوتے۔ اگر کوئی ضرورت مند آجاتا تو تلاوتِ کلام پاک چھوڑ کر اُس کی بات سنتے جب تک وہ بیٹھا رہتا۔ آپ اُس سے مصروف گفتگو رہتے۔ اُس کے جانے کے بعد پھر اپنے شغل میں لگ جاتے۔ اس لئے کہ بقول حضرت خواجہ شمعون محب رحمۃ اللہ علیہ کہ انسان کیسے ولی اللہ بن سکتا ہے۔ جبکہ عرش الٰہی (بندۂ مومن کا دل) چل کر اس کے دروازے پر آئے اور حاجت لائے۔ اور انسان اپنے مقدور کے

مطابق اُسے پُورا کرے۔ عرش الہٰی سے مراد خواجہ شمعون کے نزدیک مومن کا دل ہے، کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ یعنی مومن کا دل اللہ کا عرش ہے۔

خالق کی نظر میں جو عزیز ہوتا ہے مخلوق کی نظر میں بھی وہی عزیز ہوتا ہے

فرمایا۔ ایک دفعہ سلطان ناصر الدین علیہ الرحمۃ والغفران ملتان کی طرف جا رہے تھے، جب وہ اجودھن میں پہنچے۔ اس دعا گو کی زیارت کے لئے تشریف لائے، اور حق خدمت بجا لائے۔ اور پھر واپس گئے۔ جب میں لوگوں کی آمد و رفت سے سخت عاجز آ گیا، میں نے تنہائی اختیار کرنا چاہی، مگر میں نے سوچا کہ میرے مشائخ سلف رحمہم اللہ اجمعین کا تو یہ معمول نہیں رہا، بلکہ انہوں نے ہر ایک کی دستگیری فرمائی۔ میں ایک بالاخانہ میں بیٹھ جاتا، دونوں ہاتھ نیچے کر دیتا۔ لوگ آتے، مجھ سے مصافحہ کرتے اور چلے جاتے انبوہ خلائق کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک دن میں دس دس قمیضیں جو میں پہنے ہوتا پارہ پارہ کرتے اور اپنے ساتھ لے جاتے۔ مجھے ان لوگوں کے حسنِ اعتقاد پر حیرت تھی، کہ کیسا یقینِ کامل رکھتے تھے۔ جمعہ کے دن مسجد جامع میں جاتا، واپس ہوتا تو خلقت کا ہجوم ہو جاتا۔ میں سخت عاجز آ گیا۔ اور پریشان ہو گیا۔ ایک فراش (ملازم) نے میرے پاؤں کو کھینچا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی۔ فوراً اُس نے کہا۔ شیخ فرید! خدا کا شکر ادا کرو۔ اس سے بہتر اور کیا ہو گا کہ تیرے اپنے جیسے لاکھوں تیری دست بوسی کے آرزو مند ہیں۔ مجھے اس فراش کی بات بڑی پسند آئی۔ کہ اُس نے بہت صحیح اور خوب کہا۔

فرمایا۔ جو شخص بارگاہِ خداوندی جل شانہ میں عزیز ہوتا ہے، مخلوق میں بھی اُس کی عزت ہوتی ہے۔ میں نے اپنے شیخ خواجہ بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان

فیض نشان سے سنا۔ فرمایا۔ ایک دفعہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں ایک اور بزرگ کے ساتھ مشغول تھا۔ ایک آدمی آیا۔ اُس بزرگ نے اُس سے مصافحہ کیا مجھے تعجب ہوا کہ دورانِ طواف اس بزرگ نے مصافحہ کیا۔ یہ ضروری نہ تھا۔ بعد از طواف کر لیتے۔ تو اُس بورگ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ایسا کرتے ہوئے سنا ہے۔ لہٰذا سنّتِ رسول کی پیروی کی ہے۔

خدا جسے چاہتا ہے خرقۂ عزت سے نوازتا ہے

فرمایا اے درویش! میں اپنے شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ شکستہ پناہ میں ہفتہ دو ہفتہ کے بعد حاضر ہوتا تھا۔ اکثر یارانِ سلوک مثلاً شیخ بدرالدین غزنوی اور دیگر حضرات ہمیشہ خانقاہ معلّٰی میں حضورِ خواجہ میں رہنے کی سعادت سے بہرہ ور تھے۔ جب حضرت کے وصال کا وقت قریب آیا۔ ایک بزرگ کو سجادہ نشینی کی آرزو تھی لیکن وقتِ وصال حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ یہ عصا۔ لکڑی کی کھڑاؤں اور جامہ مبارک شیخ فرید کے سپرد کر دیا جائے۔ جس رات میرے حضور نے وصال فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ان کو دربار الٰہی میں لئے جا رہے ہیں۔ دن ہوا تو یہ فقیر ہانسی سے جانبِ دلی روانہ ہوا۔ چوتھے دن شہر میں پہنچا۔ قاضی حمیدالدین ناگوری وہ جامہ مبارک۔ کھڑاؤں اور عصائے میرے پاس لے آئے میں نے دوگانہ ادا کیا اور جامہ مبارک زیب تن کیا۔ حضرت کی خانقاہ میں تین روز ہی قیام کیا تھا کہ ہانسی کی طرف روانہ ہو گیا۔ سبب اُس کا یہ تھا۔ کہ ہانسی میں میرا ایک ساتھی سرہنگام نامی تھا۔ وہ ہانسی سے مجھے ملنے کے لئے آیا۔ دو تین دن تک خانقاہِ معلّٰی کے دربان نے اُسے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن گھر سے نکلا وہ سرہنگام آیا اور میرے قدموں سے لپٹ کر رونے لگے۔ میں نے کہا کیوں روتے ہو۔ کہا۔ آپ ہانسی میں تھے تو زیارت کرنا آسان تھا۔ یہاں آپ کی ملاقات بڑی دشوار ہو گئی ہے۔ میں نے اُسی وقت ساتھیوں

سے کہا کہ ہم ہانسی جائیں گے۔ حاضرین نے تقاضا کیا کہ خواجہ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے آپ کو یہاں مقام کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ آپ کیوں جاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میرے حضور خواجہ قطب الاقطاب نے مجھے جس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اُس کا فیضان شہر و بیابان میں یکساں ہیں۔ مقصود اس بات کے کہنے کا یہ تھا۔ کہ ہر حال میں بزرگوں کی دست بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے اُن میں کوئی ایسا مغفور انسان ہو جس کے مصافحے سے آپ کی بھی مغفرت ہو جائے۔

اس مضمون کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے اور ہم خدام بارگاہ بھی لوٹ آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

سترھویں فصل

ذکرِ طائفہ کہ در ذکرِ حق مستغرق اند

مجلس میں مولانا بدر الدین غزنوی، مولانا نظام الدین بدایونی، مولانا یحییٰ، شیخ جمال الدین ہانسوی اور دیگر صوفیاء حاضر تھے۔ ذکر حق میں مستغرق اصحاب کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا۔ اے درویش! مذہب تصوف میں معروف ہے کہ جو شخص یاد حق سے غافل ہے ہم میں سے نہیں۔ کیونکہ جس گھڑی انسان یاد حق سے غافل ہوتا ہے۔ اگر اُسے معلوم ہو جائے کہ اُس وقت اُس سے کتنی سعادتیں لے لی گئی ہیں تو ایک پل کے لئے بھی اس یاد سے غفلت نہ کرے۔

فرمایا۔ صوفیا۔ جو یاد حق میں مستغرق رہتے ہیں۔ اگر ہزار ہا تلواریں بھی اُن کے جسم سے پار کریں تو انہیں کوئی خبر نہ ہو گی۔ ایک دفعہ کسی نے ایک درویش سے عرض

کی. حضرت! جب آپ مشغولِ حق ہوں۔ تو میرے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا۔ بدبخت ہے وہ گھڑی جب یادِ حق کے دوران مخلوق کی یاد آجائے اور فکرِ ذات سے روک رکھے۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ جب عالمِ استغراق میں ہوتے تو ایسی حالت حیرت طاری ہو جاتی کہ سال سال دو دو سال اسی حالت میں رہتے۔ اپنی خبر تک نہ ہوتی۔ ایک دفعہ خواجہ غریب نواز اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز یادِ حق میں مشغول تھے عالمِ بلا حضورِ مبارک میں موجود تھا جو کہ مخلوق پر نازل ہوتا۔ حضرت کے مریدوں میں سے ایک شخص آیا اور اُپنے علاقے کے گورنر کی شکایت کی۔ کہ وہ مجھے شہر سے باہر نکل جانے کا حکم دیتا ہے۔ خواجہ حضور نے پوچھا کہ اب وہ کہاں ہے؟ عرض کیا جنگ میں گیا ہوا ہے۔ فرمایا۔ اُس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اب زندہ نہ رہے گا۔ حضرت کی زبان سے نکلی ہوئی بات پوری ہوئی۔ جلد ہی سنا گیا کہ وہ گورنر گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

اے درویش! جب صاحبِ حال وقتِ خاص میں یادِ حق کے اندر مستغرق ہوتا ہے یہ دونوں عالم اُس کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی عالمِ بلا و عالمِ نعمت۔ پس اُس وقت جس کے نصیب میں نعمت ہوتی ہے اُس کو نعمت عطا کرتے ہیں۔ اور جس کے لئے بلا مقدر ہے وہ بلا سے دوچار ہوتا ہے۔ لیکن عقلمند وہ ہے کہ اُس وقت درویش کے سامنے فروتنی کا اظہار کرے اور مقابلہ و مزاحمت کی راہ اختیار نہ کرے۔ کون جانتا ہے کہ اُن کی زبان سے کیا نکلنے والا ہے۔

جو دم غافل سو دم مردہ ہوتا ہے

اے درویش! ہمارے شیخ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز پر جب وقتِ خاص طاری ہوتا۔ بیت ذکر فرماتے بلکہ دن رات جانماز پر پڑے رہتے۔ اُپنے تن و جان کی بھی خبر نہ ہوتی۔ اہلِ تصوف کسی ولی کو زندہ نہیں سمجھتے جب تک وہ

یادِ حق میں مستغرق نہ ہو ۔ ایک لحظہ خدا کی فکر سے بے خبر نہ رہے ۔ ایک دفعہ ایک عارف ذکرِ حق سے غافل ہوا ۔ اُس شہر میں ندائے غیب آئی ۔ کہ فلاں صوفی زندہ نہ رہا ۔ انتقال کر گیا ۔ لوگوں نے اُس ندائے غیب کے مطابق اُس کے گھر کی طرف تعزیت کے لئے رجوع کیا ۔ لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ تو زندہ ہے ۔ لوگ واپس گھروں کو جانے لگے ۔ عارف نے انہیں بلایا ۔ اور حقیقتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ۔ واقعی میں مر گیا تھا کیونکہ میں ہمیشہ یادِ خدا میں مشغول رہتا تھا ۔ آج ایک لحظہ کے لئے اُس ذِکر میں غفلت ہوئی تو ندا آئی کہ فلاں بن فلاں مر گیا ۔

جن لوگوں کے دل یادِ حق سے غافل ہیں مردہ ہیں زندہ نہیں ۔ کیونکہ اہلِ تصوف جس دل کو یادِ حق سے غافل پائیں زندہ شمار نہیں کرتے ۔ کہتے ہیں اگر اس کا دل زندہ ہوتا تو یادِ خدا سے غافل نہ ہوتا ۔ اے درویش ! ایک بزرگ تھے ۔ کہ جب یادِ حق میں مستغرق ہوتے ۔ اگر کوئی اُن کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا تو انہیں پتہ نہ چلتا ۔ چنانچہ روایت ہے ۔ کہ ملجم بدبخت نے جب ارادہ کیا کہ شیرِ خدا علی کرم اللہ وجہ ، کو شہید کرے ۔ اس سازش کے ساتھیوں نے اُسے کہا کہ تیرے جیسے ہزاروں آدمی بھی جمع ہو جائیں تو علی (رضی اللہ عنہ) کو شہید نہ کر سکیں گے ۔ سوائے اس صورت میں کہ وہ حالتِ نماز میں ہوں ۔ یا ذکرِ حق میں مشغول ہوں ۔ پس اُس بدبختِ ازلی نے یہی بات دل میں بٹھا لی ۔ ایک دن ایسی حالت میں آیا جبکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہ الکریم نماز ادا فرما رہے تھے ۔ حضرتِ عزّ اسمہ کی بارگاہ میں اس قدر انہماک تھا کہ تن وجان سے بے خبر تھے ۔ ملجم نے کٹارہ نکالا اور شکم مبارک میں بھونک دیا ۔ حضرت نے اطمینان سے نماز ادا کی ۔ جب فارغ ہوئے ۔ اپنے آپ کو خون میں لت پت دیکھا ۔ ایک آدمی سے دریافت کیا ۔ کیا بات ہے ۔ عرض کیا ۔ آپ نماز ادا فرما رہے تھے ۔ کہ ملجم بدبخت نے کٹارہ آپ کو مارا ۔ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ الحمد للہ ! کہ اُس نے ہمیں اِس

حال میں کٹارا مارا۔ جب ہم ذکرِ حق میں منہمک تھے۔ اور اپنی خبر نہ رکھتے تھے۔

فرمایا۔ ایک دفعہ ایک ایسے بزرگ سے ملاقات کا موقع ملا۔ جس کا دل نورِ خداوندی سے منور تھا۔ جب اُن پر حالتِ خاص طاری ہوتے۔ ذکرِ حق میں مستغرق ہو جاتے۔ اسی حالت استغراق میں اٹھ کھڑے ہوتے بازار میں تشریف لاتے۔ اور گرم تنور میں جہاں انگلی ڈالنے سے اُس کے جل جلنے کا یقین ہوتا۔ بیٹھ جاتے۔ کچھ وقت کے بعد جب باہر نکلتے تو ایسے نکلتے کہ اُن کا بال تک بیکانہ ہوتا۔ حضرت نے یہ مضمون تمام فرمایا۔ مجلس برخاست ہوئی۔ آپ گھر تشریف لے گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اٹھارہویں فصل

ذکر خدمتِ علمار و مشائخ

شیخ بدر الدین غزنوی، مولانا نظام الدین بدایونی، شیخ جمال ہانسوی اور دیگر احباب حاضر خدمت تھے۔ موضوع علمار و مشائخ کی تعظیم کا تھا۔ فرمایا۔

اے درویش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ من احب العلم والعلماء لم یکتب خطیئۃً یعنی جس کو علم اور علمار سے محبت ہو اُس کے گناہ نہ لکھے جائیں گے۔ محبت کی سچائی اُن کی پیروی ہے۔ جس کو اُن سے محبت ہو گی اُن کی پیروی کرے گا۔ اور جو اُن کی پیروی کرے گا اُس کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔

ایک دفعہ ایک آدمی گھر سے اس نیت کے ساتھ روانہ ہوا۔ کہ دلی جا کر خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور اپنے گناہوں کی توبہ کرے گا اور

اُن کے دست حق پرست پر بیعت کرے گا۔ سفر کے دوران ایک مغنیہ بھی اُن کے ساتھ ہو گئی۔ وہ مغنیہ اس نیت کے ساتھ ہمراہ جا رہی تھی کہ اس مرد سے تعلق پیدا کرے۔ چونکہ مرد کی نیت صادق تھی۔ اُنہوں نے اُس فاحشہ عورت کی طرف کوئی رغبت نہ کی۔ یہاں تک کہ ایک منزل پر پہنچے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اُس منزل سے وہ مرد اور مغنیہ ایک ہی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ وہ عورت آکر مرد کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس طرح سے کہ اُن کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ نہ تھی۔ اس حالت میں آدمی کے دل میں بھی اُس کی طرف میلان پیدا ہو گیا۔ اُس سے ہمکلام ہوا یا ہاتھ بڑھایا۔ فوراً ایک بزرگ کو دیکھا۔ کہ تشریف لائے اور ایک طمانچہ اُس کے منہ پر دے مارا۔ اور فرمایا تم فلاں پیر کی خدمت میں توبہ کی نیت سے جا رہے ہو۔ اور یہ حرکت کر رہے ہو۔ مرد نے فوراً توبہ کی اور پھر اُس عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ پہلی بات آپ نے یہ فرمائی۔ کہ اللہ کریم نے اُس دن تمہاری بڑی حفاظت فرمائی۔

فرمایا۔ ایک دفعہ ایسا ہی ایک شخص اجودھن کو توبہ کی نیت سے میرے پاس آ رہا تھا۔ راستے میں ایسا ہی اتفاق ہوا۔ کہ ایک زنِ فاحشہ اُس کے پیچھے لگ گئی۔ اُس نے بھی دست درازی کی نیت کر لی۔ ایک طمانچہ ایسا پڑا کہ فتورِ نیت جاتا رہا۔ جب میرے پاس آیا تو میں نے اُسے کہا کہ اللہ نے تمہیں مصیبت سے بچا لیا۔

اے درویش! علماء و مشائخ سے محبت اللہ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہوتی ہے۔ جو شخص سات دن علماء و مشائخ کی خدمت میں بسر کرتا ہے۔ سات ہزار سال کی محبت اُس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے۔

ابلیس لعین ہر ایک کو فریب دے سکتا ہے۔ مگر علماء و مشائخ کے نیاز مند اُس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے علماء و مشائخ کی محبت سے بڑھ کر کوئی

فضیلت نہیں ہے۔ علماء و مشائخ کی محبت کا ایک ذرہ گناہوں کے بڑے کھلیان جلا کے راکھ کر دیتا ہے۔ لیکن دل محبت علماء و مشائخ میں مستغرق ہونا ضروری ہے۔

یہ علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ خدائے کریم کے برگزیدہ لوگ ہیں۔ اگر ان علماء و مشائخ کی برکت اِس دنیا میں نہ ہوتی تو ہزاروں مصیبتیں اِنسانوں کی نافرمانیوں اور بدبختیوں کی وجہ سے آسمان سے نازل ہوتیں۔

سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے اپنی امت میں سے ان دو جماعتوں پر فخر فرمایا۔ اوّل علماء۔ دوم مشائخ۔ کیونکہ یہ حضرات دین کے ستون ہیں۔ پس جس نے ان کے دامن کو پکڑ لیا۔ قیامت کے تمام عذابوں سے نجات پا گیا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ فقیہان عالم ایسے عابد سے بہتر ہیں جو تمام رات نماز پڑھے اور تمام دن روزہ رکھے۔ عالم کی ایک دن کی عبادت عابد کی چالیس سالہ عبادت کے برابر ہے۔ جو کہ عالم نہ ہو۔

فرمایا۔ جس وقت دنیا سے کوئی عالم اور شیخ انتقال فرماتا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اُس پر روتی ہے۔ کیونکہ اہل عالم کی زندگی کا مدار علماء و مشائخ کی حیاتِ مبارکہ ہی سے ہے۔

پس ہزار افسوس اُس شہر پر جہاں علماء و مشائخ کا وجودِ مسعود نہیں ہے۔ جب آسمان سے بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اُس شہر میں کم اترتی ہیں جہاں علماء و مشائخ موجود ہوں۔

حضرت شیخ الاسلام نے یہ مضمون تمام کیا۔ حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جا کر تلاوتِ کلام پاک میں مشغول ہو گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

انیسویں فصل

امساک باراں

حضرت والا کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ تو مولانا بدر الدین غزنوی، مولانا نظام الدین بدایونی، شیخ جمال الدین ہانسوی اور دیگر احباب موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا۔

اے درویش! حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دنیا میں جب کبھی بارش کی کمی ہوئی۔ لوگوں کی شامت اعمال سے ہوئی۔ اس لئے امساک باراں کے زمانے میں دعا وصدقہ وعبادت میں مشغول ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال حسنہ کی برکت سے بارش برسا دیتا ہے۔

ایک دفعہ ایک مقام پر بارش نہ برسی۔ چنانچہ ہری بھری کھیتیاں خشک ہو گئیں۔ اور جاندار پانی کی ایک ایک بوند کو ترسنے لگے۔ لوگ اکٹھے ہو کر خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ لوگ نماز گاہ میں جمع ہو جائیں۔ حضور خواجہ کے حکم سے تمام مخلوق جمع ہوگئی حضرت منبر پر تشریف لائے۔ بارش کی دعا مانگتے ہوئے آسمان کی طرف روئے مبارک کیا اور عرض کی۔ اے اللہ! اگر اس اجتماع میں کوئی صاحب دل بزرگ ہے تو اُس کے قدموں کی برکت سے بارانِ رحمت برسا دے۔ جونہی یہ بات آپ نے فرمائی۔ اتنی بارش ہوئی۔ کہ سات دن تک پانی کم نہ ہوا۔

ایک دفعہ دلی میں بارش نہ ہوئی۔ اُس وقت دلی میں ایک بزرگ تھے جن کا نام شیخ نظام الدین ابو المؤید تھا۔ لوگوں نے اُن کی طرف رخ کیا۔ دعا کے لئے عرض کیا۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور دعا کی۔ اے اللہ! اگر تُو نے بارش نہ بھیجی تو میں

کس منہ سے زندہ رہوں گا۔ یہ کہا اور منبر سے نیچے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی بارش فرمائی کہ جل تھل ہو گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی اُن سے ملاقات ہوئی۔ تو اس معاملے میں دریافت کیا۔ مجھے تو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اور جانتا تھا کہ حضرتِ حق میں آپ کو مقام نیاز حاصل ہے۔ لیکن آپ نے یہ کیا کہا کہ اے خدا اگر تُو نے بارش نہ برسائی تو میں کیسے زندہ رہوں گا۔ خدانخواستہ۔ اگر وہ بارش نہ برساتا تو آپ کیا کرتے۔ شیخ نظام الدین مؤید رحمہ اللہ نے۔ کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ضرور بارش بھیجے گا۔ خواجہ بختیار قدس سرہ العزیز نے دریافت فرمایا۔ آپ کیسے جانتے تھے۔ شیخ نظام نے کہا۔ ایک دفعہ سلطان شمس الدین کے دربار میں میری سید نور الدین مبارک سے کسی مسئلہ پر تکرار ہو گئی۔ میں نے کچھ باتیں کہیں۔ اور انہوں نے بھی۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ انہوں نے مجھے دعائے باراں کی اجازت عنائت فرمائی۔ میں سید نور الدین مبارک کے روضہ پر حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ آپ نے مجھے دعائے باراں کی اجازت فرمائی تھی۔ اگر آپ مجھ سے صلح فرمالیں تو میں دعائے باراں کی درخواست کروں گا۔ روضۂ انور سے آواز آئی ہم نے آپ سے صلح کرلی۔ دعائے باراں کریں۔ لہٰذا میں نے دعا کی اور بارش برسی۔

ایک دفعہ بصرے میں قحط پڑ گیا۔ بارش نہ ہوئی۔ مخلوق نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔ اور عرض کی۔ آپ خدائے کریم کے حضور دعائے باراں فرمائیں۔ امید ہے کہ وہ بارانِ رحمت بھیج دے۔ جب لوگوں کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا۔ کل جامع مسجد میں لوگ اکٹھے ہوں۔ میں بارش کی دعا کروں گا۔ چنانچہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جمعہ ادا کی۔ اور منبر پر تشریف لائے اور بارش کی دعا کی۔ دستار و جبہ مبارک بغل مبارک سے نکالا۔ اور کہا۔ الٰہی! اس جامہ مبارک کا صدقہ جسے تیرے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک

کے لبس کا شرف حاصل ہے رحمت کی بارش فرما۔ ابھی یہ بات پوری نہ کی تھی۔ کہ اتنی بارش برسی کہ سات دن تک بصرہ میں پانی کم نہ ہوا۔

ایک دفعہ دہلی میں سخت قحط واقع ہوا۔ تمام مشائخ و خلق شہر باہر آئے ہوئے تھے اور دعائے بارش کر رہے تھے۔ شیخ نظام الدین مؤید منبر پر آئے اور ایک جامہ مبارک آستین سے نکالا اور آسمان کی طرف رخ کر کے اُسے لہرایا۔ بارش کے قطرے گرنے شروع ہو گئے۔ اور پھر موسلا دھار بارش برسی۔ جب شیخ گھر تشریف لائے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ جامہ مبارک کیسا تھا۔ فرمایا۔ یہ میری والدہ صاحبہ کا دامانِ مقدس تھا۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔ جس شہر میں امساک باراں ہو۔ رات کو سورہ دخان کا ختم بکثرت کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت شغل میں لگ گئے۔ اور مجلس اٹھ کر چلے گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

بیسویں فصل

ذکر کشف و کرامت

قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولانا شہاب الدین بخاری اور دیگر احباب حاضرِ خدمت تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کشف و کرامت کے موضوع پر ارشاد فرما رہے تھے۔

اے درویش! اولیاء کی کرامت حق ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کا معجزہ حق ہے لیکن تصوف میں کرامتوں کے اخفاء بارے میں آیا ہے فرض اللّٰہُ اولیائہ کتمان الکرامتہ کما فرض علی انبیاء اظہار المعجزہ۔ اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام پر کرامت کا اخفاء فرض کیا ہے۔ جیسا کہ انبیائے کرام پر اظہار معجزہ کو فرض کیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کرامت کا اظہار کرے تو اُس نے ترک فرض کیا ہوگا۔

اے درویش! ہمارے خواجگان سلسلہ عالیہ چشتیہ نے سلوک کے پندرہ درجے مقرر فرمائے ہیں۔ اور ان میں سے پانچ درجے کشف و کرامت کے ہیں۔ اس لئے سالک کو انہیں پانچ درجات میں مقید ہو کر نہ رہنا چاہیئے بلکہ جملہ درجاتِ پانزدہ کی سیر کرنی چاہیئے۔ جب تمام مقامات کا حصول ہو جائے تو بے شک اظہار کرے۔

ولایت کا درجہ کمال

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی چشتی قدس سرہ العزیز سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ولی کامل کی نشانی کیا ہے۔ اور کیسے اندازہ لگایا جائے کہ فلاں شخص مرتبہ سلوک میں درجۂ کمال پر فائز ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ انسان اس وقت درجۂ کمال پر پہنچتا ہے۔ جب وہ کسی مردہ پر پھونک مارے تو اُسے خدا کے حکم سے زندہ کر دے۔

اسی موقع حضرت شیخ الاسلام نے اپنے حضور قطب الاقطاب بختیار اوشی چشتی قدس سرہ العزیز کا واقعہ بیان فرمایا۔ کہ ایک دن ایک بڑھیا روتی ہوئی حضرت کی بارگاہ بیکس پناہ میں آئی۔ قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کی۔ حضور خواجہ! میرا ایک ہی بیٹا تھا بادشاہ نے بے گناہ سولی پر چڑھا دیا ہے۔ میں کیا کروں۔ بڑھیا کی زاری نے حضرت خواجہ کو تڑپا دیا۔ اٹھے اور عصائے مبارک ہاتھ میں لے کر اپنے خادموں کے ہمراہ باہر تشریف لے آئے۔ بڑھیا آگے آگے تھی۔ نوجوان کے سرہانے پہنچ گئے۔ ہندو مسلمان سب لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ خواجہ نے کہا۔ میرے اللہ! اگر اس نوجوان کو بادشاہ نے بے گناہ سزا دی ہے تو اس کو زندہ فرما دے۔ حضرت نے یہ کہا ہی تھا کہ نوجوان اٹھ کر اپنی والدہ کے ساتھ چل پڑا۔ اُس روز ہزارہا ہندو حضرت کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ ہمارے خواجگان سے بڑھ کر کاملیت کہیں اور نہ دیکھی گئی۔

فرمایا۔ میری والدہ ماجدہ صاحب کشف و کرامت خاتون تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ

ہمارے گھر میں چور داخل ہؤا۔ گھر کے تمام لوگ سوئے ہوئے تھے۔ لیکن والدہ ماجدہ بیدار تھیں۔ اور ذکر و شغل میں مصروف۔ چور اندر داخل ہوتے ہی اندھا ہو گیا۔ اب اُسے باہر نکلنے کا راستہ نہ سجھائی دیتا تھا۔ اس نے آواز دی۔ اگر اس گھر میں کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے۔ اگر خاتون ہے تو میری ماں اور بہن ہے۔ جو کوئی بھی ہے میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس کی ہیبت نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ میرے لئے دعا کریں تاکہ میری آنکھوں کی روشنی لوٹ آئے۔ میں نے توبہ کی۔ باقی عمر چوری نہ کروں گا۔ والدہ ماجدہ نے جب یہ الحاح سنی۔ تو دعا فرمائی۔ خدائے کریم نے اُس کی بینائی لوٹا دی۔ وہ شخص چلا گیا۔ صبح ہوئی۔ میری والدہ ماجدہ نے یہ واقعہ کسی سے بیان نہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی اُپنے اہل و عیال کو ساتھ لئے سر پہ دہی کا دونا رکھے میری والدہ ماجدہ کے حضور حاضر ہو کر اسلام لے آیا اور چوری سے توبہ کی۔

ایک دفعہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہاڑ کی طرف گئے۔ وہاں عبد اللہ ابن مسعود بکریاں چرا رہے تھے۔ حضور نے اُن سے تھوڑا سا دودھ طلب فرمایا۔ آپ نے کہا میں امانتدار ہوں۔ کس طرح دے سکتا ہوں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تھوڑا سا دودھ دے دو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہوں نے کہا میں امین ہونے کی حیثیت سے دودھ دینے کا مجاز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک بکری ایسی لاؤ جس کو تھیلا نہ چڑھایا گیا ہو۔ وہ بکری لائے۔ حضور نے اپنا دست مبارک اُس کی پیٹھ پر رکھا۔ بکثرت دودھ اس بکری میں پیدا ہو گیا۔ روایت میں ہے۔ کہ جب تک وہ بکری زندہ رہی ہر روز پانچ سیر دودھ دیتی رہی۔ یہ برکت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کی وجہ سے تھی۔

جو لوگ خدا کے ہو جاتے ہیں خدائے کریم اُن کا ہو جاتا ہے

فرمایا۔ ایک دفعہ میں غزنی کا سفر کر رہا

تھا۔ ایک غار میں ایک بزرگ کو میں نے دیکھا بڑے ذاکر و شاغل۔ میں غار کے اندر چلا گیا اور سلام عرض کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ اے عزیز! میں تیس سال سے اس غار میں مسکن پذیر ہوں۔ میری روزی عالم غیب سے فراہم کی جاتی ہے۔ کوئی چیز مل جاتی ہے تو کھا لیتا ہوں۔ وگرنہ شکر کر کے پڑ رہتا ہوں۔ غرضیکہ جب نماز کا وقت ہوا۔ میں نے اُن کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور انتظار کرنے لگا کہ افطاری کس سے کروں۔ کھجور کا ایک درخت سامنے تھا۔ اُن بزرگ نے ہاتھ بڑھایا اور دس کھجوریں توڑیں۔ پانچ کھجوریں مجھے عطا کیں اور پانچ کھجوریں خود لیں۔ ہم نے انہیں کھایا۔ پانی موجود نہ تھا۔ پائے مبارک زمین پر مارا۔ پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ سیر ہو کر پانی پیا۔ میں آداب بجالایا اور رخصت کی اجازت مانگی۔ تو اُنہے مصلیٰ کے نیچے سے پانچ اشرفیاں زر خالص کی اٹھا کر مجھے دیں۔ اور رخصت کیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ ایک دفعہ میں اور شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز بدایون کے شہر میں پہنچے۔ وہاں اپنی رہائش گاہ کے دروازے پہ بیٹھے تھے کہ ایک دہی بیچنے والا بدایوں کے مضافات کے گاؤں کھتم کے رہنے والا سر پہ دہی کا دونا اٹھائے گذرا۔ اس علاقے میں راہزن بکثرت ہیں۔ اور یہ آدمی بھی اُن میں سے ہی تھا۔ غرضیکہ جب اُس شخص کی نظر شیخ جلال الدین تبریزی کے روئے مبارک پہ پڑی۔ پہلی نظر ہی میں اُس کے دل کی کایا پلٹ گئی۔ شیخ کی نظر بھی اُس شخص پر پڑ گئی۔ کہا۔ دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس شان کے لوگ بھی ہیں۔ فوراً آ کر قدموں میں گر پڑا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آپ نے اُس کا نام علی رکھا۔ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر گھر گیا۔ اور اسی وقت ایک لاکھ جیتل حضرت شیخ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرنے کے لئے لیکر دوبارہ حاضر ہوا۔ شیخ نے قبول فرما کر کہا کہ یہ روپیہ تم اپنے پاس

رکھو۔ جہاں میں کہوں گا خرچ کرتے رہنا۔ چنانچہ اس روپیہ سے لوگوں کو عطا کرتے رہے۔ کسی کو چالیس درم، کسی کو پچاس، کسی کو بیس۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو درم اور کم ازکم پانچ۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ روپیہ ختم ہونے کو آیا۔ صرف ایک درم رہ گیا۔ علی کہتے ہیں۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ میرے پاس ایک درم سے زیادہ نہیں بچا۔ اور حضرت کی بخشش کم ازکم پانچ درہم ہے۔ اب کیا ہوگا۔ حضور نے کسی کو فرمادیا تو میں کہاں سے ادا کروں گا۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا۔ کہ ایک سائل آگیا۔ اُس نے سوال کیا۔ حضرت شیخ نے مجھے فرمایا۔ وہ ایک درم اِسے دیدو۔ علی حیران رہ گئے۔ جب شیخ جلال الدین تبریزی بداوں سے روانہ ہوئے تو علی نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ حضرت نے فرمایا۔ تم یہیں رہو۔ علی نے بڑی لجاجت سے ساتھ رہنے کی درخواست کی، اور اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ مصلحت اِسی میں ہے۔ کہ تم یہیں رہو۔ کیونکہ اب یہ شہر تمہارے زیر سایہ ہے۔ چنانچہ شیخ روانہ ہو گئے اور علی وہیں رہے۔

جب حضرت نے یہ مضامین نافعہ بیان فرمائے۔ تو اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ اور ہم خدام بارگاہ واپس آگئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

اکیسویں فصل

پیر کی تعظیم کے ذکر میں

حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا یحییٰ غریب، مولانا نظام الدین بدایونی شیخ جمال ہانسوی، شیخ برہان الدین ہانسوی اور چند دیگر احباب حاضرِ خدمت تھے۔ پیر کی تعظیم کے بارے میں گفتگو فرمائی۔

پیر کی تعظیم کرنا اہل سلوک کی سُنّت ہے

اے درویش! مرید کے لئے ضروری ہے کہ پیر جو حکم دے بدل و جان بجا لائے۔

حضرت خواجہ قطب الاقطاب سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ حضور! پیر کا حق مرید پر کتنا ہے۔ فرمایا۔ میں خواجہ معین الدین اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کے ہمراہ بیس سال تک سفر کرتا رہا۔ حتیٰ کہ خلوت و جلوت میں حاضر باش ہونے کی سعادت حاصل کی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک لق و دق صحرا میں پہنچے۔ کہ جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ خواجہ غریب نواز اس بیابان میں تین دن رات سفر فرماتے رہے۔ سنتے تھے کہ اُس بیابان کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ اُس پہاڑ پر ایک بزرگ قیام گزیں ہیں۔ حضور خواجہ غریب نواز نے مجھے بلایا۔ اپنے مصلیٰ کے نیچے سے دو گرم روٹیاں نکالیں اور مجھے حکم دیا کہ یہ روٹیاں لے جاؤ اور اُن بزرگ کی خدمت میں میرے سلام کے بعد پیش کرو۔ میں اُن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا اور دو روٹیاں پیش کیں۔ انہوں نے ایک روٹی مجھے عنایت فرما دی اور دوسری اپنے افطار کے لئے رکھ دی۔ بعد ازاں ہاتھ مصلیٰ کے نیچے لے گئے اور چار کھجوریں نکال کر۔ فرمایا۔ کہ یہ شیخ معین الدین کو پہنچا دیں۔ کھجوریں

لیکر جب اُپنے خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ بہت خوش ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔ اے درویش! پیر کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی مانند ہے۔ جو شخص پیر کا حکم بجالاتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان بجالایا۔

روزے کے بارے میں ارشاد

اِس کے بعد کچھ روزے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روائت ہے۔ للصائم فرحتان فرحتہ عنہ الافطار وفرحتہ عنہ لقاء ربہ۔ روزے دار کے لئے دو فرحتیں ہیں۔ ایک افطاری کے وقت اور دوسری دیدارِ باری کے وقت۔ الحمد للہ کہ یہ عبادت میں نے پوری کی اَب اُس کی نعمت کا امیدوار ہوں۔

اے درویش! ہر عبادت کی جزا مقرر ہے۔ روزے کی جزا دیدارِ خدا ہے بے شک روزہ دار خوش ہوتا ہے کہ اِس نعمت کا حق دار بن گیا۔

یہ کہہ کر حضرت شیخ الاسلام مراقبہ میں چلے گئے۔ دیر تک حالتِ مراقبہ میں رہے۔ پھر اٹھ کر عالم حیرت میں مشغول ہو گئے۔ ہم لوگ واپس آ گئے۔ الحمد للہ علی ذالک۔

بائیسویں فصل

ذکر رنج و محنت و مشقت

مجلس شیخ قدس اللہ سرہ العزیز میں حاضر ہوا۔ تو مولانا بہاؤ الدین غریب، مولانا نظام الدین بدایونی، شیخ جمال الدین ہانسوی اور چند دیگر صوفی سلسلہ عالیہ چشتیہ سے نسبت رکھنے والے خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ موضوع ارشاد رنج و محبت تھا۔ فرمایا۔ اے درویش! انسان پر جو دکھ اور تکلیف نازل ہوتی ہے۔ اُسے جاننا چاہیئے۔ کہ اس کا سبب نزول کیا ہے۔ خیریت اسی بات میں ہے۔ کہ وہ اُس مصیبت پر خبردار ہو جائے۔ اور عبرت حاصل کرے۔ اصحاب خیر کے لئے تو یہ تنبیہ کافی ہوتی ہے۔ البتہ اہل شر کے لئے انداز جداگانہ ہے۔ وہ لوگ جو ہمیشہ بر سرِ باطل ہوں۔ اُن پر کوئی مصیبت نازل نہیں کی جاتی۔ یہ امر اُن کی ابدی ذلت و رسوائی کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ قدرت نے اُن کی رسی کو لمبا کر دیا ہے اور مہلت دے دی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس حالت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میرے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھتا ہے۔ تو میں جانتی ہوں یہ تکلیف کس وجہ سے ہے۔ جب ام المومنین پر تہمت لگائی گئی۔ تو خدا کے حضور فریاد کرتیں اور کہتیں الٰہی! مجھے یہ معلوم ہے کہ یہ تہمت مجھ پر کیوں لگائی گئی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری محبت کا دعویٰ اور اپنا میلانِ خاطر ظاہر فرمایا ہے۔ یہ مجھ پر تہمت اسی وجہ سے ہے۔

مصیبت پر صبر کا اجر

حضرت اقدس نے فرمایا۔ اے درویش! جب

انسان پر کوئی دکھ یا تکلیف آئے اُسے اس پر صبر کرنا چاہیئے۔ اُس کے گناہوں کے انبار بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا۔ دکھ اور تکلیف بھی اچھی چیزیں ہیں۔ انسان کو نافرمانیوں سے پاک اور صاف کرتی ہیں۔ کیونکہ مصیبت ہی گناہوں کو پاک کرنیوالی ہے

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز سے بارہا میں نے سنا کہ مصیبت گناہوں کو دُور کرنے والی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ العزیز کی بارگاہ گدا پناہ میں حاضر تھا۔ اُن کے کسی عضو مبارک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے کبھی اُن کی زبان سے مناجات کے وقت یہ نہ سُنا۔ کہ اللہ! مجھے صحت دیدے۔ بلکہ یوں فرماتے۔ الٰہی! جتنی تکلیفیں اُور مصیبتیں ہیں معین الدین کی جان پر مقدر فرمادے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کی۔ حضور! یہ کیسی دعا آپ کرتے ہیں۔ اور اتنی بلاؤں، مصیبتوں، دکھوں اور تکلیفوں میں گرفتار ہونے کی خواہش فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ جو اس قسم کی دُعا کرتا ہے یہ اُس کے ایمان کے درست ہونے کی علامت ہے۔ اور گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے ابھی شکم مادر سے پیدا ہوا ہے۔

اللہ کے دوست مصیبت پر خوش ہوتے ہیں

فرمایا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی یہ عادت شریفہ تھی۔ کہ آرزو کر کے دکھ اور بیماری طلب کرتیں۔ جس دن کوئی تکلیف یا بخار وغیرہ اُن کو نہ ہوتا۔ مناجات کرتیں اُور کہتیں۔ الٰہی! شائد تو نے آج اِس ضعیفہ کو فراموش کر دیا ہے کہ کسی مصیبت میں گرفتار کر کے یاد نہیں کیا۔

جب خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز کسی تکلیف میں ہوتے تو بطور شکرانہ ہزار نفل نماز گذارتے۔

اے درویش! جب سیدنا ایوب علیہ السلام کی صحت کا وقت قریب آیا۔ تو اُن کے جسم مبارک سے ایک کیڑا زمین پر گرا۔ انہوں نے اس کیڑے کو اٹھا کر اُسی مقام پر

رکھ دیا۔ اُس کیڑے نے سیدنا ایوب کو اس زور سے ڈنگ مارا کہ حضرت کی چیخ نکل گئی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ چنانچہ جبریل امین تشریف لائے۔ اور کہا۔ اے ایوب (علیہ السلام) آپ کے رب کا فرمان ہے۔ کہ اس کیڑے کو حکم تھا کہ گر پڑے۔ آپ نے اسے اٹھا کر پھر اپنے مقام پر رکھ دیا۔ آپ نے حکم عدولی کی۔ اور فرمان بجا نہ لانے والوں کی یہی سزا ہوتی ہے۔

فرمایا۔ ایک دفعہ میں اُپنے شیخ قطب الاقطاب بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ سلطان شمس الدین (انار اللہ برہانہ) (اللہ اُن کی دلیل کو روشن کرے) نے اپنا وزیر اُن کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ عرض کی۔ آپ دعا فرمائیں۔ بادشاہ کو کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی ہے۔ شاید آپ کی دُعا کی برکت سے ربِ کریم صحت عطا فرمادیں۔ حضور خواجہ نے حاضرین سے کہا۔ بادشاہ وقت کی صحت کے لئے اخلاص سے دُعا کریں۔ جب حضور دعا مانگ چکے۔ تو فرمایا۔ جاؤ وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ جس شخص کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ یہ اُس کی صحت ایمان کی نشانی ہوتی ہے۔ وہ شخص گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت نے یہ مضمون بیان فرمایا تو رقت طاری ہو گئی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ عشاق حضرت اس راہ میں مصیبتوں کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ جس دن ان پر کوئی بلا نازل نہیں ہوتی۔ اپنی موت پر افسوس کرتے ہیں۔ کہ آج محبوب نے ہمیں یاد نہ کیا۔ اور فراموش کر دیا۔ کیونکہ اگر فراموش نہ کرتے تو کسی نہ کسی بات میں تو یاد کرتے۔ جب محبوب کی بلا کے نازل کرنے سے اُن کی یاد فرمائی کرتا ہے تو خوشی سے نفل شکرانہ ادا کرتے ہیں۔ کہ محبوب کی یاد میں آ گئے۔

اے درویش! عشق کی راہ میں مخلص وہی ہے۔ جو دکھ، تکلیف اور مصیبت کی آرزو کرے کیونکہ یہ درد اور رنج بھی اسرار و انوارِ محبوب کا حصہ ہیں۔ خواجہ منصور حلاج

ایک سال تک مرض تپ (بخار) میں مبتلا رہے۔ اس ایک سال میں خواجہ موصوف نے اپنے وظائف وعبادات میں ایک ذرہ برابر کمی نہ کی۔ بلکہ زیادہ کر دیا۔

سالکین کا ارشاد ہے کہ تکلیف اور دکھ تو عاشقین کے لئے شیرینی کی مانند ہے۔ جو کہ خوشی کے وقت بچوں میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ اگر درد و محنت میں نعمت نہ ہوتی۔ تو آدم صفی اللہ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام اِسے قبول نہ فرماتے۔ اور اگر اندوہ وغم میں بے حساب راحت کا سامان نہ ہوتا تو سیدنا ایوب صبر نہ کرتے اور اگر درد و بلا میں شوق واشتیاق نہ ہوتا تو سیدنا داؤد ہزاروں آرزوؤں سے اس کی طلب نہ کرتے۔ اور ریاضتِ شاقہ و مجاہدہ نہ فرماتے۔ پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام انبیاء اولیاء اور عشاقِ بارگاہ ہزار آرزوؤں سے ان مصیبتوں کے خدائے کریم سے طلبگار ہوتے ہیں۔ اس لئے راہ سلوک میں یہی لوگ محبانِ مخلص کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور جس کے پاس درد و محنت میں سے کوئی سامان زادِ راہ کے طور پر نہیں۔ ہرگز واصلین و عاشقین کی صف میں شمار کئے جانے کا اہل نہیں اور نہ ہی حضرت حق میں باریابی کا شرف حاصل کرنے کا مستحق ہے۔

اِس مقام پر حضرتِ اقدس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور فرمایا۔

اے درویش! ہم مسافر ہیں اور بر سر بلا بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ بلا دنیا ہے۔ اچانک ہماری عمر کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور ہمارا ٹھکانہ قبر کو قرار دے دیا جائے گا۔

یہ فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔

آخر میں عرض ہے۔ کہ یہ ملفوظات گرامی وہ اسرار و انوار اور الفاظ درر بار ہیں جو اِس خادم نے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت اقدس میں بارہ سال تک رہ کر سنے ہیں۔ جن کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ بشرطِ زندگی انشاء اللہ تعالےٰ

آئندہ بھی جو ارشادات سننے کی سعادت نصیب ہوگی وہ صورتِ رقم اختیار کریں گے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

حررہ۔ عبد السمیع
رضا منزل۔ ۳۸۴۔ ایس
فرید ٹاؤن ساہیوال

۱۰ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ ہجری
۱۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء عیسوی

تمت بالخیر